اسلام اور ہماری زندگی

(مجموعہ خطبات و تحریرات)

جلد نمبر ۶

اصلاح و تصوّف

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ادارۂ اسلامیات

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں اُلجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن وسنت میں پوشیدہ ہے ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کرسکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین ودنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ''اسلام اور ہماری زندگی'' انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

اصلاح و تصوّف

جلد ۶

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں الجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن وسنت میں پوشیدہ ہے۔ ہم افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین ودنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ''اسلام اور ہماری زندگی'' انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ خطبات وتحریرات

جلد ۶

اصلاح وتصوّف

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ادارۂ اسلامیات

[illegible]

نام کتاب

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ محاضرات

جلد ۱

[illegible]

اشاعت اول

[illegible] ۔ جون [illegible]

ادارہ اسلامیات

پبلشرز ، بک سیلرز ، ایکسپورٹرز

[illegible] لاہور فون [illegible] فیکس [illegible]

۱۹۰ انارکلی لاہور پاکستان ___ فون [illegible]

[illegible] اردو بازار کراچی پاکستان ___ فون [illegible]

www.idaraeislamiat.com

E-mail:idara.e.islamiat@gmail.com

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ اردو بازار کراچی

دارالاشاعت [illegible] اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت القرآن اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت العلوم [illegible] لاہور

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں اُلجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن وسنت میں پوشیدہ ہے۔ ہم افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کرسکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین ودنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ''اسلام اور ہماری زندگی'' انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعۂ خطبات وتحریرات

جلد ۶

اصلاح وتصوّف

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

مرتب

مولانا محمد اویس سرور صاحب

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ ۱۹۰ دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور ★ ۱۹۰ انارکلی لاہور، پاکستان ★ موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
فون ۳۷۳۴۴۴۱۲-۳۷۳۲۴۷۸۵ فیکس ۹۲-۴۲-۳۷۳۲۴۷۸۵ فون ۳۷۳۵۳۲۵۵-۳۷۲۳۴۹۹۰ فون ۳۲۷۲۲۴۰۱

فہرست مضامین

دل کی بیماریاں اور طبیب روحانی کی ضرورت ۱۳۸

دنیا کو دل سے نکال دیجئے ۱۵۴

اللہ تعالیٰ سے تعلق کا آسان طریقہ ۲۹۰

کیا آپ کو خیالات پریشان کرتے ہیں؟ ۲۹۹

''تصوّف'' کی حقیقت اور اس کے تقاضے ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَحَبِيْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ (۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان کئی جمعوں سے چل رہا ہے جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنین کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے چوتھی آیت میں ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح پانے والے مؤمن وہ ہیں جو زکوۃ پر عمل کرنے والے ہیں۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اس آیت کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب ہے زکوۃ ادا کرنا۔ اور دوسرا مطلب ہے اپنے اخلاق کو پاکیزہ بنانا۔ اس دوسرے مطلب کو بیان کرنے میں کئی جمعے گزر گئے، آج اس کا تتمہ عرض کرنا ہے۔ پھر زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلی آیات کی طرف متوجہ ہوں گے۔

باطن سے متعلق احکام کا تذکرہ

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری ظاہری زندگی سے متعلق کچھ

☆ اصلاحی خطبات (۱۵/ ۱۱۸ تا ۱۳۴) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) المؤمنون: ۱۔ ۷، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے۔ جو اپنی نمازوں میں دل سے جھکنے والے ہیں، اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور جو زکوۃ پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں''

احکام ہم پر لازم کئے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ، اسی طرح ہمارے باطن سے متعلق بھی کچھ احکام اللہ تعالیٰ نے عائد فرمائے ہیں، مثلاً یہ کہ انسان کے دل میں ''اخلاص'' ہونا چاہئے، ریاکاری نہیں ہونی چاہئے، انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی محبت ہونی چاہئے، انسان کے دل میں تواضع ہونی چاہئے، اپنی بڑائی دل میں نہ ہونی چاہئے، جب ''صبر'' کرنے کا موقع آئے تو انسان کو صبر کرنا چاہئے، جب شکر کا موقع آئے تو ''شکر'' کرنا چاہئے۔ ان سب احکام کا تعلق انسان کے قلب اور باطن سے ہے۔

باطن سے متعلق حرام کام

اسی طرح باطن سے متعلق بہت سے کام حرام ہیں، مثلاً ''حسد'' کرنا حرام ہے، ''تکبر'' کرنا حرام ہے، کسی سے ''بغض'' رکھنا حرام ہے، ریاکاری اور نام ونمود کرنا حرام ہے۔ پس اخلاق کو درست کرنا اور ان کو پاکیزہ بنانا بھی ایک مؤمن کا انتہائی اہم فریضہ ہے، صرف اتنی بات کافی نہیں کہ آپ نے نماز پڑھ لی اور رمضان کے روزے رکھ لیے اور زکوٰۃ ادا کردی، موقع ہوا تو حج کرلیا اور عمرہ کرلیا، بات ختم ہوگئی، ایسا نہیں ہے، بلکہ باطن کے ان اعمال اور اخلاق کی اصلاح ضروری ہے کہ دل میں تکبر نہ ہو، حسد نہ ہو، ریاکاری نہ ہو، نام ونمود نہ ہو، دنیا کی محبت دل میں بیٹھی ہوئی نہ ہو، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت دل میں ہو، یہ سب چیزیں باطن کے اندر حاصل ہونی ضروری ہیں۔

یہ چیزیں تربیت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں باطن کے اندر کیسے حاصل ہوں؟ خوب سمجھ لیں کہ یہ چیزیں محض کتابیں پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتیں، محض تقریریں سن لینے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ اس کے لئے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت کے جو مقاصد قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ آپ لوگوں کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں اور ان کے دلوں سے بداخلاقی کی گندگیاں دور فرمائیں، یہ کام تربیت کے ذریعہ ہوتا ہے، ہمارے اسلامی علوم میں ''تصوف'' جس علم کو کہا جاتا ہے، اس کا اصل مقصد تربیت اخلاق ہی ہے۔ آپ نے ''فقہ'' کا لفظ سنا ہوگا، ''فقہ'' اس علم کو کہا جاتا ہے جس میں ظاہری اعمال کے احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ کیا کام جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ نماز کے اوقات کیا ہیں؟ نماز کس طرح درست ہے اور کس طرح فاسد ہوجاتی ہے؟ روزے کے کیا احکام ہیں؟ زکوٰۃ کے کیا احکام ہیں؟ حج کے کیا احکام ہیں؟ یہ سب باتیں علم فقہ کے اندر بیان کی جاتی ہیں اور ان احکام کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔

”علم تصوف“ کے بارے میں غلط فہمیاں

اخلاق سے متعلق جو باتیں میں عرض کر رہا ہوں، ان کا بیان اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ ”علم تصوف“ میں بتایا جاتا ہے۔ آج ”علم تصوف“ کے بارے میں لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں، بعض لوگ تو سمجھتے ہیں کہ ”تصوف“ کا شریعت سے کوئی واسطہ نہیں اور قرآن کریم اور حدیث مبارکہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ ”تصوف“ کو اختیار کرنا بدعت ہے۔ خوب سمجھ لیں کہ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ نے اخلاق کو درست کرنے کا جو حکم دیا ہے، وہی ”تصوف“ کا موضوع ہے، اس لئے یہ ”تصوف“ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کے خلاف نہیں۔ دوسری طرف بعض لوگوں نے ”تصوف“ کو غلط معنی پہنا دیئے ہیں، ان کے نزدیک ”تصوف“ کے معنی ہیں مراقبے کرنا، کشف حاصل ہونا، الہام ہونا، خواب اور اس کی تعبیر اور کرامات کا حاصل ہونا وغیرہ۔ ان کے نزدیک اسی کا نام ”تصوف“ ہے۔ اس کے نتیجے میں ان لوگوں نے بعض اوقات تصوف کے نام پر ایسے کام شروع کر دیئے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں دو تصرف کر لیے۔

تصوف کے بارے میں دو غلط تصرفات

ایک تصرف تو یہ کیا کہ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو ”صوفی“ کہلاتے ہیں مگر ساتھ میں بھنگ بھی پی رہے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ بھنگ مولویوں کے لئے حرام ہے لیکن صوفیوں کے لئے حلال ہے، اس لئے کہ ہم تو بھنگ پی کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ خدا جانے کہاں کہاں کے خرافات، غلط عقیدے، مشرکانہ خیالات داخل کر دیئے اور اس کا نام ”تصوف“ رکھ دیا۔

دوسرا تصرف یہ کیا کہ مرید پیر کا غلام ہے، جب ایک مرتبہ کسی کو پیر بنا لیا تو اب وہ پیر چاہے شراب پیئے، چاہے جوا کھیلے، چاہے حرام کاموں کا ارتکاب کرے، سنتوں کو پامال کرے، لیکن پیر صاحب اپنی جگہ برقرار ہیں، مرید کے ذمے ان کے قدم چومنا لازم ہے اور ہر چند روز کے بعد اس پیر کو نذرانہ پیش کرنا لازم ہے، کیونکہ جب تک وہ پیر صاحب کو اس طرح خوش نہیں کرے گا، جنت کے دروازے اس کے لئے نہیں کھل سکتے۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ ”تصوف“ کا یہ تصور نہ قرآن کریم میں ہے اور نہ حدیث میں ہے، اس تصور کا کوئی تعلق شریعت اور سنت سے نہیں ہے۔

تصوف کا درست تصور

”تصوف“ کا اصل تصور ”اخلاق“ کی اصلاح اور باطنی اعمال کی اصلاح تھا، اس کے لئے

ضروری تھا کہ کوئی شخص کسی متبعِ سنت، صحیح علم رکھنے والے، صحیح عقیدہ رکھنے والے شخص کو اپنا مقتدا بنائے، جس نے خود اپنی تربیت کسی بڑے سے کرائی ہو اور اس سے جا کر کہے کہ میں آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں اور وہ پھر اس کی رہنمائی کرے، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورِ اقدس ﷺ کو اپنا مقتدا بنایا کہ آپ ہمارے مربی ہیں، ہماری تربیت کرنے والے ہیں، ہمارے اعمال و اخلاق کو درست کرنے والے ہیں، اس لئے آپ کی اطاعت ہمیں کرنی ہے۔ یہ تصور بالکل درست تھا اور یہ پیری مریدی صحیح تھی اور قرآن وحدیث کے مطابق تھی۔ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ اچھے اخلاق اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))(۱)

''مجھے تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہے تاکہ میں لوگوں کے اخلاق درست کروں اور ان کی تکمیل کروں''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو رسول کریم ﷺ کے حوالے کر دیا تھا کہ آپ جس طرح کہیں گے اسی طرح کریں گے، ہمارا دل چاہ رہا ہو یا نہ چاہ رہا ہو، ہماری عقل میں بات آ رہی ہو یا نہ آ رہی ہو، لیکن آپ جو کچھ فرمائیں گے، ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق کو ایسا مجلّٰی اور مصفّٰی فرما دیا کہ اس روئے زمین پر اور اس آسمان کے نیچے ایسے بہترین اخلاق والے انسان ان کے بعد پیدا نہیں ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ کسی بھی وقت اپنے نفس سے غافل نہیں ہوتے تھے، اگرچہ ان کو حضورِ اقدس ﷺ کی تربیت حاصل ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کی صحبتِ کیمیا نے ان کو کندن بنا دیا تھا، لیکن اس کے باوجود ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم صحیح راستے سے بھٹک نہ جائیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت

حضرت فاروقِ اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ))(۲)

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے''

(۱) كنزالعمال، رقم: ٥٢١٧ (٣/٣٤)، جمع الجوامع للسيوطي، رقم: ٣٠٠٠ (١/ ٩٢١٥)، سنن البيهقي، رقم: ٢١٣٠١ (٢/ ٤٧٢)، جامع الأحاديث، رقم: ٨٨٩٢ (٩/ ٤٨٦)، أدب الدنيا والدين (١/ ٢٨٤)، الدرالمنتثرة (١/ ٨)

(۲) سنن الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله، باب في مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ٣٦١٩، مسند أحمد، رقم: ١٦٧٦٤

جنہوں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سن لیا کہ عمر جنت میں جائے گا۔ جنہوں نے براہِ راست حضور اقدس ﷺ سے یہ سنا کہ اے عمر! میں جب معراج پر گیا اور جنت کی سیر کی تو وہاں جنت میں ایک بہت شاندار محل دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر بن خطاب کا محل ہے۔ میرا دل چاہا کہ میں محل کے اندر جا کر دیکھوں، لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی کہ تم بڑے غیور آدمی ہو، اس لئے تمہارے گھر میں تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو رو پڑے اور عرض کیا:

"أَوَ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغَارُ"

''یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا''(۱)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا خوفِ آخرت

ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ جب حضورِ اقدس ﷺ کا وصال ہوگیا تو آپ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ وہ صحابی تھے جن کو حضورِ اقدس ﷺ نے منافقین کی فہرست بتا رکھی تھی کہ مدینہ میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ان کو قسم دے کر فرمایا کہ خدا کے لئے بتادو کہ منافقین کی جو فہرست حضورِ اقدس ﷺ نے آپ کو بتائی ہے، اس فہرست میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے۔(۲)

یہ ڈر اس لئے لگا ہوا تھا کہ حضورِ اقدس ﷺ کے زمانے میں تو بے شک میری حالت ٹھیک ہوگی جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے مجھے یہ خوشخبری دی، لیکن کہیں بعد میں میری حالت خراب نہ ہوگئی ہو اور بعد میں میرے اخلاق تباہ نہ ہوگئے ہوں، اس وجہ سے مجھے دھڑکا لگا ہوا ہے۔ یہ تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ ہر وقت اور ہر آن ان کو یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں ہمارے اعمال میں اور ہمارے اخلاق میں خرابی نہ آجائے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا پرنالہ توڑنا

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے، اس وقت بارش ہو رہی تھی، آپ نے

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب أبي حفص القرشي العدوي، رقم: ۳۴۰۳، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر، رقم: ۴۴۰۸، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل عمر، رقم: ۱۰۴، مسند أحمد، رقم: ۸۱۱۵

(۲) البداية والنهاية (۵/ ۱۹)

دیکھا کہ کسی شخص کے گھر کے پرنالے سے مسجد نبوی کے صحن میں پانی گر رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ گھر کے پرنالے سے مسجد کے اندر پانی نہیں گرنا چاہئے، اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں ہے کہ لوگ اس کے اندر اپنے گھر کے پرنالے گرایا کریں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھر ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ غلط بات ہے، مسجد کسی کی جاگیر نہیں ہوتی اور اس کے اندر گھر کا پرنالہ گرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ پرنالہ توڑ دیا۔

میری پیٹھ پر کھڑے ہو کر پرنالہ لگاؤ

اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور پوچھا کہ امیر المؤمنین! آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد نبوی وقف ہے اور اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور یہ پرنالہ تمہارے ذاتی گھر کا ہے، اس کا مسجد میں گرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ یہ پرنالہ لگانا جائز نہیں تھا، اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ پرنالہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگایا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگائے ہوئے پرنالے کو آپ نے توڑ دیا؟ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سناٹے میں آگئے اور پوچھا: اے عباس! کیا واقعی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں کہ خدا کے لئے یہ کرو کہ میں ابھی یہاں جھک کر کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری پیٹھ پر کھڑے ہو کر ابھی اسی پرنالے کو درست کرو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ رہنے دیں، آپ نے اجازت دے دی، بات ختم ہو گئی، میں پرنالے کو لگوا لوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ کوئی شخص میری کمر پر کھڑے ہو کر اس پرنالے کو نہ لگا دے، اس لئے کہ ابن خطاب کی یہ مجال کیسے ہوئی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دیئے ہوئے پرنالے میں تصرف کیا اور اس کو توڑ دیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی کمر پر سوار کر کے اس پرنالے کو درست کرایا۔ (۱)

ایسا کیوں کیا؟ یہ اس لئے کیا تاکہ دل میں یہ خیال نہ آجائے کہ اب میں حاکم بن گیا ہوں اور میرا حکم چلتا ہے، اب میں فرعون بن گیا ہوں جو چاہوں کروں، اس لئے اس عمل کے ذریعہ اس خیال کو ختم فرمایا اور اپنے نفس کی اصلاح فرمائی۔ بہرحال ہر لمحہ ان کو اس بات کی فکر تھی کہ ہمارے اخلاق درست ہوں۔

---

(۱) طبقات ابن سعد (۱۲/٤) كنز العمال (٦٦/٧) مجمع الزوائد (٢٠٦/٤) حياة الصحابة (٤٢٤/٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور نفس کی اصلاح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں اور بیشمار احادیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں، پڑھنے پڑھانے والے تھے، صوفی منش بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ان کو بحرین کا گورنر بنا دیا گیا۔ اب دن میں یہ وہاں کا انتظام کرتے اور شام کو روزانہ یہ معمول تھا کہ سر پر لکڑیوں کا گٹھر سر پر رکھتے اور بیچ بازار سے گزرتے اور لکڑیاں بیچتے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کام کیوں کرر ہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرا نفس بڑا شریر ہے، مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ حاکم بننے کی وجہ سے کہیں میرے دل میں تکبر نہ آجائے، لہٰذا میں اپنے نفس کو اپنی حقیقت بار بار دکھاتا رہتا ہوں کہ تیری حقیقت یہ ہے۔

ہمارے معاشرے کی حالت

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نفس کی اصلاح کرنے اور اپنے اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور اپنے دل سے تکبر، حسد، بغض، عداوت اور نفرت ختم کرنے کے لئے بڑی محنت اور مجاہدے کئے، یہی کام صوفیاء کرام کراتے ہیں، جو لوگ ان کے پاس اپنی اصلاح کے لئے آتے ہیں، یہ حضرات صوفیاء کرام ان کے اخلاق کی نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارے اندر کچھ خرابی ہے یا کوئی عیب ہے یا ہمارے اخلاق خراب ہیں یا ہمارے اندر تکبر پیدا ہو رہا ہے، خود پسندی آرہی ہے، ریاکاری پیدا ہو رہی ہے، نام و نمود پیدا ہو رہا ہے یا دنیا کی محبت دل میں بیٹھ رہی ہے، ان باتوں کا خیال شاذ و نادر ہی کسی کو آتا ہوگا، بلکہ صبح سے شام تک زندگی کے اوقات گزر رہے ہیں اور ان برائیوں کے ہونے اور نہ ہونے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ برائیاں ایسی ہیں کہ انسان کو خود پتہ نہیں چلتا کہ میرے اندر یہ برائی ہے، چنانچہ تکبر کرنے والے کو خود یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں تکبر کر رہا ہوں۔ تکبر کرنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم تکبر کرتے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تو تکبر نہیں کرتا، کوئی متکبر یہ نہیں کہے گا کہ میں متکبر ہوں یا کوئی حسد کرنے والا یہ نہیں کہے گا کہ میں حسد کرتا ہوں، حالانکہ اس کے دل میں تکبر اور حسد بھرا ہوا ہے۔

ہمیں معالج کی ضرورت ہے

اور یہ برائیاں ایسی ہیں جو انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں، اس لئے کسی معالج کی ضرورت ہوتی ہے جو اس بات کو پہچانتا ہو کہ یہ بیماری اس کے اندر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا علاج کرے۔ اسی کا نام ''تصوف'' اور پیری مریدی ہے اور ''تصوف'' کی اصل حقیقت یہی

ہے، چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾(۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو متقی لوگ ہیں ان کی صحبت اختیار کرو۔ جب تم ان کی صحبت اختیار کرو گے تو ان کا رنگ ڈھنگ تمہارے اندر منتقل ہوگا، ان کا مزاج تمہاری طرف منتقل ہوگا، اور جب تمہارے اندر کوئی بیماری پیدا ہوگی تو وہ پہچان لیں گے اور پہچان لینے کے بعد وہ تمہاری بیماری کا علاج کریں گے اور تمہاری اصلاح کریں گے۔ اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور اپنی اصلاح کرنے کا یہی طریقہ جناب رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔

اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا آسان راستہ

بہرحال! قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق کسی اللہ والے سے جو علم صحیح رکھتا ہو اور عقیدہ صحیح رکھتا ہو اور بظاہر متبع سنت ہو اور خود اس نے اپنی اصلاح کسی بزرگ سے کرائی ہو، اس سے رجوع کرنا اور پھر اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا، اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا آسان راستہ ہے۔

سادہ دل بندے کدھر جائیں

آج لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ ہم اپنی اصلاح کے لئے کس کے پاس جائیں؟ کوئی مصلح نظر ہی نہیں آتا، پہلے زمانے میں بڑے بڑے بزرگ اور بڑے بڑے مشائخ ہوا کرتے تھے، جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت جنید بغدادی، حضرت علامہ شبلی اور حضرت معروف کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ، اب یہ حضرات تو موجود نہیں۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

لہٰذا جب کوئی مصلح نہیں ہے تو اب ہماری چھٹی، ہم جو چاہیں کریں، کسی کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

مصلح قیامت تک باقی رہیں گے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، تو یہ

(۱) التوبۃ: ۱۱۹

حکم صرف حضور اقدس ﷺ کے زمانے تک کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے، لہٰذا اسی آیت میں یہ خوشخبری بھی ہے کہ قیامت تک اللہ والے باقی رہیں گے، صرف تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر چیز میں ملاوٹ ہوگئی

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل ملاوٹ کا زمانہ ہے، ہر چیز میں ملاوٹ ہے، گندم میں ملاوٹ، گھی میں ملاوٹ، دودھ میں ملاوٹ، کوئی چیز اصلی نہیں ملتی، لیکن اس ملاوٹ کی وجہ سے کیا ہم نے یہ فیصلہ کرلیا کہ چونکہ فلاں چیز میں ملاوٹ ہے، اس لئے فلاں چیز نہیں کھائیں گے، مثلاً گھی اور تیل میں ملاوٹ ہے، لہٰذا آئندہ گھی اور تیل استعمال نہیں کریں گے بلکہ گریس استعمال کریں گے۔ ایسا نہیں کرتے، بلکہ ہم اس ملاوٹ کے دور میں بھی تلاش اور جستجو کرتے ہیں کہ کہاں پر گھی اچھا ملتا ہے، کہاں پر تیل اچھا ملتا ہے، پھر وہاں سے حاصل کرکے استعمال کرتے ہیں۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ جب ہر چیز میں ملاوٹ ہے تو اللہ والوں میں بھی ملاوٹ ہے، لیکن کوئی جستجو کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح جگہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ آج بھی اصلاح کرنے والے ختم نہیں ہوئے۔

جیسی روح ویسے فرشتے

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ آج کے دور میں یہ تلاش کریں گے کہ مجھے تو اصلاح کرانے کے لئے جنید بغدادی چاہئیں، مجھے تو شیخ عبدالقادر جیلانی چاہئیں تو یہ حماقت ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے تم ہو، اسی معیار کے تمہارے مصلح بھی ہوں گے۔ لہٰذا آج پرانے دور کے معیار کا مصلح تو نہیں ملے گا، لیکن ایسا مصلح ضرور مل جائے گا جو تمہاری اصلاح کے لئے کافی ہو جائے گا، اس لئے کسی اللہ والے کو تلاش کرو اور اس تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اپنے حالات کی اصلاح کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ انشاء اللہ ضرور مدد فرمائیں گے۔

خلاصہ خلاصہ یہ نکلا کہ قرآن کریم نے اس آیت میں ہمیں اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ اخلاق سے مراد ہے باطن کے اعمال، اور ان کو پاکیزہ بنانے کا بہترین اور آسان راستہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ہے، لہٰذا اللہ والوں کو تلاش کرو اور ان کی صحبت اختیار کرو اور اپنی اصلاح ان سے کرانے کی کوشش کرو، پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تصوف کا مقصد اور شیخِ طریقت کی ضرورت ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ. أَمَّا بَعْدُ!

کئی سال سے رمضان المبارک میں حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سنانے کا معمول ہے۔ سنانے سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے اندر اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو، رمضان المبارک کا مہینہ خصوصی طور پر اصلاح نفس اور تہذیب اخلاق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ اگر انسان اس ماہ کی قدر کرے اور اس ماہ میں اپنی اصلاح کی فکر اور اس کا اہتمام کرے تو وہ جلد منزل کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اسی لئے کئی سال سے رمضان المبارک میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تہذیب اخلاق سے متعلق ارشادات سنانے کا یہ سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔

کتاب ''انفاس عیسیٰ'' کے مرتب کا تعارف

جو کتاب اس وقت میرے سامنے ہے، اس کا نام ''انفاسِ عیسیٰ'' ہے، یہ کتاب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی ملفوظات، آپ کی تربیتی ہدایات اور نفسانی امراض کے علاج کے لئے مفید اور مجرب نسخوں کا خلاصہ ہے جس کو حضرت والا کے خاص خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کی بڑی تعداد ہے، ان میں سے ہر ایک نے اپنی بساط اور صلاحیت کے مطابق حضرت والا سے کسب فیض کیا، اور ان میں سے ہر ایک ہمارے لئے آفتاب اور ماہتاب کا درجہ رکھتا ہے، لیکن ہر خلیفہ میں کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو اس کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔ حضرت مولانا عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت والا کے ابتدائی دور کے خلفاء میں سے ہیں، ان کے بارے میں یہ بات معروف ومشہور ہے کہ حضرت والا کے ساتھ مشابہت میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی، ظاہری

☆ اصلاحی مجالس (۱/۲۷ تا ۳۹) بعد از نماز ظہر، رمضان المبارک، جامع مسجد دار العلوم، کراچی

شکل وصورت، لباس وپوشاک، چال ڈھال، رفتار وگفتار ہر چیز میں حضرت والا کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت تھی، یہاں تک کہ آواز میں بھی مشابہت تھی۔ چنانچہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو باہر سے سننے والے کو دھوکہ ہو جاتا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تلاوت کر رہے ہیں یا حضرت مولانا عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ تلاوت کر رہے ہیں، اتنی زیادہ مشابہت تھی۔ اور جب ظاہری مشابہت اتنی زیادہ تھی تو اندر اور باطن میں حضرت تھانویؒ سے کیا کیا کسب فیض کیا ہوگا، اس کا اندازہ ہم اور آپ کر ہی نہیں سکتے۔

جب کسی کو اپنے شیخ کے ساتھ شدید محبت ہو، مناسبت کامل ہو اور پھر طویل صحبت اور رفاقت رہی ہو اور اکتساب فیض رسوخ کے ساتھ کیا ہو تو بسا اوقات ظاہری انداز وعادات میں بھی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی اس کی مثال ملتی ہے، چنانچہ روایات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے:

"كَانَ أَشْبَهُ النَّاسِ سَمْتًا وَدَلًّا وَهَدْيًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ"(۱)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اپنے انداز وادا میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چال ڈھال میں، لباس وپوشاک میں جتنی مشابہت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی، اتنی مشابہت کسی اور کو حاصل نہیں تھی''

چنانچہ لوگ ان کو دیکھ کر اپنی آنکھیں اس طرح ٹھنڈی کیا کرتے تھے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ٹھنڈی کیا کرتے تھے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو بہرحال ایک الگ حیثیت رکھتا ہے، تاہم اس سے ملتی جلتی کیفیت کے نمونے امت میں پائے گئے ہیں، اسی طرح کا ایک نمونہ حضرت مولانا عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ جس شخص میں ظاہری طور پر بھی ایسی مشابہت ہو جائے اس کے بارے میں یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ اپنے شیخ کے مزاج ومذاق اور ان کے علوم وفیوض کو جذب کیے ہوئے اور پوری طرح ہضم کیے ہوئے ہے۔

کتاب ''انفاسِ عیسیٰ'' کا تعارف

بہرحال، حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور خدمت

(۱) مسند أحمد، رقم: ۲۴۱۱۹ (۱۴۱/۵۱)، فضائل الصحابة، رقم: ۱۵۴۱ (۸۴۰/۲)، "ابن اُم عبد" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

میں رہنے کے دوران حضرت والا سے جو باتیں سنیں اور جو تعلیمات حاصل کیں، ان کا خلاصہ ہمارے لئے اس کتاب ''انفاس عیسیٰ'' میں جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب حضرت کے دیگر عام ملفوظات کے مجموعوں کی طرح ملفوظات کی کتاب نہیں ہے، چنانچہ عام ملفوظات اور مجالس کی کتابوں میں یہ نظر آئے گا کہ حضرت والا نے کسی موضوع سے متعلق ایک بات ارشاد فرمائی، پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرے کسی اور موضوع سے متعلق دوسری بات ارشاد فرمائی۔ اور پھر تیسری بات تیسرے موضوع سے متعلق ارشاد فرمائی اور ان باتوں کو لوگوں نے جمع کرنا شروع کر دیا۔

لیکن اس کتاب میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ حضرت تھانویؒ کی صحبت میں رہنے کے دوران تصوف اور طریقت سے متعلق جو کچھ سنا اور جو تعلیم حاصل کی، پہلے اس کو ہضم کیا، پھر اس کی تلخیص اس طرح لکھی کہ اس میں اکثر الفاظ بھی حضرت والا ہی کے ہیں۔

اس طرح ان تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہمارے لئے اس کتاب کے اندر جمع کر دیا ہے، لہٰذا یہ کتاب ''انفاسِ عیسیٰ'' ہمارے لئے بڑی عجیب و غریب نعمت ہے۔

تصوف کا مقصدِ اصلی کیا ہے؟

تصوف، طریقت، سلوک، احسان ایک ہی مفہوم کے مختلف عنوانات ہیں۔ اس تصوف کا اصل مقصد نہ تو محض ذکر ہے، چنانچہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف کا مقصود ''ذکر'' ہی ہے۔ جب ہم کسی شیخ سے بیعت ہو جائیں گے تو وہ ہمیں وظائف بتا دے گا۔ اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کا مقصد عملیات اور روحانی علاج ہے کہ شیخ ہمیں کچھ عملیات اور تعویذ گنڈے اور روحانی علاج کا طریقہ بتائے گا۔ خوب سمجھ لیں کہ ''تصوف'' کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں حتیٰ کہ ''ذکر'' بھی تصوف کا مقصود اصلی نہیں، بلکہ مقصود اصلی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کہیں تنہائی میں بیٹھ کر مراقبہ کرے اور چلہ کاٹے، مجاہدے کرے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں بھی ''تصوف'' کا مقصد اصلی نہیں ہیں بلکہ مقصود اصلی کو حاصل کرنے کے مختلف طریقے اور راستے ہیں۔

پھر ''تصوف'' کا مقصود اصلی کیا ہے؟ تصوف کا مقصود اصلی وہ ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اس آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾(۱)

یعنی نفس کا تزکیہ کرے، جس کو اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) الشمس: ۹، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے''

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾(۱)

اس آیت میں تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو مقاصد بعثت میں سے بیان فرمایا، پھر ''تزکیہ'' کو علیحدہ کر کے بیان فرمایا۔ ''تزکیہ'' کے لفظی معنی ہیں، پاک صاف کرنا۔ شریعت کی اصطلاح میں تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح انسان کے ظاہری اعمال وافعال ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے بعض اوامر و نواہی ہیں مثلاً یہ کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو وغیرہ، یہ اوامر ہیں، اور جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، شراب نہ پیو، چوری نہ کرو، ڈاکہ نہ ڈالو وغیرہ، یہ نواہی اور گناہ ہیں، ان سے بچنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح انسان کے باطن یعنی قلب میں بعض صفتیں مطلوب ہیں، وہ اوامر میں داخل ہیں، ان کو حاصل کرنا واجب ہے اور ان کو حاصل کئے بغیر فریضہ ادا نہیں ہوتا، اور بعض صفات ایسی ہیں جن کو چھوڑنا واجب ہے، وہ نواہی میں داخل ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کرنا واجب ہے، اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو اس پر صبر کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھنا واجب ہے، تواضع اختیار کرنا یعنی اپنے آپ کو کمتر سمجھنا واجب ہے، اخلاص حاصل کرنا، یعنی جو کام بھی آدمی کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے، اس اخلاص کی تحصیل واجب ہے، اخلاص کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں۔ لہٰذا یہ صفات شکر، صبر، توکل، تواضع، اخلاص، وغیرہ، یہ سب صفات فضائل اور اخلاق فاضلہ کہلاتی ہیں، ان کی تحصیل واجب ہے۔

اسی طرح باطن کے اندر بعض بری صفات ہیں جو حرام اور ناجائز ہیں جن سے بچنا ضروری ہے، وہ ''رذائل'' اور ''اخلاق رذیلہ'' کہلاتی ہیں، یعنی یہ صفات کمینی اور گھٹیا صفات ہیں، اگر یہ صفات باطن کے اندر موجود ہوں تو ان کو کچلا اور مٹایا جاتا ہے، تاکہ یہ صفات انسان کو گناہ پر آمادہ نہ کریں، مثلاً تکبر کرنا یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، حسد کرنا، ریاکاری، اور دکھاوا، یعنی انسان اللہ کو راضی کرنے کے بجائے مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور ان دکھانے کے لئے کوئی دینی کام کرے، یہ ریا ہے، لہٰذا تکبر حرام، حسد حرام، بغض حرام، ریاکاری حرام، اور بے صبری یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی نہ ہونا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرنا، یہ حرام ہے، یہ سب رذائل ہیں جو انسان کے باطن میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح غصہ کو اگر انسان بے محل استعمال کرے تو یہ بھی رذائل میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ باطن میں بہت سے فضائل ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے، اور بہت سے

---

(۱) البقرۃ: ۱۲۹، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاکیزہ بنائے''

رذائل ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے۔ حضرات صوفیاء اور مشائخ یہ کام کرتے ہیں کہ اپنے مریدین اور شاگردوں کے دلوں میں اخلاقِ فاضلہ کی آبیاری کرتے ہیں تاکہ اخلاقِ رذیلہ کچلتے کچلتے نہ ہونے کے حکم میں ہو جائیں۔ جس کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اصطلاح بیان فرمائی کہ ''امالہ بدرجہ ازالہ'' یعنی باطن کے اندر جو رذیلہ ہے، اس کو اتنا کچلو اور اس کو اتنا پیٹو کہ اس کے بعد وہ رذیلہ باقی تو رہے گا، ختم تو نہیں ہوگا، لیکن نہ ہونے کے حکم میں ہو جائے گا۔ بہرحال، تصوف میں رذائل کو کچلنا ہوتا ہے اور فضائل کو حاصل کرنا ہوتا ہے، اسی کا نام تزکیہ ہے اور بس یہی تصوف کا مقصودِ اصلی ہے۔

شیخ کی ضرورت

لیکن عام طور پر یہ چیز کسی شیخ کی صحبت حاصل کیے بغیر اور شیخ کے سامنے اپنے آپ کو فنا کیے بغیر حاصل نہیں ہوتی، کیوں؟ اس لئے کہ ''لکل فن رجال'' یعنی ہر فن کو حاصل کرنے کے لئے اس کے ماہر کے پاس جانا ضروری ہے، اگر فقہ کا مسئلہ معلوم کرنا ہو تو کسی مفتی کے پاس چلے جاؤ کیونکہ اس کو یہ فن آتا ہے، وہ جانتا ہے کہ کس سوال کا کیا جواب دینا چاہئے۔ لیکن اعمالِ باطنہ کے بارے میں مہارت حاصل کرنا اور یہ پہچاننا کہ آیا اس شخص کے اندر یہ بیماری پیدا ہو رہی ہے یا نہیں؟ کیونکہ باطن کی بیماریاں بھی مخفی اور باریک قسم کی ہوتی ہیں، ایک چیز بڑی اچھی ہے اور دوسری چیز بڑی خراب ہے، لیکن دونوں کے درمیان فرق کرنا بڑا مشکل ہے۔ مثلاً تکبر کرنا حرام ہے اور اس سے بچنا واجب ہے، اس لئے کہ یہ تکبر اُمّ الامراض ہے۔ لیکن دوسری صفت ''عزتِ نفس'' ہے، اس کو حاصل کرنا واجب ہے، کیونکہ اپنے نفس کو ذلیل کرنا جائز نہیں۔ لیکن یہ دیکھنا کہ کہاں ''تکبر'' ہے اور کہاں ''عزتِ نفس'' ہے، جو کام میں کر رہا ہوں یہ ''تکبر'' کی وجہ سے کر رہا ہوں یا یہ ''عزتِ نفس'' کی وجہ سے کر رہا ہوں، دونوں کے درمیان کون خطِ امتیاز کھینچے اور دونوں کو کون پہچانے کہ یہ تکبر ہے اور یہ ''عزتِ نفس'' ہے، یہ ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ خاص طور پر انسان کا خود اپنے اندر ان بیماریوں کا پہچاننا بڑا مشکل ہے۔

مثلاً ایک بیماری ہے ''اپنی بڑائی بیان کرنا'' کہ میں ایسا اور ویسا ہوں، میرے اندر یہ اچھائی ہے، میرے اندر یہ خوبی ہے، یہ حرام ہے، اسی کو ''تعلّی'' کہا جاتا ہے۔ دوسری چیز ہے ''تحدیثِ نعمت'' جس کا قرآن کریم کے اندر ذکر ہے:

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾(۱)

اب کون اس کے درمیان فرق کرے کہ میں جو اپنی اچھائی بیان کر رہا ہوں، یہ ''تعلّی'' ہے یا ''تحدیثِ نعمت'' ہے؟

(۱) الضحی: ۱۱، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے، اس کا تذکرہ کرتے رہنا''

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

مجھے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہوئی ایک بات یاد آگئی، فرمایا کہ ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ دہلی مسجد کے منبر پر بیٹھ کر وعظ فرما رہے تھے، بہت بڑا مجمع سامنے بیٹھا ہوا تھا، وعظ فرماتے کہنے لگے کہ آج میں ایک بات آپ لوگوں سے بیان کرتا ہوں، یہ بات مجھ ہی سے سنیں گے اور کسی سے سننے میں نہیں آئے گی، اور میں یہ بات ''تحدیثِ نعمت'' کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ یہ علم اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی القاء فرمایا ہے۔ یہ بات کہنے کے بعد ایک لمحے کے لئے خاموش ہوگئے۔ پھر فرمایا کہ ''استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ'' میں نے یہ جملہ کہہ دیا کہ یہ بات آپ مجھ ہی سے سن سکیں گے اور کہیں سننے میں نہیں آئے گی، یہ تو دعویٰ اور ''تعلّی'' ہے اور میں نے اپنی بڑائی بیان کی ہے، اور اس کو میں نے ''تحدیثِ نعمت'' کا نام دے دیا، لہٰذا میں اس پر استغفار کرتا ہوں ''استغفر اللہ، استغفر اللہ'' اوّل تو میں نے اپنی بڑائی بیان کی اور پھر اس بڑائی کو ''تحدیثِ نعمت'' کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی، اور قاعدہ ہے کہ ''توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ'' (۱) کیونکہ یہ گناہ میں نے اعلانیہ کیا تھا، اس لئے توبہ بھی اعلانیہ کرتا ہوں کہ یہ مجھ سے غلطی ہوئی، اس غلطی پر استغفار کرتا ہوں، ''استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ عین وعظ کے دوران یہ کام کیا، اس طرح کوئی دوسرا کر کے دکھائے، یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو اپنے آپ کو مٹا چکا ہو، اپنے کو فنا کر چکا ہو، اور پھر نفس کی باریک چالوں سے باخبر ہو، اپنے نفس کا نگراں رہتا ہو، اس کا احتساب ہمہ وقت کرتا رہتا ہو۔ اب آپ دیکھیں کہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں، یہ ''تعلّی'' کے طور پر بیان کر رہا ہوں یا ''تحدیثِ نعمت'' کے طور پر بیان کر رہا ہوں، ان کے درمیان فرق کرنا بڑا مشکل ہے اور اس کو پہچاننا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔

تواضع اور ذلت نفس میں فرق

اسی طرح ''تواضع'' بڑی عمدہ چیز ہے، اعلیٰ درجے کی صفت ہے اور مطلوب ہے، ایک دوسری صفت ہوتی ہے ''ذلت نفس'' یعنی دوسرے کے سامنے نفس کو ذلیل کرنا، یہ حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے نفس کی عزت واجب کی ہے، اس کو ذلیل نہیں کرنا چاہئے، لیکن ان دونوں کے درمیان فرق کرنا کہ کون سا عمل ''تواضع'' کی وجہ سے کیا جا رہا ہے اور کون سے فعل میں ''ذلت نفس'' ہے، ان کے درمیان فرق کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

---

(۱) یعنی خفیہ گناہ کی توبہ خفیہ اور ظاہری گناہ کی توبہ علانیہ ہونی چاہئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

اسی فرق کے سلسلے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا، ریل میں میرے پاس کچھ دیہاتی بھی بیٹھے ہوئے تھے، سفر کے دوران جب کھانے کا وقت آیا تو ان دیہاتیوں نے اپنے ساتھ جو سالن روٹی لائے تھے، وہ نکال کر سامنے رکھا، اور مجھے بھی کھانے کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ حضرت جی! کچھ گوہ موت ہمارے ساتھ بھی کھالو، اس کھانے کو تواضعاً ''گوہ موت'' کا نام دیدیا، اب بظاہر تو یہ تواضع کی بات تھی، لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری تھی کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کو ''گوہ موت'' قرار دے کر اس کی دوسرے کو دعوت دے اور بلائے، یہ ''تواضع'' نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری، ناشکری اور بے توقیری ہے۔

بہر حال، کبھی تواضع کی سرحد ذلتِ نفس کے ساتھ مل جاتی ہے، اور کبھی اس کی سرحد ناشکری کے ساتھ مل جاتی ہے، اب کس حد تک تواضع کرے اور کس حد پر تواضع نہ کرے، کہاں تواضع ہے کہاں ناشکری ہے۔ کہاں تواضع ہے اور کہاں ذلتِ نفس ہے، ان کے درمیان فرق کو پہچاننا ہر ایک کا کام نہیں جب تک کسی شیخ سے تربیت حاصل نہ کرلے۔

یہ چیز محض پڑھا دینے سے حاصل نہیں ہوتی کہ کتاب میں پڑھ کر کسی چیز کی حد تام معلوم کرلی اور پھر خود ہی اس کے فوائد اور قیود نکالنے شروع کردیئے۔ یاد رکھئے! یہ اس قسم کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ کام عملی تربیت سے آتا ہے، جب کسی شیخ کو مسلسل آدمی دیکھتا رہے اور اس کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کرتا رہے اور اس کو اپنے حالات بتا کر اس سے ہدایات لیتا رہے، اس کے نتیجے میں پھر انسان کو یہ ادراک حاصل ہوتا ہے کہ عمل واخلاق کا یہ درجہ قابل حصول صفت ہے اور یہ کیفیت یا درجہ قابل ترک رذیلہ ہے۔

خوشبو کی مثال

میں اس کی یہ مثال دیا کرتا ہوں جیسے ایک گلاب کا پھول ہے۔ کسی بڑے سے بڑے فلسفی اور منطقی سے کہا جائے کہ تم اس گلاب کے پھول کی خوشبو کی ایسی جامع مانع تعریف کرو جو اس کو چنبیلی کی خوشبو سے ممتاز کردے۔ گلاب کے پھول سے بھی خوشبو آرہی ہے اور چنبیلی کے پھول سے بھی خوشبو آرہی ہے، اس کام کے لئے کسی بڑے سے بڑے فصیح اور بلیغ کو بلالو، کسی ادیب اور شاعر کو بلالو اور اس سے کہو کہ گلاب اور چنبیلی کی خوشبو میں فرق بیان کرو، بتایئے! کوئی فرق بیان کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بس اس کا فرق معلوم کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ پوچھنے والے سے کہا جائے کہ اس

گلاب کے پھول کو سونگھ لو اور اس چنبیلی کے پھول کو سونگھ لو۔ سونگھنے کے بعد پتہ چل جائے گا کہ گلاب کی خوشبو کیسی ہوتی ہے اور چنبیلی کی خوشبو کیسی ہوتی ہے، اس کے علاوہ دونوں کے درمیان فرق معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

آم اور گڑ کی مٹھاس کا فرق

ایک مثال اور سنئے! دیکھیں، آم بھی میٹھا ہوتا ہے اور گڑ بھی میٹھا ہوتا ہے گڑ کی مٹھاس کیسی ہے؟ اور آم کی مٹھاس کیسی ہے؟ دونوں کی مٹھاس میں جو فرق ہے، وہ کسی بڑے سے بڑے فلسفی اور منطقی سے بیان کراؤ، ہرگز بیان نہیں کر سکتا، کیونکہ دونوں کی مٹھاس کا جو فرق ہے وہ زبان سے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اس فرق کو جاننے کا یہ طریقہ ہے کہ اس پوچھنے والے سے کہا جائے کہ تو گڑ بھی کھا اور آم بھی کھا، پھر پتہ چل جائے گا کہ آم کی مٹھاس کیسی ہوتی ہے اور گڑ کی مٹھاس کیسی ہوتی ہے۔

بالکل اسی طرح انسان کے باطن کے جو فضائل ہیں۔ مثلاً "تواضع" ہے، اگر اس کی لفظوں میں کوئی مکمل تعریف بیان کرنا چاہے تو بہت مشکل ہے، لیکن جب کسی متواضع آدمی کو دیکھو گے اور اس کے طرز عمل کا مشاہدہ کرو گے اور اس کی صحبت میں رہو گے تو اس کے نتیجے میں وہ اوصاف تمہارے اندر بھی منتقل ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اس لئے تصوف اور سلوک میں شیخ کی صحبت اور اس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف باتیں کر لینے سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، بلکہ کسی کے سامنے رگڑے کھانے سے اللہ تعالیٰ فضل فرما دیتے ہیں اور یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔

اپنی اصلاح کرانا ضروری ہے

بہر حال، پیر اور شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہونا کوئی فرض نہیں کہ آدمی کسی شیخ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ضرور بیعت ہو جائے، لیکن اپنی اصلاح کرانا ضروری ہے، اور جب اپنی اصلاح کے لئے کوئی شخص اپنے شیخ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس رجوع کرنے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ آدمی کو فضائل حاصل ہوں اور رذائل سے آدمی بچ جائے، ان رذائل کا ازالہ ہو اور وہ انسان کے قابو میں آ جائیں سلوک وتصوف کا یہ اصل مقصد ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں اذکار اور اوراد یا مختلف وظائف سالک کے لئے معین اور مددگار ہو جاتے ہیں، مگر ہر شخص کے لئے ان اذکار اور اوراد کی مقدار، اس کا موقع اور وقت، یہ شیخ کی رہنمائی اور مشورے سے ہی مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی سے اصلاح حال کا فائدہ ہوتا ہے، ورنہ عام حالات میں یہ اذکار اور اوراد اس درجہ میں خود مقصود نہیں، بلکہ اصل کام اپنے اخلاق کی اصلاح ہے اور اس کا تزکیہ ہے، جس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع

دیتا رہے اور اس سے ہدایات لیتا رہے اور پھر ان ہدایات پر عمل کرتا رہے، بس ساری زندگی یہی کام کرتا رہے۔ شیخ کی طرف رجوع کرنے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے۔

اس کتاب ''انفاس عیسیٰ'' میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''رذائل'' اور ''فضائل'' سے متعلق جو ملفوظات جمع فرمائے ہیں، ان کو پڑھ لیتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی تھوڑی سی تشریح کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ اپنی اصلاح کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

"تزکیہ" کیا چیز ہے؟ ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُونَ ۝﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر اور تشریح کافی عرصہ سے چل رہی ہے، ان آیات کا اس لئے انتخاب کیا گیا ہے کہ ان آیات میں اللہ جل شانہ نے وہ بنیادی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ایک مسلمان سے مطلوب ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرے مؤمن بندے ان صفات کے حامل ہوں اور یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جو ان صفات کے حامل ہوں گے اور جو یہ کام کریں گے ان کو فلاح حاصل ہوگی اور کامیابی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات کا حامل بنائے اور یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تین صفات کا بیان

ان صفات میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، اس کی تفصیل بقدرِ ضرورت الحمدللہ بیان ہو چکی۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ لغو اور بیہودہ اور فضول کاموں میں نہیں پڑتے، یعنی اپنا وقت بے فائدہ کاموں میں صرف کرنے کو پسند نہیں کرتے، فضول کاموں سے اعراض کرتے ہیں، اس کا بیان بھی الحمدللہ تفصیل سے ہو چکا۔ تیسری صفت اس آیت میں بیان فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ﴾

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے

☆ اصلاحی خطبات (۱۵/ ۶۵ تا ۸۰)، قبل از نمازِ جمعہ، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) المؤمنون: ۱۔۴

ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اس لئے کہ زکوٰۃ بھی بڑا اہم فریضہ ہے اور دین کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے۔ اس کے بارے میں پچھلے دو تین جمعوں میں تفصیل سے عرض کر دیا ہے اور اس کے بارے میں جو ضروری مسائل تھے وہ بھی بیان کر دیئے۔ آج اس آیت کا دوسرا مطلب عرض کرنا ہے۔

آیت کا دوسرا مطلب

عربی زبان کے اعتبار سے اس کا ایک دوسرا مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ وہ مطلب یہ ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں اور پاکی اختیار کرتے ہیں" یہاں بھی یہی مسئلہ ہے کہ جب ہم عربی سے اُردو ترجمہ کرتے ہیں تو عربی لفظ کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اُردو میں صحیح لفظ نہیں ملتا، ہمارے پاس چونکہ لفظ "زکوٰۃ" کے لئے کوئی اور لفظ نہیں ہے، اس لئے ہم اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پاکی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر پاکی سے جسم کی پاکی مراد نہیں، کیونکہ جسم کی پاکی کے لئے عربی زبان میں "طہارت" کا لفظ بولا جاتا ہے، بلکہ اس سے "اخلاق" کی پاکیزگی مراد ہوتی ہے، اس کو عربی زبان میں "زکوٰۃ" اور "تزکیہ" کہا جاتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے آیت:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾

کا ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اخلاق کو پاک صاف رکھتے ہیں اور ان کو پاکیزہ بناتے ہیں اور اخلاق کے اندر جو گندگیاں اور نجاستیں شامل ہو جاتی ہیں، ان سے وہ اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم بڑا وسیع ہے اور اس کا پس منظر بڑا ہمہ گیر ہے۔

حضور ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد

لیکن اس بات کو سمجھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ قرآن کریم نے کم از کم چار جگہوں پر نبی کریم ﷺ کے فرائضِ منصبی بیان فرمائے ہیں، اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کیوں بھیجا؟ کیا کام آپ کے سپرد کئے گئے؟ کیا کام آپ کو انجام دینے تھے؟ قرآن کریم نے چار مقامات پر ان کاموں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (۱)

اس آیت میں سب سے پہلا کام یہ بیان فرمایا:

(۱) البقرۃ: ۱۲۹

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايٰتِكَ﴾

یعنی ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کریں۔ دوسرا کام یہ فرمایا:

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾

یعنی ہم نے آپ ﷺ کو اس لئے بھیجا تا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات کی لوگوں کو تعلیم دیں، کیونکہ ہماری کتاب کو لوگ براہِ راست سمجھ نہیں سکیں گے۔ تیسرا کام یہ بیان فرمایا:

﴿وَالْحِكْمَةَ﴾

اور تا کہ آپ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں، دانائی اور عقلمندی کی باتوں کی تعلیم دیں۔ چوتھا کام یہ بیان فرمایا:

﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾

اور ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا تا کہ آپ لوگوں کا تزکیہ کریں اور ان کو پاک صاف اور پاکیزہ بنائیں۔

تزکیہ کی ضرورت کیوں؟

اب آپ غور کریں کہ اس آیت میں تزکیہ کے بیان سے پہلے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے کا ذکر آ گیا، اس کے بعد قرآن کریم کی تعلیم دینے اور سکھانے کا ذکر آ گیا، اس کے بعد حکمت کی باتیں سکھانے کا ذکر آ گیا، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ تنہا یہ تین کام کافی نہیں ہیں، بلکہ آپ ﷺ کا چوتھا کام یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال واخلاق کو پاکیزہ بنائیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے قرآن کریم سکھا دیا اور اس کا مطلب سمجھا دیا اور حکمت کی باتیں بتا دیں پھر یہ اضافی کام کیوں بتایا کہ آپ لوگوں کو پاک صاف کریں۔

تھیوریکل (لکھائی پڑھائی کی) تعلیم کے بعد ٹریننگ ضروری ہے

اس کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات جان لیں کہ دنیا میں جتنے علوم وفنون اور ہنر ہیں، ان کی ایک نظریاتی اور تھیوریکل تعلیم ہوتی ہے کہ اس میں اس علم کی تھیوری اور نظریہ بتا دیا، اس کو ''تعلیم'' کہا جاتا ہے، لیکن دنیا کے کسی فن کو سمجھنے کے لئے محض نظریاتی تعلیم کافی نہیں ہوتی جب تک اس کی عملی تربیت اور عملی ٹریننگ نہ دی جائے۔ آپ اگر ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں تو کیا میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ لینے سے آپ ڈاکٹر بن جائیں گے؟ نہیں، بلکہ اگر آپ نے میڈیکل سائنس کا پورا کورس پڑھ لیا اور

نظریاتی طور پر سمجھ بھی لیا کہ کیا کیا بیماریاں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ ان کا علاج کیا ہوتا ہے؟ اگر یہ سب تفصیلات آپ نے معلوم کرلیں تب بھی آپ ڈاکٹر نہیں بنیں گے، آپ ڈاکٹر اس وقت بنیں گے جب آپ کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر تربیت لے لیں کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے اور کس طرح مرض کی تشخیص کی جاتی ہے اور کس طرح دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور کس طرح مریض کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے، جب تک آپ یہ تربیت حاصل نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ علاج کرنے کے قابل نہیں بنیں گے، یہی وجہ ہے کہ وہ یونیورسٹیاں جو میڈیکل سائنس کی تعلیم دیتی ہیں، وہ تعلیم مکمل کرانے کے بعد ہاؤس جاب کو لازمی قرار دیتی ہیں کہ کسی اسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر یہ سیکھنا پڑے گا کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یونیورسٹی میں جو پڑھا تھا وہ نظریاتی تعلیم تھی اور اسپتالوں میں جاکر جو ہاؤس جاب کیا جارہا ہے یہ تربیت اور ٹریننگ ہے۔

آپ ﷺ کو تعلیم اور تربیت دونوں کے لئے بھیجا گیا

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں کاموں کے لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ آپ ﷺ قرآن کریم کی نظریاتی تعلیم بھی دیں اور یہ بھی بتائیں کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے؟ اور ساتھ میں آپ لوگوں کو تربیت بھی دیں اور ان کا تزکیہ بھی کریں اور ان کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال واخلاق کو گندگیوں سے پاک کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں۔ یہ چیزیں صرف کتابیں پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتیں، نظریہ سمجھا دینے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ یہ چیزیں صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔ جب انسان کسی کی صحبت میں ایک مدت تک رہتا ہے اور اس کے طرزِ عمل کو دیکھتا ہے تو اس کے طرزِ عمل کی خوشبو رفتہ رفتہ اس انسان کے اندر بھی سرایت کرجاتی ہے، اسی کا نام تزکیہ ہے۔

اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾

دوسری تفسیر کے لحاظ سے اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ فلاح ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟ اگر جسم کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھودیا جائے تو وہ پاک ہوجائے گا، اگر کپڑے کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھودیا جائے تو وہ پاک ہوجائے گا، لیکن اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے اور ان کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا ان کو پانی سے دھودیا جائے؟ یا ان

اعمال کو غسل دے دیا جائے؟

''دل'' انسان کے اعمال کا سر چشمہ ہے

خوب سمجھ لیں کہ اعمال اور اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کے اندر جو بھی کام کرتا ہے، درحقیقت اس عمل کا سرچشمہ اور اس کا منبع، اس کی اصل انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ پہلے انسان کے دل میں اس عمل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد اس سے وہ عمل سرزد ہوتا ہے۔ مثلاً آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو پہلے آپ کے دل میں یہ ارادہ پیدا ہوا کہ آج جمعہ کا دن ہے اور مجھے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانا چاہئے اور جاکر نماز ادا کرنی چاہئے، لہٰذا پہلے ارادہ پیدا ہوا اور پھر اس ارادے میں پختگی آئی اور طبیعت میں جو سستی پیدا ہو رہی تھی، اس سستی کا مقابلہ کر کے اس ارادے کو پختہ کیا اور پختہ ارادے کے نتیجے میں آپ کے پاؤں مسجد کی طرف چلنے لگے۔ اگر آپ پختہ ارادہ نہ کرتے تو آپ کے پاؤں مسجد کی طرف نہ چلتے۔ ہاں اگر کوئی آدمی پاگل ہو جائے تو اس کے ہاتھ پاؤں بے ارادہ حرکت کر سکتے ہیں، لیکن جب تک انسان کے اندر عقل اور شعور موجود ہے، اس کے دل میں جب تک کسی کام کا ارادہ پیدا نہیں ہوگا، اس وقت تک وہ کوئی عمل نہیں کر سکتا، چاہے وہ اچھا کام ہو یا برا کام ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ انسان کے اعمال کا سرچشمہ انسان کا ''دل'' ہے۔

دل میں لطیف قوتیں رکھی گئی ہیں

یہ ''دل'' اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب چیز بنائی ہے، بظاہر دیکھنے میں تو یہ خون کا لوتھڑا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لوتھڑے کے ساتھ کچھ لطیف قوتیں وابستہ کردی ہیں، وہ قوتیں نہ نظر آتی ہیں اور نہ ہی کسی لیبارٹری میں ان قوتوں کو ٹیسٹ کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ قوتیں اس دل کے ساتھ وابستہ کردی گئی ہیں۔ چنانچہ اس دل میں خواہشیں پیدا ہوتی ہیں کہ یہ کام کرلوں اور فلاں کام کرلوں، یہ ''خواہشیں'' دل میں پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''ارادے'' پیدا ہوتے ہیں، اسی دل میں ''جذبات'' جنم لیتے ہیں، اسی دل میں ''غصہ'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں ''شہوت'' پیدا ہوتی ہے، اسی دل میں دنیا بھر کی ''امنگیں'' پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''صدمہ'' آتا ہے، اسی دل میں ''غم'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں ''خوشی'' آتی ہے، یہ سب چیزیں دل کے ارد گرد گھومتی ہیں۔

’’دل‘‘ میں اچھی خواہشیں پیدا ہونی چاہئیں

اب اگر اچھی خواہشیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں تو انسان سے اچھے اعمال سرزد ہوں گے اور اگر دل میں غلط خواہشیں پیدا ہو رہی ہیں تو انسان کے ارادے بھی خراب ہوں گے اور اعمال بھی خراب ہوں گے۔ اس لئے انسان کی ساری بھلائی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کے دل میں ایسی خواہشیں پیدا ہوں جو نیک ارادوں کو جنم دیں، جس کے نتیجے میں اچھے اعمال وجود میں آئیں اور ایسی خواہشات دل میں پیدا نہ ہوں جن سے انسان غلط راستے پر پڑ جائے، یا اگر ایسی خواہشات دل میں پیدا ہوں تو وہ مغلوب ہوں جس سے انسان غلط راستے پر نہ پڑے۔ انسان کے تمام اعمال اسی اصول کے تحت گھومتے ہیں۔

’’دل‘‘ کی اہمیت

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

((أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))

’’خوب سن لو! بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جائے، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے، خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا ’’دل‘‘ ہے‘‘(۱)

یہ ’’دل‘‘ بڑی عجیب چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے کہ انسان کی ظاہری زندگی بھی اس پر موقوف ہے اور باطن کی اچھائی اور برائی بھی اس پر موقوف ہے۔ جسمانی صحت کا ’’دل‘‘ پر موقوف ہونا تو ہر انسان جانتا ہے کہ جب تک یہ ’’دل‘‘ ٹھیک ٹھیک کام کر رہا ہے، اس وقت تک انسان زندہ ہے۔ یہ ’’دل‘‘ انسان کی پیدائش سے بھی پہلے اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور مرتے دم تک اس کا کام جاری رہتا ہے، اس کی کبھی چھٹی نہیں ہوتی، کبھی اس کے کام میں کوئی وقفہ نہیں آتا، اس کو کبھی آرام نہیں ملتا، اس کا کام یہ ہے کہ وہ ایک منٹ میں بہتر مرتبہ پورے جسم میں خون پھینکتا ہے اور پھر واپس لیتا ہے، اس کو اس

(۱) سنن البيهقى الكبرى، رقم: ۱۰۱۸۰ (۲۶۵/۵)، صحيح ابن حبان، رقم: ۲۹۷ (۵۳۳/۱)، الزواجر عن اقتراف الكبائر (۱۹۸/۱)، اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة (۱۳٤/۷)، مستخرج أبى عوانة، رقم: ٤٤٤۳ (۱٤۳/۱۱)، الزهد الكبير للبيهقى، رقم: ۸۷۲ (۳۷۸/۲)، الأربعون للفسوى، رقم: ۳۸ (٦۳/۱)

کام سے کبھی آرام نہیں ملتا، جبکہ دوسرے اعضاء کے کاموں میں وقفہ بھی آجاتا ہے اور دوسرے اعضاء کو آرام بھی مل جاتا ہے، مثلاً اگر آدمی سو رہا ہے تو سوتے وقت آنکھوں کو آرام مل گیا، کانوں کو آرام مل گیا، جسم کے دوسرے اعضاء کو آرام مل گیا، لیکن سونے کی حالت میں بھی دل اپنا کام کر رہا ہے، یہاں تک کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی دل کا کام جاری رہتا ہے، اس لئے کہ جس دن اس دل نے آرام کرلیا، اس دن اس انسان کی موت ہے اور انسان کی زندگی ختم ہے۔

جسم کی صحت دل کی صحت پر موقوف ہے

اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دل صحیح ہے اور تندرست و توانا ہے تو سارا جسم توانا ہے اور جس دن یہ بیمار ہو جائے، اس دن انسان کے جسم کے لئے اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ

نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

یعنی کوئی بیماری دل کی بیماری کے برابر نہیں۔ یہ تو دل کی ظاہری حالت تھی۔

''دل'' کا ارادہ پاک ہونا چاہئے

دل کی باطنی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دل کے اندر جو لطیف طاقتیں پیدا فرمائی ہیں، جن کے نتیجے میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور جذبات جنم لیتے ہیں، جن کے ذریعہ ارادے پیدا ہوتے ہیں، وہ لطیف طاقتیں اگر پاک صاف ہیں تو پھر انسان کے اعمال بھی پاک صاف ہوں گے، اور اگر وہ لطیف طاقتیں پاک نہیں بلکہ خراب اور گندی ہیں تو اعمال بھی خراب ہوں گے۔ اگر ایک عمل بظاہر دیکھنے میں اچھا نظر آرہا ہے، نیک عمل نظر آرہا ہے، لیکن دل کا وہ ارادہ اور وہ خواہش جس نے اس عمل کو جنم دیا، اگر وہ پاک نہیں تو وہ عمل بھی پاک نہیں ہے۔

نیک ارادے کی مثال

مثلاً اس وقت ہم سب یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے جمع ہیں، نماز پڑھنا بظاہر نیک اور اچھا عمل ہے، اگر آپ کے دل نے آپ سے یہ نیک عمل اس لئے کروایا کہ نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے میں اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ثواب دیں گے، اگر اس ارادے سے عمل کیا تو وہ عمل اچھا ہے اور نیک ہے، لیکن اگر دل نے یہ ارادہ کیا کہ میں نمازِ جمعہ اس لئے پڑھ رہا ہوں تا کہ لوگوں میں شہرت حاصل کروں کہ یہ آدمی بڑا نیک نمازی

ہے، بڑا عابد وزاہد ہے، بڑا متقی پرہیزگار ہے، مسجد میں صفِ اول میں جا کر نماز پڑھتا ہے تو اس صورت میں عمل تو اچھا ہے لیکن ارادہ غلط ہے، خواہش غلط ہے، دل نے غلط راستہ سمجھا دیا، اس لئے یہ عمل بھی اکارت اور بیکار ہو گیا۔ اسی لئے حضورِ اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ اگر یہ قلب ٹھیک ہے اور یہ صحیح قسم کے جذبات پیدا کر رہا ہے اور صحیح ارادے پیدا کر رہا ہے تو بے شک تمہارے سارے اعمال درست ہیں، لیکن اگر یہ قلب ٹھیک نہیں ہے اور یہ غلط راستے بتا رہا ہے تو تمہارے اعمال بھی غلط ہیں، چاہے وہ اعمال دیکھنے میں کتنے ہی اچھے ہوں۔

دل کے اعمال میں حلال بھی ہے اور حرام بھی

بہرحال! اس دل میں اچھی خواہشات پیدا ہوں، اچھے جذبات پیدا ہوں، صحیح ارادے پیدا ہوں اسی کا نام ''تزکیہ'' ہے، کیونکہ ''تزکیہ'' کے معنی ہیں اپنے قلب کو غلط خواہشات، غلط جذبات اور غلط ارادوں سے پاک کرنا۔ جس طرح وہ اعمال جو ہم ظاہر میں ادا کرتے ہیں جیسے نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے، یہ سب ظاہری اعمال ہیں اور ہمارے ذمے فرض ہیں، اور جس طرح کچھ اعمال ظاہری حرام ہیں، جیسے شراب پینا حرام ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، رشوت لینا حرام ہے، رشوت دینا حرام ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قلب کے اعمال میں بھی کچھ اعمال فرض وواجب قرار دیئے ہیں اور کچھ اعمال حرام اور ناجائز قرار دیئے ہیں۔

''اخلاص'' دل کا حلال عمل ہے

مثلاً ''اخلاص'' دل کا عمل ہے، ہاتھ پاؤں، ناک، کان، زبان کا کام نہیں ہے، اس لئے کہ اخلاص دل میں جنم لیتا ہے اور باطنی عمل ہے، اور یہ اخلاص حاصل کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے نماز پڑھنا فرض ہے، جیسے رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ فرض ہے، کیونکہ اگر اخلاص دل میں نہیں تو پھر ظاہری اعمال بھی بیکار ہیں، مثلاً نماز اگر اخلاص کے بغیر پڑھیں گے تو یہ عمل بھی بیکار ہوگا۔

''شکر'' اور ''صبر'' دِل کے اعمال ہیں

اسی طرح نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، یہ دل کا عمل ہے، آدمی دل سے یہ تصور کرے کہ میں اس نعمت کے لائق نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اس نعمت سے نوازا ہے، اس کو ''شکر'' کہتے ہیں، یہ دل کا عمل ہے اور فرض ہے۔ اسی طرح ''صبر'' ہے، صبر کا مطلب یہ ہے

کہ جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے یا تکلیف پہنچ جائے تو اس تکلیف پر انسان دل میں یہ سوچے کہ اگرچہ مجھے تکلیف ہورہی ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے، اس کا نام ''صبر'' ہے اور یہ دل کا کام ہے، اس کو حاصل کرنا فرض ہے۔ اس طرح کے بہت سے اعمال ہیں جو انسان کے دل سے متعلق ہیں، ان کو ''اخلاق'' کہا جاتا ہے اور یہ ''اخلاق'' حاصل کرنا فرض ہے۔

''تکبر'' دل کا حرام فعل ہے

کچھ ''اعمال'' دل سے متعلق ایسے ہیں جو حرام ہیں، مثلاً تکبر کرنا، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ ''ہم چوں ما دیگرے نیست'' یعنی مجھ جیسا کوئی نہیں ہے اور سب لوگ میرے آگے حقیر اور ذلیل ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، میں ہی سب سے بڑا ہوں، یہ ''تکبر'' ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ تکبر زبان سے ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ زبان سے تو وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں بہت حقیر ہوں، بہت ناچیز ہوں، ناکارہ ہوں، لیکن اس کے دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ یہ تکبر دل کی باطنی بیماری ہے اور حرام ہے، اور یہ تکبر اتنا شدید حرام ہے کہ خنزیر کھانے سے بھی زیادہ حرام ہے، شراب پینے سے بھی زیادہ حرام ہے، اس لئے کہ تکبر کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنے والا ہے، کیونکہ کبریائی اور بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کررہا ہے۔ بہرحال تکبر بہت بڑی بلا اور حرام ہے۔

''تزکیہ'' اسی کا نام ہے

اسی طرح ''حسد'' دل کی بیماری ہے، یعنی کسی دوسرے انسان کو کوئی نعمت مل گئی، اب اس نعمت کو دیکھ کر دل میں جلن پیدا ہورہی ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں مل گئی، یہ نعمت اس سے چھن جائے، یہ خواہش دل میں پیدا ہورہی ہے اور یہ حرام ہے۔ بہرحال جس طرح ظاہری اعمال میں سے کچھ اعمال فرض ہیں، کچھ واجب ہیں، کچھ حرام ہیں، اسی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے جو جذبات، خواہشات اور ارادے ہیں، ان میں سے کچھ فرض و واجب ہیں اور کچھ حرام ہیں۔ ان میں سے جو فرض و واجب ہیں، انسان ان کو برقرار رکھے اور جو گناہ اور حرام ہیں، ان سے اپنے دل کو بچالے، اس کا نام ''تزکیہ'' ہے اور اسی کا نام ''قلب کو پاک کرنا'' ہے، لہٰذا اس آیت میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾

وہ لوگ جو تزکیہ کرنے والے ہیں، یعنی اپنے قلب کو ناپاک اخلاق سے، ناپاک جذبات

سے، ناپاک ارادوں سے پاک کرتے ہیں، وہ لوگ ''فلاح یافتہ'' ہیں۔

تصوف کی اصل حقیقت

آپ حضرات نے ''تصوف'' کا لفظ بار بار سنا ہوگا۔ آج لوگوں نے تصوف کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اس کو ایک ملغوبہ بنادیا ہے، حالانکہ تصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ تمہارے جذبات صحیح ہونے چاہئیں، تمہارے اخلاق صحیح ہونے چاہئیں، تمہاری خواہشات صحیح ہونی چاہئیں اور ان کو کس طرح صحیح کیا جائے، یہ اعمال ''تصوف'' کے اندر بتائے جاتے ہیں۔ ''تصوف'' کی حقیقت بس اتنی ہے، اس سے آگے لوگوں نے جو باتیں تصوف کے اندر داخل کردی ہیں، اس کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ جس طرح فقہاء ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزے، زکوٰۃ، حج، بیع وشراء، نکاح وطلاق کے احکام بیان کرتے ہیں، اسی طرح صوفیاء کرام دل میں پیدا ہونے والے جذبات کے احکام بیان کرتے ہیں۔

خلاصہ

بہر حال! قرآن کریم نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد بیان فرمائے، ان میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کے اخلاق کا تزکیہ کرنا تھا، اس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝﴾

اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ آئندہ جمعوں میں عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب حضرات کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،
﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ج لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ٥﴾(۱)

یہ ایک عجیب وغریب آیت ہے، جو ہماری ایک بہت بڑی بیماری کی تشخیص کر رہی ہے، اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ آیت ہماری دکھتی ہوئی رگ پکڑ رہی ہے۔ اللہ جل شانہ سے زیادہ کون انسان کی نفسیات اور اس کے مزاج اور اس کی بیماریوں کو پہچان سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس آیت میں ہمارے ایک بہت بڑے سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے، جو آج کل کثرت سے ہمارے دلوں میں پیدا ہو رہا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کی کوششیں کیوں بے اثر ہیں؟

پہلے وہ سوال عرض کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس آیت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکے گا۔ بعض اوقات ہمارے اور آپ کے دِلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ اصلاحِ حال اور اصلاحِ معاشرہ کی نہ جانے کتنی کوششیں مختلف جہتوں اور مختلف گوشوں سے ہو رہی ہیں۔ کتنی انجمنیں، کتنی جماعتیں، کتنی پارٹیاں، کتنے افراد، کتنے جلسے، کتنے جلوس، کتنے اجتماع ہوتے ہیں۔ اور سب کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کا سدباب کیا جائے، معاشرے کو سیدھے راستے پر لایا جائے۔ اور انسان کو انسان بنانے کی فکر کی جائے۔ ہر ایک کے اغراض ومقاصد میں اصلاحِ حال، اصلاحِ معاشرہ، فلاح وبہبود جیسی بڑی بڑی باتیں درج ہوتی ہیں اور بڑے بڑے دعوے ہوتے ہیں۔ جو انجمنیں اور جماعتیں اس کام پر لگی ہوئی ہیں اور جو ایسے افراد اس کام میں مصروف ہیں، اگر ان کو شمار کیا جائے تو شاید ہزاروں تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ ہزاروں جماعتیں ہزاروں افراد اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔

☆ اصلاحی خطبات (۳/ ۱۹۸ تا ۲۲۰)، ۲۹ نومبر ۱۹۹۱ء، بروز جمعہ، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) المائدة: ۱۰۵

لیکن دوسری طرف اگر معاشرے کی عمومی حالت کو بازاروں میں نکل کر دیکھیں، دفتروں میں جا کر دیکھیں، جیتی جاگتی زندگی کو ذرا قریب سے دیکھنے کا موقع ملے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ساری کوششیں ایک طرف اور خرابی کا سیلاب ایک طرف، معاشرے پر اس اصلاح کا کوئی نمایاں اثر نظر نہیں آتا، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ زندگی کا پہیہ اسی طرح غلط راستے پر گھوم رہا ہے، اگر ترقی ہو رہی ہے تو برائی میں ہو رہی ہے، اچھائی میں نہیں ہو رہی ہے۔ تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری کوششیں معاشرے کو بدلنے میں کیوں ناکام نظر آتی ہیں؟ اِکا دُکا مثالیں اپنی جگہ ہیں۔ لیکن بحیثیتِ مجموعی اگر پورے معاشرے پر نظر ڈال کر دیکھا جائے تو کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

بیماری کی تشخیص

اس سوال کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عطا فرمایا ہے۔ اور ہماری ایک بیماری کی تشخیص بھی فرمادی ہے۔ اور یہ وہ آیت ہے جو اکثر و بیشتر ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ اس کے معنی بھی معلوم نہیں ہیں۔ مفہوم بھی پیش نظر نہیں رہتا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾(۱)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی خبر لو، اگر تم سیدھے راستے پر آگئے (تم نے ہدایت حاصل کرلی، صحیح راستہ اختیار کرلیا) تو جو لوگ گمراہ ہیں، ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، وہاں پر اللہ تعالیٰ تمہیں بتائیں گے کہ تم دنیا کے اندر کیا کرتے رہے ہو''

اپنے حال سے غافل، اور دوسروں کی فکر

اس آیت میں ہماری ایک بہت بنیادی بیماری یہ بتادی کہ یہ اصلاح کی کوششیں جو ناکام نظر آتی ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جب اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کا آغاز دوسرا شخص اپنے آپ سے کرے۔ یہ خود دوسروں کو بلا رہا ہے۔ دوسروں کو دعوت دے رہا ہے۔ دوسروں کو اصلاح کا پیغام دے رہا ہے۔ لیکن اپنے آپ سے اور اپنے حالات میں تبدیلی لانے سے غافل ہوتا ہے۔ آج ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ مختلف محفلوں اور مجلسوں میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم معاشرے کی برائیوں کا تذکرہ مزے لے

(۱) المائدۃ: ۱۰۵

لے کر کرتے ہیں "سب لوگ تو یوں کر رہے ہیں" "لوگوں کا تو یہ حال ہے" "معاشرہ تو اس درجے خراب ہوگیا ہے" "فلاں کو میں نے دیکھا وہ یوں کر رہا تھا" سب سے آسان کام اس بگڑے ہوئے معاشرے میں یہ ہے کہ دوسروں پر انسان اعتراض کردے، تنقید کردے، دوسروں کے عیب بیان کردے کہ لوگ تو یوں کر رہے ہیں، اور معاشرے کے اندر یہ ہو رہا ہے، شاید ہی ہماری کوئی محفل اور کوئی مجلس اس تذکرے سے خالی ہوتی ہو، لیکن کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ دیکھنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ خود میں کتنا بگڑ گیا ہوں، خود میرے حالات کتنے خراب ہیں، خود میرا طرزِ عمل کتنا غلط ہے، اس کی کتنی اصلاح کی ضرورت ہے، بس دوسروں پر تنقید کا سلسلہ جاری رہتا ہے، دوسروں کی عیب جوئی جاری رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری گفتگو لطفِ سخن کے لئے، مجلس آرائی کے لئے، مزہ لینے کے لئے ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اصلاح کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھتا۔

سب سے زیادہ برباد شخص!

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیا عجیب ارشاد ہے، ہم لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے، فرمایا:

((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ))(۱)

"جو شخص یہ کہے کہ ساری دنیا تباہ و برباد ہوگئی (یعنی دوسروں پر اعتراض کر رہا ہے کہ وہ بگڑ گئے، ان کے اندر بے دینی آگئی، ان کے اندر بے راہ روی آگئی، وہ بدعنوانیوں کا ارتکاب کرنے لگے) تو سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے"

اس لئے کہ دوسروں پر اعتراض کی غرض سے یہ کہہ رہا ہے کہ وہ برباد ہوگئے، اگر اس کو واقعی بربادی کی فکر ہوتی تو پہلے اپنے گریباں میں منہ ڈالتا، اپنی اصلاح کی فکر کرتا۔

بیمار شخص کو دوسرے کی بیماری کی فکر کہاں؟

جس شخص کے اپنے پیٹ میں درد ہو رہا ہو، مروڑ اُٹھ رہے ہوں، چین نہ آرہا ہو، وہ دوسروں کی چھینکوں کی کیا پرواہ کرے گا کہ دوسرے کو چھینکیں آرہی ہیں، نزلہ ہو رہا ہے۔ خدا نہ کرے، اگر میرے پیٹ میں شدید درد ہے، تو مجھے اپنی فکر ہوگی، اپنی جان کی فکر ہوگی، اپنے درد کو دور کرنے کی فکر

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن قول هلك الناس، رقم: ٤٧٥٥، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي، رقم: ٤٣٣١، مسند أحمد، رقم: ٨١٥٨، مؤطا مالك، كتاب الجامع، باب ما يكره من الكلام، رقم: ١٥٥٩

ہوگی، اپنی تکلیف مٹانے کی فکر ہوگی، دوسرے کی بیماری اور دوسرے کی معمولی تکلیف کی طرف دھیان بھی نہیں جائے گا۔ بلکہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر اپنی تکلیف معمولی ہے، اور دوسرے کی تکلیف بہت زیادہ ہے، اس کے باوجود اپنی تکلیف کا خیال اتنا چھایا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے کی بڑھی ہوئی تکلیف بھی نظر نہیں آتی۔

”لیکن اس کے پیٹ میں تو درد نہیں“

میری ایک عزیز خاتون تھی۔ ان کے پیٹ میں تکلیف تھی، اور وہ تکلیف ایسی تشویش ناک نہیں تھی۔ ان کو ڈاکٹر کے پاس دکھانے کے لئے کسی ہسپتال میں لے گیا، تو لفٹ (Lift) میں جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک خاتون رواں کرسی (Wheel Chair) پر سوار آئیں۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں سب ٹوٹے ہوئے تھے، اور اس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا، اور سینہ جلا ہوا تھا۔ اور اس کی بری حالت تھی۔ میں نے اپنی عزیز خاتون کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ دیکھئے کہ یہ عورت کتنی سخت پریشانی اور کتنی سخت تکلیف میں ہے، اس کو دیکھنے سے آدمی کو اپنی تکلیف کی کمی کا احساس ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر زبان پر جاری ہوتا ہے، تو جواب میں وہ خاتون کہتی ہیں کہ واقعی اس کے ہاتھ پاؤں تو ٹوٹ گئے ہیں، مگر کم از کم اس کے پیٹ میں تو درد نہیں ہو رہا ہے۔ تو ان کے ذہن میں سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ اس کی جلی ہوئی کھال، اور ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھ کر بھی ان کو اپنی تکلیف کا خیال نہیں جا رہا تھا۔ اس لئے کہ اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس ہے۔ لیکن جس شخص کو اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس نہیں ہوتا دوسرے کی معمولی معمولی تکلیفوں کو دیکھتا پھرتا ہے۔ تو ہماری ایک بہت بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہیں۔ اور دوسروں پر اعتراض اور تنقید کرنے کے لئے ہم لوگ ہر وقت تیار ہیں۔

بیماری کا علاج

اللہ جل جلالہ اس آیت کے اندر فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! پہلے اپنے آپ کی فکر کرو، اور یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص گمراہ ہوگیا، فلاں شخص تباہ و برباد ہوگیا، تو یاد رکھو کہ اگر تم سیدھے راستے پر آگئے تو اس کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ ہر انسان کے ساتھ اس کا اپنا عمل جائے گا، لہٰذا اپنی فکر کرو۔ تم سب اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ وہاں وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے تھے۔ تمہارا عمل زیادہ بہتر تھا یا دوسرے کا عمل زیادہ بہتر تھا۔ کیا معلوم کہ جس پر اعتراض کر رہے ہو، جس کے عیب تلاش کر رہے ہو، اس کی کوئی ادا، اس کا کوئی فعل اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں

اتنا مقبول ہو کہ وہ تم سے آگے نکل جائے۔ بہر حال! یہ صرف لطفِ سخن کے لئے اور مجلس آرائی کے لئے ہم لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہ اصلاح کا راستہ نہیں۔

خود احتسابی کی مجلس

ہاں! اگر کسی جگہ محفل ہی اسی کام کے لئے منعقد ہو کہ اس میں اس بات کا تذکرہ ہو کہ ہم لوگوں میں کیا کیا خرابیاں پائی جاتی ہیں، اور لوگ اس نیت سے اس محفل میں شریک ہوں کہ ان باتوں کو سنیں گے، اور سمجھیں گے، اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں گے، تو پھر ایسی محفل منعقد کرنا درست ہے۔

انسان کا سب سے پہلا کام

انسان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے شب و روز کا جائزہ لے اور پھر یہ دیکھے کہ میں کتنا کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کر رہا ہوں، اور کتنا کام اس کے خلاف کر رہا ہوں۔ اگر اس کے خلاف کر رہا ہوں تو اس کی اصلاح کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ فکر ہمارے اور آپ کے دلوں میں پیدا فرما دے تو ہمارے معاشرے کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

معاشرہ کیا ہے؟

معاشرہ کس چیز کا نام ہے؟ افراد کا مجموعہ معاشرہ بن جاتا ہے۔ اگر ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے تو سارا معاشرہ خود بخود سدھر جائے۔ لیکن اگر ہر شخص دوسرے کی فکر کرتا رہے، اور اپنے کو چھوڑتا رہے تو سارا معاشرہ خراب ہی رہے گا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کو دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا کہ ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح میں درست ہو جاؤں، کسی طرح میں اپنی بیماریوں کو دور کرلوں۔ چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہو کر اور آپ کی باتیں سن کر دلوں پر کیا اثر ہوتا ہوگا، کیسی رقت طاری ہوتی ہوگی، کیسا جذبہ پیدا ہوتا ہوگا۔ ایک دن مضطربانہ چیختے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا:

''نَافَقَ حَنظَلَةُ، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!''(۱)

''یارسول اللہ! حنظلہ منافق ہو گیا''

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں منافق ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ کہا ''یارسول اللہ! جب تک آپ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں آپ کی بات سنتا ہوں تو دل پر بڑا اثر ہوتا ہے، حالات بہتر کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے، لیکن جب باہر نکلتا ہوں، اور دنیا کے کاموں کے اندر لگتا ہوں تو وہ جذبہ جو آپ کی مجلس میں بیٹھ کر پیدا ہوا تھا، وہ ختم ہو جاتا ہے، یہ تو منافق کا کام ہے۔ کہ ظاہر حالات کچھ ہوں اور اندر کچھ ہوں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہو گیا''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ حنظلہ! تم منافق نہیں ہوئے، بلکہ یہ گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے۔ ہر وقت دل کی کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی، کسی وقت جذبہ زیادہ ہوتا ہے کسی وقت کم ہوتا ہے، اس سے یہ سمجھنا کہ میں منافق ہو گیا کوئی صحیح بات نہیں ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اپنے بارے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ میں منافق ہو گیا لیکن آپ نے کسی دوسرے کو منافق نہیں کہا، خود احتسابی سے اپنے آپ کو منافق تصور کر کے بے قرار ہو گئے کہ اپنی فکر ہے، یہ فکر ہے کہ کہیں میرے اندر تو نفاق نہیں آ گیا ہے؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے راز بتلا رکھے تھے، آپ ہی کو رازداری سے منافقین کی پوری فہرست بھی بتا رکھی تھی کہ مدینہ شریف میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ اور اس درجہ وثوق سے بتا رکھی تھی کہ جب مدینہ طیبہ میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دیکھتے تھے کہ اس نمازِ جنازہ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ شامل ہیں یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ شامل ہیں تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ شخص مؤمن تھا۔ اور اگر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس کے جنازہ میں شامل نہیں تو صحابہ کرام یہ اندازہ کیا کرتے تھے کہ شاید یہ شخص منافق ہے، اگر مؤمن ہوتا تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ضرور شامل ہوتے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرۃ والمراقبۃ، رقم: ۴۹۳۷، سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ، باب منہ، رقم: ۲۴۳۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب المداومۃ علی العمل، رقم: ۴۲۲۹، مسند أحمد، رقم: ۱۶۹۴۹

خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کو اپنے نفاق کا اندیشہ

کتب حدیث میں آتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، جبکہ خلیفہ بن چکے ہیں، اور آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت ہے اور جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب دیکھو غلط کار لوگوں کی اصلاح کے لئے درّہ لئے پھر رہے ہیں، انتظام کا رعب اور دبدبہ ہے، لیکن اسی عالم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے خوشامد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے مجھے یہ بتادو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں منافقین کی جو فہرست بتادی ہے، اس میں عمر بن خطاب کا نام تو نہیں ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں میرا نام تو اس فہرست میں شامل نہیں؟ کہیں میں منافقین میں شامل تو نہیں؟(۱)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ ہر ایک کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میرا کوئی فعل، میرا کوئی عمل، میرا کوئی قول، میری کوئی ادا اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف تو نہیں ہے، اور جب یہ فکر لگی ہوئی ہے تو اب جب وہ کسی دوسرے سے کوئی اصلاح کی بات کہتے ہیں تو وہ بات دل پر اثر انداز ہوتی ہے، اس سے زندگیاں بدلتی ہیں، اس سے انقلاب آتے ہیں، اور انقلاب برپا کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے مشہور واعظ تھے، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے ایک ایک وعظ میں نو نو سو آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی ہے۔ بس ایک وعظ کہہ دیا، اور سب کا دل کھینچ لیا۔ اور بات یہ نہیں تھی کہ ان کی تقریر بہت جوشیلی ہوتی تھی۔ یا بڑی فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ دل سے اُمڈتا ہوا جذبہ جب زبان سے باہر نکلتا ہے تو وہ دوسرے کے دل پر اثر ڈالتا ہے۔

بے عمل کی بات کا اثر نہیں ہوتا

ہماری یہ حالت ہے کہ میں آپ کو ایک بات کی نصیحت کر رہا ہوں، اور خود میرا عمل اس پر نہیں ہے۔ اس لئے اولاً تو اس بات کا اثر نہ ہوگا، اور اگر اس بات کا اثر ہو بھی گیا تو سننے والا جب یہ دیکھے گا کہ یہ خود تو اس کام کو نہیں کر رہے ہیں، اور ہمیں نصیحت کر رہے ہیں، اگر یہ کوئی اچھا کام ہوتا تو پہلے یہ خود عمل کرتے، اس طرح وہ بات ہوا میں اُڑ جاتی ہے، اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

---

(۱) البداية والنهاية (۱۹/۵)

حضورِ اقدس ﷺ کی نماز

حضورِ اقدس ﷺ کی سیرت نے جو انقلاب برپا کیا، اور صرف ۲۳ سال کی مدت میں پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی، بلکہ پوری دنیا کی کایا پلٹ دی، یہ انقلاب اس لئے آیا کہ آپ نے جس بات کا اُمت کو کرنے کا حکم دیا، پہلے خود اس بات پر اس سے زیادہ عمل کیا۔ مثلاً ہمیں اور آپ کو حکم دیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو۔ لیکن خود حضور ﷺ آٹھ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ یعنی پانچ نمازوں کے علاوہ اشراق، چاشت، اور تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، بلکہ آپ کی یہ حالت تھی:

((إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى))(۱)

یعنی جب آپ کو کسی کام کی پریشانی پیش آتی تو آپ ﷺ فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے دعا کرتے۔ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

((جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ))(۲)

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''

حضورِ اقدس ﷺ کا روزہ

اسی طرح دوسروں کو پورے سال میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن آپ کا خود کا معمول یہ تھا کہ پورے سال میں کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا، جس میں کم از کم تین روزے آپ نہ رکھتے ہوں، اور بعض اوقات تین سے زیادہ بھی رکھتے تھے۔ اور دوسروں کو تو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ جب افطار کا وقت آجائے تو فوراً افطار کرلو۔ اور دو روزوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کو ناجائز قرار دیا۔

''صومِ وصال'' کی ممانعت

چنانچہ بعض صحابہ کرام کو آپ نے دیکھا کہ وہ اس طرح دو روزے ملا کر رکھ رہے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرمادیا کہ تمہارے لئے اس طرح ملا کر روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ حرام ہے۔ لیکن آپ ﷺ خود ''صومِ وصال'' رکھتے، اور یہ فرماتے کہ تم اپنے آپ کو مجھ پر قیاس نہ کرو، اس لئے کہ میرا پروردگار مجھے کھلاتا بھی ہے، اور پلاتا بھی ہے۔ یعنی تمہارے اندر اس روزے کی طاقت

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب وقت قيام النبي من الليل، رقم: ۱۱۲٤، مسند أحمد، رقم: ۱٦٧٠

(۲) سنن النسائي، كتاب عشرة النساء، باب حب النساء، رقم: ۳۸۷۸، مسند أحمد، رقم: ۱۱۸٤٥

نہیں ہے، میرے اندر طاقت ہے۔ اس لئے میں رکھتا ہوں گویا کہ دوسروں کے لئے آسانی اور سہولت کا راستہ بتا دیا کہ افطار کے وقت خوب کھاؤ، پیو، اور رات بھر کھانے کی اجازت ہے۔ (۱)

حضورِ اقدس ﷺ اور زکوٰۃ

ہمیں اور آپ کو تو یہ حکم دیا کہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کردو، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ جتنا مال آ رہا ہے، سب صدقہ ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نماز پڑھانے کے لئے مصلی پر تشریف لائے، اور اقامت ہو گئی، اور نماز شروع ہونے والی ہے، اچانک آپ مصلے سے ہٹ گئے اور فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ اور نماز پڑھا دی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا، چنانچہ نماز کے بعد صحابہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آج آپ نے ایسا عمل کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا، اس کی کیا وجہ تھی؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جواب دیا کہ میں اس لئے گھر واپس گیا تھا کہ جب میں مصلی پر کھڑا ہوا، اس وقت مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں سات دینار (اشرفیاں) پڑے ہیں۔ اور مجھے اس بات سے شرم آئی کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں پیش ہو کہ اس کے گھر میں ضرورت سے زائد سات دینار رکھے ہوں، چنانچہ میں نے ان کو ٹھکانے لگا دیا، اور پھر اس کے بعد آ کر نماز پڑھائی۔ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الوصال ومن قال لیس فی اللیل صیام، رقم: ۱۸۲۸، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصوم، رقم: ۱۸٤٦، مسند أحمد، رقم: ٤٥٢٢، موطا مالك، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصیام، رقم: ٥٩١، سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب النھی عن الوصال فی الصوم، رقم: ١٦٤١

(۲) کتب سیر میں "سات دنانیر" سے متعلق دو واقعات ملتے ہیں، ایک واقعہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان کردہ ہے جس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ کے پاس سات دینار تھے، آپ نے انہیں بستر کے نیچے رکھ دیا، پھر آپ باہر تشریف لے گئے کچھ دیر بعد واپس آئے تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدلا ہوا تھا میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا بات ہے خیریت تو ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے ان دنانیر نے پریشان کر رکھا ہے جو صبح کو ہمارے پاس آئے تھے لیکن شام ہونے کے باوجود ہمارے پاس باقی ہیں اور ہم نے انہیں خرچ نہیں کیا (ان دیناروں کی ہمارے پاس موجودگی نے مجھے پریشان کر دیا) تھذیب الآثار للطبری، رقم: ۲٤۷۸ (٤٦٢/٥)، دوسرا واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے جس میں مرض الوفات میں آپ ﷺ نے انہیں اپنے پاس موجود سات دنانیر صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ الترغیب والترھیب، رقم: ۱۳۷۰ (۲۹/۲)، صحیح ابن حبان، رقم: ۷۱٦ (٤٢٤/٣)، مجمع الزوائد (١٢٤/٣)

اللہ کے محبوب نے خندق بھی کھودی

غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودی جارہی ہے، صحابہ کرام خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نہیں تھا کہ دوسرے لوگ تو خندق کھودیں، اور خود امیر ہونے کی وجہ سے آرام سے بستر پر سو جائیں، بلکہ وہاں یہ حال تھا کہ دوسروں کو جتنا حصہ کھودنے کے لئے ملا تھا، اتنا حصہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے لئے بھی مقرر فرمایا۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں جب خندق کھودی جارہی تھی، مشقت کا وقت تھا، اور کھانے پینے کا کما حقہ انتظام نہیں تھا، اور میں بھوک سے بیتاب ہورہا تھا تو بھوک کی شدت کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھ لیا تھا۔

پیٹ پر پتھر باندھنا

پیٹ پر پتھر باندھنے کا محاورہ ہم نے اور آپ نے بہت سنا ہے، لیکن کبھی دیکھا نہیں اور اللہ تعالیٰ نہ دکھائے۔ لیکن جس پر یہ حالت گزری ہو وہ جانتا ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیٹ پر پتھر باندھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور پتھر باندھنے سے کس طرح بھوک مٹتی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جب بھوک کی شدت ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے انسان کو اتنی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ وہ کچھ کام نہیں کرسکتا، اور پتھر باندھنے سے پیٹ پر ذرا ثقل ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے آدمی میں کھڑا ہونے کی طاقت آجاتی ہے۔ ورنہ وہ کمزوری کی وجہ سے کھڑا بھی نہیں ہوسکتا۔

تاجدارِ مدینہ کے پیٹ پر دو پتھر تھے

بہر حال! تو ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ شدتِ بھوک کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا تھا، اور اسی حالت میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے، تو حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے پیٹ پر سے قمیص اُٹھادی، اور میں نے دیکھا کہ آپ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔

یہ ہے وہ چیز کہ جس بات کی تعلیم دی جارہی ہے، جس بات کی تبلیغ کی جارہی ہے، جس بات کا حکم دیا جارہا ہے، پہلے خود اس پر اس سے زیادہ عمل کر کے دکھا دیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مشقت اُٹھانا

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، جنت کی خواتین کی سردار، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوتی ہیں، اور اپنے ہاتھ مبارک دکھا کر عرض کرتی ہیں کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیس پیس کر گٹے پڑ گئے ہیں، اور پانی کی مشک ڈھوڈھو کر سینے پر نیل آگئے ہیں، یا رسول اللہ! خیبر کی فتح کے بعد سارے مسلمانوں کے درمیان غلام اور کنیزیں تقسیم ہوئی ہیں، جو ان کے گھروں کا کام کرتی ہیں، لہٰذا کوئی خدمت گار کنیز مجھے بھی عطا فرما دیجئے۔

اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی کنیز خدمت کے لئے مل جاتی تو اس کی وجہ سے آسمان نہ ٹوٹتا، لیکن جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''فاطمہ! جب تک سارے مسلمانوں کا انتظام نہیں ہو جاتا، اس وقت تک محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے گھر والوں کے لئے کوئی غلام اور کنیز نہیں آئے گی۔ میں تمہیں اس مشقت کے عوض غلام اور کنیز سے بہتر نسخہ بتاتا ہوں، اور پھر فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ''سبحان اللہ'' ۳۳ بار، ''الحمد للہ'' ۳۳ بار، اور ''اللہ اکبر'' ۳۴ بار پڑھا کرو''(۱)

اس وجہ سے اس کو ''تسبیح فاطمہ'' کہا جاتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کی تلقین فرمائی ہے لہٰذا دوسروں کے ساتھ تو معاملہ یہ ہے کہ غلام تقسیم ہو رہے ہیں، کنیزیں تقسیم ہو رہی ہیں، اور پیسے بھی تقسیم ہو رہے ہیں، اور خود اپنے گھر میں یہ حالت ہے۔

لہٰذا جب یہ صورت ہوتی ہے کہ خود کہنے والا دوسروں سے زیادہ عمل کرتا ہے تو اس کی بات میں تاثیر ہوتی ہے، اور وہ بات پھر دل پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ انسانوں کی دنیا بدل دیتی ہے، ان کی زندگیوں میں انقلاب لاتی ہے اور انقلاب لائی، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

۳۰ شعبان کو نفلی روزہ رکھنا

تیس شعبان کا جو دن ہوتا ہے، اس میں حکم یہ ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھا جائے، بعض لوگ اس خیال سے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ شاید آج رمضان کا دن ہو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ رمضان کا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب التکبیر والتسبیح عند المنام، رقم: ۵۸۴۳، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والإستغفار، باب التسبیح أول النهار وعند النوم، رقم: ۴۹۰۶، سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء فی التسبیح والتکبیر والتحمید عند المنام، رقم: ۳۳۳۰، سنن أبی داؤد، کتاب الخراج والإمارة والفیء، باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسهم ذی القربی، رقم: ۲۵۹۵، مسند أحمد، رقم: ۷۰۲

چاند ہو چکا ہو، لیکن ہمیں نظر نہ آیا ہو۔ اس لئے احتیاط کے طور پر لوگ شعبان کی ۳۰ تاریخ کا روزہ رکھ لیتے ہیں۔ لیکن حضورِ اقدس ﷺ نے احتیاطِ رمضان کے طور پر تیس شعبان کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ روزہ نہ رکھنے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو صرف احتیاطِ رمضان کی غرض سے روزہ رکھ رہا ہو، البتہ جو شخص عام نفلی روزے رکھتا چلا آرہا ہے، اور وہ اگر ۳۰ شعبان کو بھی روزہ رکھ لے، اور احتیاطِ رمضان کی نیت اور خیال دل میں نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے۔(۱)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۳۰ شعبان کے دن خود روزے سے ہوتے تھے، اور پورے شہر میں منادی کرتے ہوئے پھرتے تھے کہ آج کے دن کوئی شخص روزہ نہ رکھے، اس لئے کہ عام لوگوں کے بارے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر وہ اس دن روزہ رکھیں گے تو احتیاطِ رمضان کا خیال ان کے دل میں آجائے گا اور روزہ رکھنا گناہ ہوگا، اس لئے سختی سے منع فرمایا دیا کرتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ، جن کے ہم اور آپ نام لیوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کو لوگوں کے لئے فتوی کے اندر آسانی پیدا کرنے کی ہر وقت فکر رہتی تھی، تاکہ لوگوں کو مشکل نہ ہو، جتنا ہو سکے آسانی پیدا کی جائے آج کل بازاروں میں پھلوں کی جو خرید و فروخت ہوتی ہے آپ حضرات جانتے ہوں گے کہ آج کل یہ ہوتا ہے کہ ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آتا کہ پوری فصل فروخت کر دی جاتی ہے اور اس طرح پھل کے آئے بغیر اس کو بیچنا شرعاً جائز نہیں، حضورِ اقدس ﷺ اس سے منع فرماتے تھے کہ جب تک پھل ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک بیچنا جائز نہیں اس شرعی حکم کی وجہ سے بعض علماء نے یہ فتوی دیا ہے کہ بازاروں میں جو پھل فروخت ہوتے ہیں، ان کی خرید و فروخت چونکہ اسی طریقے پر ہوتی ہے، اس لئے ان پھلوں کو خرید کر کھانا جائز نہیں، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان پھلوں کو کھانے کی گنجائش ہے، البتہ خود ہمیشہ احتیاط کی اور ساری عمر بازار سے پھل لے کر نہیں کھایا، اور دوسروں کو کھانے کی اجازت دے دی۔ یہ اللہ کے بندے ہیں۔ جس چیز کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں، اس سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے ہیں، تب ان کی بات میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الصوم عن رسول اللہ، باب ما جاء فی کراهية صوم يوم الشك، رقم: ۶۲۲، سنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب کراهية صوم يوم الشك، رقم: ۱۹۸۷، سنن ابی ماجه، کتاب الصيام، باب ما جاء فی صيام يوم الشك، رقم: ۱۶۳۵، سنن النسائی، کتاب الصيام، باب صيام يوم الشك، رقم: ۲۱۵۹، سنن النسائی، کتاب الصوم، باب فی النهی عن صيام يوم الشك، رقم: ۱۶۲۰

معاشرے کی اصلاح کا راستہ

ہمارے اندر خرابی یہ ہے کہ اصلاح کا جو پروگرام شروع ہوگا، جو جماعت قائم ہوگی، جو انجمن کھڑی ہوگی، جو آدمی کھڑا ہوگا، اس کے دماغ میں یہ بات ہوگی کہ یہ سب لوگ خراب ہیں، ان کی اصلاح کرنی ہے۔ اور اپنی خرابی کی طرف دھیان اور فکر نہیں، اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾(۱)

"اے ایمان والو! اپنی خبر لو، اگر تم راستے پر آجاؤ تو گمراہ ہونے والے اور غلط راستے پر جانے والے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے"

لہٰذا مجلس آرائی کے طور پر، اور محض برسبیل تذکرہ دوسروں کی برائیاں بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنی فکر کرو، اور اپنی جتنی اصلاح کر سکتے ہو، وہ کرلو، واقعہ یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کا راستہ بھی یہی ہے، اس لئے کہ معاشرہ کس کا نام ہے؟ میرا، آپ کا اور افراد کے مجموعے کا نام معاشرہ ہے۔ اب اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرلے کہ میں ٹھیک ہوجاؤں، تو رفتہ رفتہ سارا معاشرہ ٹھیک ہوجائے گا۔ لیکن اگر معاملہ یہ رہا کہ میں تمہارے اوپر تنقید کروں اور تم میرے اوپر تنقید کرو، میں تمہاری برائی بیان کروں، اور تم میری برائی بیان کرو، پھر تو اس طرح معاشرے کی حالت کبھی درست نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اپنی فکر کرو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا جھوٹ بول رہی ہے، لیکن تم نہ بولو، دوسرے لوگ رشوت لے رہے ہیں، تم رشوت نہ لو، دوسرے لوگ سود کھارہے ہیں، تم سود نہ کھاؤ، دوسرے لوگ دھوکہ دے رہے ہیں، تم دھوکہ نہ دو، دوسرے لوگ حرام کھارہے ہیں، تم نہ کھاؤ، لیکن اس کے تو کوئی معنی نہیں ہیں کہ مجلس کے اندر تو کہہ دے کہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور پھر خود بھی صبح سے شام تک جھوٹ بول رہے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فکر کو ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر ہوجائے۔

اپنا فرض بھی ادا کرو

البتہ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس جگہ نیکی کی بات پہنچانا ضروری ہے وہاں نیکی کی بات پہنچائے اور اپنا فرض ادا کرے، اس کے بغیر وہ ہدایت یافتہ نہیں کہلاسکتا، نہ اس کے بغیر اپنی اصلاح کا فریضہ مکمل ہوتا ہے۔ یہی بات سیدنا ابوبکر

(۱) المائدۃ: ۱۰۵

صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں واضح فرمادی ہے، حدیث یہ ہے:

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ج لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ط﴾(۱)

وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: "اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ یَاْخُذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ اَوْشَکَ اَنْ یَعُمَّھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ مِنْہُ"(۲)

اس آیت کی غلط تشریح کی جاتی ہے

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی صحیح تشریح نہ سمجھنے پر لوگوں کو تنبیہ فرمائی اور اس آیت کی تشریح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ارشاد فرمائی جس سے اس آیت کے صحیح مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اپنی خبر لو، اپنی اصلاح کی فکر کرو، بس اب ہمارے ذمے تو اپنی اصلاح کی فکر واجب ہے۔ اگر کسی دوسرے کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو اس کو ٹوکنا، اس کی اصلاح کی فکر کرنا ہمارے ذمے ضروری نہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ اس آیت کا یہ مطلب لینا غلط فہمی ہے۔ اس لئے کہ اگر لوگ یہ دیکھیں کہ ایک ظالم کسی دوسرے پر ظلم کررہا ہے، لیکن وہ لوگ اس ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم سے نہ روکیں تو ان حالات میں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام افراد پر اپنا عذاب نازل فرمادیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ تمہارے سامنے ظالم ظلم کررہا ہے اور مظلوم پٹ رہا ہے، اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی طاقت تمہارے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود تم نے یہ سوچا کہ اگر یہ ظلم کررہا ہے یا غلط کام کررہا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی عمل ہے، میں تو ظلم نہیں کررہا ہوں، لہٰذا مجھے اس کے اس فعل میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے اور مجھے ان سے الگ رہنا چاہئے، اور وہ اپنے اس طرزِ عمل پر اس آیت سے استدلال کرے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) المائدۃ: ۱۰۵

(۲) سنن الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللّٰہ، باب ما جاء فی نزول العذاب إذا لم یغیّر المنکر، رقم: ۲۰۹۴، سنن أبی داؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی، رقم: ۳۷۷۵، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر، رقم: ۳۹۹۵، مسند أحمد، رقم: ۱

نے تو یہ فرمادیا کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو، اگر دوسرا شخص غلط کام کر رہا ہے تو اس کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس آیت سے یہ مطلب نکالنا بالکل غلط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اگر ظالم کو ظلم سے روکنے کی قدرت اور طاقت تمہارے اندر ہو تو تم ضرور اس کو ظلم سے روک دو۔

آیت کی صحیح تشریح وتفسیر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں یہ جو فرمایا کہ ''کسی کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، بشرطیکہ تم اپنی اصلاح کی فکر کرلو'' اس میں اصل بات یہ ہے کہ ایک شخص اپنی استطاعت کے مطابق اور اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف کا فریضہ ادا کر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود دوسرا شخص اس کی بات نہیں مانتا، تو تمہارے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اب اس کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، اب تم اپنی فکر کرو، اور اپنے حالات کو درست رکھو، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

اولاد کی اصلاح کب تک؟

مثلاً اولاد ہے، اولاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر والدین یہ دیکھ رہے ہیں کہ اولاد غلط راستے پر جا رہی ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کو روکیں، اور اس کو غلط کاری سے بچائیں، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ،(۱) والدین کے ذمہ یہ فرض ہے، لیکن ایک شخص نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں، لیکن اولاد نے بات نہ مانی، تو اس صورت میں انشاء اللہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہوگا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی آخر وقت تک اسلام نہیں لایا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو سمجھایا، اس کو تبلیغ کی، دعوت دی، اور ان سے زیادہ کون حق تبلیغ ادا کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود آخر وقت تک وہ اسلام نہ لایا۔ اب اس کا مواخذہ حضرت نوح علیہ السلام سے نہیں ہوگا۔

ایک شخص کا دوست غلط راستے پر جا رہا ہے، غلط کاموں میں مبتلا ہے، اور یہ شخص اپنی استطاعت کے مطابق اپنے دوست کو پیار ومحبت سے ہر طرح اس کو سمجھاتا رہا، اور سمجھا سمجھا کر تھک گیا، لیکن وہ دوست غلط کاموں سے باز نہیں آیا، تو اب اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی۔

---

(۱) التحریم: ٦

تم اپنے آپ کو مت بھولو

آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت نقل کی ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾(۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، یعنی تم تورات کے عالم ہو، جس کی وجہ سے لوگ تمہاری طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ حکم اگرچہ یہودیوں کے لئے تھا، لیکن مسلمانوں کے لئے بطریق اولیٰ ہوگا کہ جو شخص دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اس نصیحت کو پہلے اپنے اوپر لاگو کرے۔

یہ مسئلہ تو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ تبلیغ کے بارے حکم یہ نہیں کہ جو شخص برائی میں مبتلا ہے وہ تبلیغ نہ کرے، اور دوسروں کو نصیحت نہ کرے، بلکہ حکم یہ ہے کہ نصیحت کرے، لیکن نصیحت کرنے کے بعد یہ سوچے کہ میں جب دوسروں کو نصیحت کر رہا ہوں تو خود بھی اس پر عمل کروں، اور اپنے آپ کو نہ بھولے، اور یہ نہ سمجھے کہ یہ نصیحت دوسروں کے لئے ہے، بلکہ یہ سوچے کہ یہ نصیحت میرے لئے بھی ہے، اور مجھے بھی اس پر عمل کرنا ہے۔

مقررین اور واعظین کے لئے خطرناک بات

اس آیت کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس میں بڑی خطرناک بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مصداق بننے سے ہم سب کو بچائے، فرمایا:

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ((يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُ بَطْنِهٖ فَيَدُوْرُ كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ فِي الرِّحَاءِ فَيَجْتَمِعُ اِلَيْهِ اَهْلُ النَّارِ فَيَقُوْلُوْنَ يَا فُلَانُ مَا لَكَ؟ اَلَمْ تَكُنْ تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ؟ فَيَقُوْلُ: بَلٰى كُنْتُ اٰمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَاَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ))(۲)

---

(۱) البقرہ: ٤٤، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟''

(۲) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

''حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، آگ میں گرتے ہی گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں گی، اور وہ شخص اپنی آنتوں کے گرد اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے (اس زمانے میں ایک بڑی چکی ہوا کرتی تھی، اس چکی میں گدھے کو باندھ دیتے تھے، وہ اس چکی کو گھماتا تھا) جب اہل جہنم اس کا یہ منظر دیکھیں گے تو وہ آکر اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، اور اس سے پوچھیں گے کہ یہ کیا قصہ ہے؟ ایسی سزا تمہیں کیوں دی جارہی ہے؟ کیا تم وہ شخص نہیں ہو کہ تم لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے؟ اور برائی سے روکا کرتے تھے؟ (تم عالم فاضل تھے اور داعی حق تھے اور لوگوں کے لئے مصلح کا درجہ رکھتے تھے) آج تمہارا یہ انجام کیسے ہوا؟ اس وقت وہ شخص جواب میں کہے گا کہ ہاں! میں اصل میں لوگوں کو تو نیکی کی نصیحت کرتا تھا، لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور لوگوں کو برائی سے روکتا تھا، اور میں خود اس برائی کا ارتکاب کیا کرتا تھا، اس وجہ سے آج میرا یہ انجام ہو رہا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اس حدیث کو جب پڑھتا ہوں تو ڈر لگتا ہے، وہ لوگ جن کو نیکی کی بات کہنے اور دین کی بات سنانے کا کام کرنا ہوتا ہے ان کے لئے یہ بڑا نازک اور خطرناک مرحلہ ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ اس کا مصداق بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا مصداق بننے سے بچائے۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

بہر حال! اگر آدمی کو اپنی فکر نہ ہو، اور دوسرے کی اصلاح کی فکر لے کر آدمی چل کھڑا ہو، اور دوسروں کے عیب تلاش کرتا رہے تو اس طرح معاشرے کی اصلاح ہونے کے بجائے اور زیادہ فساد کا راستہ کھلتا ہے، اور زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ ہمارے سامنے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرمادے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عیوب کا جائزہ لے کہ میں کیا کیا کام غلط کر رہا ہوں، اور پھر اس کی اصلاح کی فکر میں لگ جائے، چاہے دس سال کی زندگی باقی ہو، یا پندرہ سال اور بیس سال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رقم: ٣٠٢٧، صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب عقوبة من يأمر بالمعروف ولا يفعله وينهى عن المنكر......، رقم: ٥٣٠٥، مسند أحمد، رقم: ٢٠٧٨٥

کی زندگی باقی ہو، آخر میں ہر ایک کو اپنی قبر میں پہنچنا ہے اور اپنے سارے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا جائزہ لے، اپنے حالات کو دیکھے، اور اس میں جہاں جہاں خرابیاں نظر آئیں، ان کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائے، پھر چاہے کوئی انجمن اور جماعت نہ بنائے لیکن ایک آدمی کم از کم اپنے آپ کی اصلاح کر لے، اور وہ خود سیدھے راستے پر لگ جائے تو قرآن کریم کے اس حکم پر عمل ہو جائے گا۔ ایک سے دو، دو سے تین، چراغ سے چراغ جلتا ہے، شمع سے شمع روشن ہوتی ہے اور اس طرح دین کا یہ طریقہ دوسروں تک بھی پہنچتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرمائیں، اور اپنی اصلاح کرنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائیں، اور اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اپنی اصلاح کی بھی فکر کیجئے ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾(۱)

یہ قرآن کریم کی ایک مختصر سی آیت ہے۔ قرآن کریم کا یہ عجیب وغریب اعجاز ہے کہ اس کی کوئی آیت مختصر ہی کیوں نہ ہو، اگر انسان اس کو ٹھیک طرح سمجھ کر اس پر عمل کرلے تو اس کی زندگی کو درست کرنے کے لئے تنہا ایک آیت بھی کافی ہوجاتی ہے۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے۔ اس آیت میں ایک عجیب وغریب حقیقت کا بیان فرمایا گیا ہے اور پوری اُمتِ مسلمہ کو ایک عجیب ہدایت دی گئی ہے۔ اگر یہ ہدایت ہمارے دلوں میں اُتر جائے اور ہم اس پر عمل پیرا ہونے کا عہد کرلیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے ذریعہ ہمارے سارے مصائب وآلام کا خاتمہ ہوجائے۔

مسلمانوں کی بدحالی کا سبب

اس سے پہلے کہ اس آیت کا ترجمہ اور اس کا مطلب آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں، ایک اہم سوال کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، جو اکثر وبیشتر ہم میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت پوری اُمتِ مسلمہ جہاں کہیں آباد ہے وہ مسائل کا شکار ہے، مصیبتوں اور پریشانیوں سے سابقہ ہے۔

کہیں بوسنیا کے مسلمانوں پر ظلم وستم ہورہا ہے۔ کہیں کشمیر میں مسلمان ظلم وستم برداشت کررہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان کافروں اور ہندوؤں کے ظلم وستم کا شکار ہیں۔ صومالیہ میں

☆ اصلاحی خطبات (۷/۴۸ تا ۷۰)، ۲۶ مئی ۱۹۹۴ء، بعد از نماز عصر، جامع مسجد اقصیٰ جے ایریا، کورنگی، کراچی

(۱) المائدۃ: ۱۰۵، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر ہوگے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو''

مسلمان خانہ جنگی کا شکار ہیں۔ افغانستان میں مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ یہ سارے مسائل جو پوری اُمتِ مسلمہ کو درپیش ہیں، ان کے سبب پر جب غور کرنے کی نوبت آتی ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کی ذرہ برابر بھی رمق ہے، وہ لوگ غور کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ان مصائب و آلام کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم دین کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اللہ کی بندگی کرنی چھوڑ دی ہے۔ آپ کی سنتوں کی اتباع کرنا چھوڑ دیا ہے اور بداعمالیوں میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں یہ آفتیں ہمارے اوپر آرہی ہیں۔ اور یہ بات بالکل درست ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾(۱)

یعنی جو کچھ مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور بہت سے تمہارے اعمالِ بد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیتے ہیں۔ ان کی کوئی سزا تمہیں نہیں دیتے۔ لیکن بعض بداعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی سزا اس دنیا کے اندر ان مصیبتوں کی شکل میں دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب ہم آپس میں بیٹھ کر اُمتِ مسلمہ کے ان مصائب کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو مشکل ہی سے شاید ہماری کوئی مجلس اس تذکرہ سے خالی جاتی ہوگی کہ ہم سب بداعمالیوں کا شکار ہیں۔ بدعنوانیوں کا شکار ہیں۔ گناہوں کے اندر مبتلا ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو چھوڑا ہوا ہے۔ یہ ساری مصیبتیں ان بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔

یہ کیسی منزل ہے کیسی راہیں

لیکن یہ سارا تذکرہ ہونے کے باوجود یہ نظر آتا ہے کہ پرنالہ وہیں گر رہا ہے اور حالات میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی۔ بہت سی جماعتیں، انجمنیں اور ادارے اس مقصد کے تحت قائم ہیں کہ حالات کی اصلاح کریں۔ لیکن حالات جوں کے توں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے دینی کا جو سیلاب اُمڈ رہا ہے اس کی رفتار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس میں کمی نہیں آرہی ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا۔

یہ کیسی منزل ہے کیسی راہیں
کہ تھک گئے پاؤں چلتے چلتے
مگر وہی فاصلہ ہے قائم
جو فاصلہ تھا سفر سے پہلے

یعنی جو فاصلہ سفر سے پہلے تھا وہ فاصلہ اب بھی قائم ہے۔ ہزاروں قربانیاں بھی دی جارہی

(۱) الشوریٰ: ۳۰

ہیں۔ لوگ جانیں بھی دے رہے ہیں۔ انجمنیں، جماعتیں اور ادارے اصلاحِ حال میں لگے ہوئے ہیں۔ محنت ہو رہی ہے۔ لیکن عالمِ وجود کے اندر ان کا کوئی واضح فائدہ نظر نہیں آتا۔ ایسا کیوں ہے؟

اصلاح کا آغاز دوسروں سے کیوں؟

یہ آیت جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اس سوال کا تسلی بخش جواب عطا فرمایا ہے۔ قرآن کریم اس آیت میں ہمیں اس طرف توجہ دلا رہا ہے کہ جب تم حالات کی اصلاح کرنے کی فکر لے کر اُٹھتے ہو تو تم ہمیشہ اصلاح کا آغاز دوسروں سے کرنا چاہتے ہو۔ یعنی تمہارے دلوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ لوگ خراب ہوگئے ہیں۔ لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہیں۔ لوگ دھوکہ، فریب کر رہے ہیں۔ بدعنوانیوں میں مبتلا ہیں۔ رشوت لے رہے ہیں۔ سود کھا رہے ہیں۔ عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے۔ ان سب باتوں کے تذکرے کے وقت تمہارے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کام دوسرے لوگ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کاموں سے روکنا ہے اور ان کی اصلاح کرنی ہے۔

اپنی اصلاح کی فکر نہیں

لیکن یہ خیال شاذ و نادر ہی کسی اللہ کے بندے کے دل میں آتا ہے کہ میں بھی کسی خرابی کے اندر مبتلا ہوں۔ میرے اندر بھی کچھ عیوب اور خرابیاں پائی جاتی ہیں اور ان خرابیوں کی اصلاح کرنا میرا سب سے پہلا فرض ہے۔ میں دوسروں کی طرف بعد میں دیکھوں گا پہلے میں اپنا جائزہ لوں اور اپنی اصلاح کی پہلے فکر کروں۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ جب اصلاح کے لئے کوئی جماعت، کوئی تنظیم یا ادارہ قائم ہوتا ہے تو اس ادارے کے چلانے والوں اور اس تنظیم کو قائم کرنے والوں میں سے ہر شخص کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ میں عوام کی اصلاح کروں۔ لیکن میں اپنی اصلاح کروں اور اپنے عیوب کو دور کروں، یہ خیال شاذ و نادر ہی کسی اللہ کے بندے کے دل میں آتا ہوگا۔

بات میں وزن نہیں

اس عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ جب میں اپنے عیوب سے بے خبر ہوں۔ اپنی خرابیوں کی اصلاح کی تو مجھے فکر نہیں ہے۔ میرے اپنے اعمال اللہ کی رضا کے مطابق نہیں ہیں۔ اور میں دوسروں کی اصلاح کی فکر میں لگا ہوا ہوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میری بات میں نہ تو کوئی اثر اور وزن ہوتا ہے اور نہ اس کے اندر برکت اور نور ہوتا ہے کہ وہ بات دوسروں کے دلوں میں اُتر جائے اور وہ اس کو ماننے پر آمادہ ہو جائیں۔ بلکہ وہ ایک لچھے دار تقریر ہوتی ہے جو کانوں سے ٹکرا کر ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

ہر شخص کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے

قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اگر تم نے اپنی اصلاح کر لی اور ہدایت کے راستے پر آ گئے تو پھر جو لوگ گمراہی کی طرف جا رہے ہیں اور گمراہیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں، ان کی برائی اور گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا۔ ئے گی۔ اس لئے کہ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ تم کو بتائے گا جو کچھ تم اس دنیا میں کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں یہ بتا دیا کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ بدعملی دوسرا شخص کرے اور جواب مجھ سے طلب کیا جائے کہ وہ شخص بدعملی کے اند۔ کیوں مبتلا تھا۔ یا میں کوئی برا عمل کروں اور جواب دوسرے سے طلب کیا جائے۔ ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہر شخص سے اس کے اپنے عمل کا سوال ہوگا۔ اس لئے تم پہلے اپنی فکر کرو کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں؟ تم جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری دو گے تو تم اپنی زندگی کے اعمال کے بارے میں کیا جواب دو گے؟ اس لئے دوسروں کی فکر سے پہلے اپنی خبر لو۔ اور ہر شخص اپنے اعمال اور اخلاق کا جائزہ لے کر دیکھے کہ وہ کس گمراہی اور کس غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ اور پھر ان غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ یہ نہ ہو کہ دوسروں کے عیوب اور برائیوں کو تو تلاش کرتا پھرے، اور اپنے عیوب سے غافل ہو جائے۔

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ))(۱)

جو شخص یہ کہے کہ سارے لوگ ہلاک اور برباد ہو گئے۔ اس لئے کہ ان کے اعمال خراب، ان کے عقائد خراب، ان کی عبادتیں خراب، اس کے نتیجے میں وہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ تو سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا شخص وہ خود ہے جو دوسروں کی برائیاں تو بیان کر رہا ہے لیکن اپنی حالت سے بے خبر ہے۔ اگر اپنے اعمال اور اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے اور دل میں یہ تڑپ لگ جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوں گا تو یقیناً اس صورت میں وہ شخص اپنے آپ کو سب سے بُرا محسوس کرے گا اور اس وقت دوسرے لوگ برے نظر نہیں آئیں گے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن قول هلك الناس، رقم: ٤٧٥٥، سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي، رقم: ٤٣٣١، مسند أحمد، رقم: ٨١٥٨، موطا مالك، كتاب الجامع، باب ما يكره من الكلام، رقم: ١٥٥٩

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ یہ اتنے بڑے بزرگ ہیں کہ ہم لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے شہر میں قحط پڑ گیا۔ اور بارش بند ہوگئی۔ لوگ پریشان تھے۔ اور بارش کی دعائیں کر رہے تھے۔ کچھ لوگ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! آپ دیکھ رہے ہیں کہ پوری قوم قحط سالی کے اندر مبتلا ہے، زبانیں اور گلے تک خشک ہوگئے ہیں۔ جانوروں کو پلانے کے لئے پانی نہیں ہے۔ کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے پانی نہیں ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعا تو میں کروں گا انشاء اللہ، لیکن ایک بات سن لو، وہ یہ کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جو کچھ تمہیں دنیا میں کوئی مصیبت یا پریشانی آتی ہے وہ لوگوں کی بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے آتی ہے۔ لہٰذا اگر بارش نہیں ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بداعمالیوں میں مبتلا ہیں اور ان بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم سے بارش کو روک دیا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم میں سے کون سا شخص سب سے زیادہ بداعمالی میں مبتلا ہے۔ اور جب میں اپنا جائزہ لیتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ پوری بستی میں مجھ سے زیادہ خراب کوئی آدمی نہیں ہے۔ مجھ سے زیادہ گناہ گار کوئی نہیں ہے۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ بارش اس وجہ سے رُکی ہوئی ہے کہ میں اس بستی کے اندر مقیم ہوں۔ جب میں اس بستی سے نکل جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بستی پر نازل ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ اس لئے بارش ہونے کا علاج یہ ہے کہ میں اس بستی سے چلا جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت کے ساتھ رکھے اور تم پر بارش نازل فرمائے۔

اپنے گناہوں کی طرف نظر تھی

دیکھئے! حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جیسا ولی اللہ، ولی کامل، اللہ کا نیک بندہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس روئے زمین پر مجھ سے بڑا گناہگار کوئی نہیں۔ اس لئے اگر میں اس بستی سے نکل جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس بستی پر بارش نازل فرما دیں گے۔ اب بتایئے کہ کیا وہ جھوٹ بول رہے تھے؟ اور کیا وہ تواضعاً ایسا کہہ رہے تھے؟ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی کامل کی زبان سے جھوٹ نہیں نکل سکتا بلکہ واقعۃً وہ اپنے آپ کو یہ سمجھتے تھے کہ سب سے زیادہ گناہگار اور عیب دار میں ہوں۔ ایسا کیوں سمجھتے تھے؟ اس لئے کہ ہر وقت ان کی نگاہ اس پر تھی کہ میرے اندر کیا خرابیاں ہیں؟ اور ان کو کیسے دور کروں؟

نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس دور میں اللہ تعالیٰ نے عمل اور تقویٰ کا نمونہ بنایا تھا۔ ان کے ایک خلیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے ذکر کیا کہ جب آپ بیان فرماتے ہیں اور میں آپ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مجمع میں مجھ سے زیادہ تباہ حال شخص کوئی اور نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ گناہگار میں ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں، میں اپنے آپ کو جانور محسوس کرتا ہوں۔ جواب میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی تم یہ جو اپنی حالت بیان کر رہے ہو سچ پوچھو تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ جب میں وعظ اور بیان کر رہا ہوتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ سب لوگ مجھ سے اچھے ہیں۔ میں سب سے زیادہ خراب ہوں۔

ایسا کیوں تھا؟ اس لئے کہ ہر وقت ان کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میرے اندر کون سا عیب ہے؟ کون سا گناہ ہے؟ میں اس کو کس طرح دور کروں؟ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل کروں؟ اگر انسان اپنے عیوب کا جائزہ لینا شروع کرے تو پھر دوسروں کے عیوب نظر نہیں آتے۔ اس وقت اپنی فکر میں انسان لگ جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے کہا تھا کہ:

تھے جو اپنی برائی سے بے خبر رہے اوروں کے ڈھونڈتے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

یعنی جب تک دوسروں کو دیکھتے رہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ فلاں کے اندر یہ برائی ہے اور فلاں کے اندر یہ برائی ہے۔ لیکن جب اپنی برائیوں پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی اتنا برا نہیں ہے جتنا برا میں خود ہوں۔ اس لئے کہ جب اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی توفیق ہوئی تو ساری گندگیاں اور برائیاں سامنے آگئیں۔

یاد رکھئے! کوئی انسان دوسرے کی برائی سے اتنا واقف نہیں ہو سکتا جتنا انسان اپنی برائی سے واقف ہوتا ہے۔ انسان اپنے بارے میں جانتا ہے کہ میں کیا سوچتا ہوں۔ اور میرے دل میں کیا خیالات پیدا ہوتے ہیں؟ کیسے کیسے ارادے میرے دل میں آتے ہیں؟ لیکن چونکہ اپنی طرف نظر نہیں، اپنے عیوب سے بے خبر ہے، اس لئے دوسروں کے عیوب اس کو نظر آتے ہیں۔ اس کو اپنی پرواہ نہیں ہوتی۔

اپنی بیماری کی فکر کیسی ہوتی ہے

مثلاً ایک شخص کے پیٹ میں شدید درد ہے اور اس درد کی وجہ سے بے چین ہے، کسی کروٹ قرار نہیں آرہا ہے۔ بتایئے! کیا وہ شخص دوسروں کو دیکھتا پھرے گا کہ کس شخص کو نزلہ ہو رہا ہے، کس کو کھانسی ہے، کس کو زکام ہے؟ بلکہ وہ شخص اپنے درد کو لے کر بیٹھ جائے گا، دوسروں کی بیماریوں کی پرواہ بھی نہیں کرے گا۔ بلکہ اگر کوئی شخص اس سے یہ کہے گا کہ مجھے نزلہ اور کھانسی ہو رہی ہے تو جواب میں کہے گا کہ تمہارا نزلہ کھانسی اپنی جگہ، لیکن میں تو اپنے پیٹ کے درد میں مبتلا ہوں، میں اپنے درد کا پہلے علاج کروں یا تمہارے نزلہ کھانسی کو دیکھوں۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جو اپنے درد سے بے چین ہونے کی حالت میں دوسروں کی معمولی بیماریوں کو دیکھتا پھرے۔

ایک خاتون کا نصیحت آموز واقعہ

میرے عزیزوں میں ایک خاتون تھیں، ایک مرتبہ ان کے پیٹ میں ریاحی تکلیف ہوگئی اور اس کی وجہ سے وہ بے چین ہوگئیں اور نفسیاتی طور پر ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں بہت زیادہ بیمار ہوں۔ میں ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے ان کو ایک ہسپتال لے گیا۔ جب لفٹ کے ذریعہ اُوپر جانے لگے تو وہاں ایک اور خاتون وہیل چیئر کے اُوپر بیٹھی تھی۔ اور اس کا سارا جسم آگے سے جلا ہوا تھا۔ اور بعض جگہ کی ہڈیاں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ کھال جلی ہوئی تھی۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اپنی عزیزہ خاتون سے کہوں کہ یہ تم سے زیادہ اور سخت تکلیف کے اندر مبتلا ہے تاکہ ان کو اپنی بیماری کا احساس کم ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ دیکھو، یہ خاتون کتنی مصیبت میں ہے اور کتنی سخت تکلیف کے اندر مبتلا ہے۔ میری عزیزہ نے ان خاتون پر ایک اُچٹتی نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ ہاں یہ تکلیف کے اندر مبتلا تو ہے، لیکن اس کے پیٹ میں تو درد نہیں ہو رہا ہے۔ دیکھئے! جس کا سارا جسم جلا ہوا ہے اور ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے، اس کی بیماری کا اتنا احساس نہیں جتنا اپنی بیماری کا احساس ہے۔

اس واقعہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کاش دین کے معاملے میں ہمارے دلوں میں ایسی فکر پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ دین کی بیماریوں اور باطن کی بیماریوں میں یہ فکر پیدا کر دے کہ میرے اندر جو بیماری ہے مجھے اس کی فکر لگ جائے اور اس کے نتیجے میں دوسروں کی بیماریوں پر نظر جانے کے بجائے میں اپنی بیماریوں کی اصلاح کی فکر کروں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نفاق کا شبہ

ایک مرتبہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تباہ و برباد ہوگیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں منافق ہوگیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے منافق ہوگئے؟ جواب میں فرمایا کہ یا رسول اللہ! جب میں آپ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو دل میں نیک جذبات اور نیک خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے۔ اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے۔ آخرت کی نعمتیں یاد آتی ہیں۔ لیکن جب کاروبارِ زندگی میں جاتا ہوں اور بیوی بچوں کے پاس جاتا ہوں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ اللہ کی طرف دھیان، اپنی اصلاح کی فکر اور آخرت اور جنت کا خیال باقی نہیں رہتا۔ اور یہ تو منافقت کی بات ہے کہ ظاہر میں تو مسلمان ہیں اور دل کے اندر برے برے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو منافق ہوگیا۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ کس طرح اس منافقت سے نکلوں؟

دیکھئے! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی یہ بات کہہ رہے ہیں اور صحابہ کے بارے میں پوری اُمت کا اس پر اتفاق ہے:

”اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ“

”تمام صحابہ عادل ہیں“

ان میں کوئی فاسق نہیں ہوسکتا۔ ان کو یہ شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ گھر میں جاکر تمہیں جو خیالات بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور کیفیت بدلی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اس سے پریشان نہ ہو۔ اس لئے کہ اس سے آدمی منافق نہیں ہوتا۔ یہ تو وقت وقت کی بات ہے۔ کسی وقت انسان کے دل پر اللہ کی یاد زیادہ ہوجاتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے رقت زیادہ ہوجاتی ہے، اور کسی وقت میں اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کیفیات کے بدلنے سے آدمی منافق نہیں ہوتا۔ (۱)

ان صحابی کو فکر اس بات کی نہیں تھی کہ فلاں شخص منافق ہوگیا۔ بلکہ اس بات کی فکر تھی کہ میں منافق ہوگیا۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرة والمراقبة، رقم: ۴۹۳۷، سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول الله، باب منه، رقم: ۲۴۳۸، سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب المداومة علی العمل، رقم: ۴۲۲۹، مسند أحمد، رقم: ۱۶۹۴۹

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نفاق کا شبہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جو مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ تھے، جن کے بارے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ))(۱)

''اگر میرے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو وہ عمر ہوتے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں''

اتنا اونچا مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان کا حال سنئے! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ جن کا نام تھا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار مشہور تھے۔ اس لئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ میں رہنے والے منافقین کے نام بتادیئے تھے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتادیا تھا کہ مدینہ منورہ میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت کے تحت وہ نام حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں بتائے تھے۔ حتیٰ کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا تو لوگ یہ دیکھا کرتے تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس شخص کی نمازِ جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں؟ اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا شریک ہونا اس بات کی علامت تھی کہ اس کا نام منافقین میں شامل نہیں۔ اور اگر شریک نہ ہوتے تو پتہ چل جاتا کہ اس کا نام منافقین میں شامل ہے اس لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہوئے۔ پس حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں، اور ان سے التجا کر کے پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے مجھے یہ بتادیں کہ تمہارے پاس منافقین کی جو فہرست ہے، اس میں ''عمر'' کا نام تو نہیں ہے؟(۲) وہ شخص یہ بات پوچھ رہے ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن لیا ہے کہ ''عُمَرُ فِی الْجَنَّةِ'' عمر جنت میں جائے گا۔(۳)

اور جن کے بارے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ ان کو یہ فکر دامن گیر ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوں۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللّٰہ، باب فی مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ۳۶۱۹، مسند أحمد، رقم: ۱٦٧٦٤

(۲) البدایة والنهایة (۱۹/۵)

(۳) سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللّٰہ، باب مناقب عبد الرحمن بن عوف الزهری، رقم: ۳٦۸۰، سنن أبی داود، کتاب السنة، باب فی الخلفاء، رقم: ۴۰۳۱، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضائل العشرة، رقم: ۱۳۰، مسند أحمد، رقم: ۱۵۴۳

یہ فکر اس لئے تھی کہ بے شک حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمادیا کہ "عمر جنت میں جائے گا" اور حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ جو شخص بھی کلمہ "لا الہ الا اللہ" پڑھ لے گا وہ جنت میں جائے گا۔(۱)

اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ کلمہ پڑھنے والا بے شک جنت میں جائے گا لیکن اگر مرنے سے پہلے کسی کے اعمال خراب ہوگئے تو پھر وہ شخص اس بشارت میں داخل نہیں ہوسکتا، اس لئے مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میرے اعمال خراب ہوگئے ہوں، اور میں منافقین میں داخل ہوگیا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے عیوب کا جائزہ لیتا ہے اور جب اس کو اپنی فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ میری اصلاح کیسے ہو تو اس کے بعد اس کو دوسرے لوگ اتنے برے نظر نہیں آتے جتنا وہ اپنے آپ کو برا نظر آتا ہے۔

دین سے ناواقفیت کی انتہاء

آج ہمارا معاملہ اُلٹا ہوگیا ہے۔ آج اگر ہم دین کی کوئی بات کرتے ہیں تو اس میں عموماً اصلاح والی باتیں مفقود ہوتی ہیں۔ بلکہ عموماً ان باتوں میں یا تو فرقہ واریت کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کبھی سیاست پر گفتگو چھیڑ دی جاتی ہے یا کبھی ایسے نظریاتی مسائل پر گفتگو شروع ہو جاتی ہے جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں دین سے ناواقفیت اتنی عام ہوگئی ہے کہ پہلے دین کی جو باتیں چھوٹے بچوں کو معلوم ہوتی تھیں آج بڑے بڑے پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ افراد کو معلوم نہیں ہیں۔ اور اگر ان کو بتایا جائے کہ یہ دین کی بات ہے تو اجنبیت اور حیرت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا یہ بھی دین کی بات ہے۔ ہمیں تو معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ بھی دین کا حصہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آج ہمارے اندر سے اپنی اصلاح کی فکر ختم ہوگئی ہے۔ قرآن کریم صاف صاف یہ کہہ رہا ہے کہ جب تک تم میں سے ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر اپنے دل میں پیدا نہیں کرے گا، یاد رکھو! معاشرے کی اصلاح کبھی نہیں ہوگی۔ چاہے اصلاح کی جتنی انجمنیں بنالو، جتنے ادارے قائم کرلو۔

آج کل ہماری حالت

مثلاً اب اگر میں جھنڈے لگا کر اور بینر لگا کر اصلاحِ معاشرہ کے نعرے لگاتا پھرتا ہوں لیکن خود میرا یہ حال ہے کہ جب رشوت لینے کا موقع آتا ہے تو کسی سے پیچھے نہیں رہتا۔ اور جب دوسرے کو

(۱) سنن الترمذی، کتاب الإیمان، باب ما جاء فیمن یموت وھو یشھد أن لا إله إلا الله، رقم ۲۵۶۲

دھوکہ دے کر اس سے پیسے بٹورنے کا موقع مل جائے تو اس سے نہیں چوکتا۔ اور سودی نظام کے خلاف نعرے لگانے میں پیش پیش ہوں لیکن جب سودی معاملہ کرنے کا وقت آتا ہے تو خاموشی سے وہ معاملہ کر لیتا ہوں۔ بتایئے! پھر معاشرے کی اصلاح کہاں سے ہو؟ ساری دنیا کو برا بھلا کہتا ہوں کہ آج لوگ جھوٹے ہو گئے ہیں، مکروفریب پھیل گیا ہے۔ دھوکہ بازی ہو گئی ہے۔ فسق وفجور کا بازار گرم ہے۔ لیکن جب جھوٹ بولنے کا موقع آجاتا ہے یا چھٹی بڑھانے کے لئے جھوٹا اور جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹ بنانے کا موقع آجاتا ہے تو کیا کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ لے رہا ہوں۔ یہ جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ بتایئے! جب یہ سارے برے کام نہیں چھوڑتا تو پھر میرے اصلاحِ معاشرہ کے نعرے لگانے سے، جلسے کرنے سے اور جلوس نکالنے سے کیا حاصل ہے؟ اسی طرح اگر میں دوسروں کو تو یہ طعنے دیتا ہوں کہ وہ دین سے دور چلے گئے ہیں اور دین کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہیں، لیکن میری کوئی مجلس غیبت سے خالی نہیں ہوتی، کبھی اس کی برائی کرتا ہوں، کبھی اس کی برائی کرتا ہوں، اور اس طرح قرآن کریم کے بتانے کے مطابق ہر وقت، ہر روز اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتا ہوں، بتایئے! پھر معاشرے کی اصلاح کہاں سے ہو؟

اصلاح کا طریقہ یہ ہے

معاشرے کی اصلاح تو اس وقت ہوگی جب یہ سوچوں گا کہ میں جھوٹ بولتا ہوں تو کس طرح میں جھوٹ بولنا چھوڑ دوں؟ میں دوسروں کی غیبت کرتا ہوں تو اس غیبت کو چھوڑ دوں۔ میں دھوکہ بازی کرتا ہوں تو اس کو چھوڑ دوں۔ اگر میں رشوت لیتا ہوں تو رشوت لینا چھوڑ دوں۔ اگر سود کھاتا ہوں تو اس کو چھوڑ دوں۔ اگر میں بے پردگی اور عریانی وفحاشی میں مبتلا ہوں تو اس کو ترک کر دوں۔ جب تک میرے اندر یہ فکر پیدا نہیں ہوگی، یاد رکھیں! اس وقت تک میں اصلاح کی یہ فکر دوسرے کے اندر منتقل نہیں کر سکتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمادیا:

﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ﴾ (۱)

اپنی جانوں کی فکر کرو، اگر دوسرے لوگ گمراہ ہو رہے ہیں تو ان کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی، بشرطیکہ تم راہِ راست پر ہو۔

حضور ﷺ نے کیسے تربیت کی؟

دیکھئے! حضورِ اقدس ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ نبوت کے بعد ۲۳ سال اس دنیا میں

(۱) المائدۃ: ۱۰۵

قیام فرمایا۔ ایسے وقت میں تشریف لائے جس وقت پورا جزیرہ عرب گمراہی اور جہالت کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُمید کی کوئی کرن نہیں نظر آرہی تھی۔ ہدایت کی کوئی روشنی موجود نہیں تھی۔ ایسے وقت میں آپ تن تنہا تشریف لائے، اور آپ کو حکم یہ دیا گیا کہ اس پورے معاشرے کو بدلنا ہے۔ اس کے اندر انقلاب لانا ہے۔ لیکن ۲۳ سال کے بعد جب اس دنیا سے واپس تشریف لے جاتے ہیں تو اس وقت جزیرہ عرب سے کفر اور شرک کا نام مٹ چکا تھا۔ اور وہی قوم جو ضلالت اور گمراہی اور جہالت کے اندر ڈوبی ہوئی تھی، ۲۳ سال کے بعد وہ قوم پوری دنیا کے لئے ایک مثال اور نمونہ بن کر اُبھرتی ہے۔ یہ انقلاب کیسے آیا؟

ان ۲۳ سال میں سے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزرے۔ ان ۱۳ سال میں نہ جہاد کا حکم ہے، نہ کوئی ریاست اور حکومت ہے اور نہ کوئی قانون ہے۔ بلکہ اس وقت حکم یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی مارے تو اس کا بدلہ بھی مت لو، بلکہ مار کھالو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾(۱)

ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں، حالانکہ اگر دوسرا شخص دس ہاتھ مار سکتا تھا تو ایک ہاتھ یہ بھی مار سکتے تھے۔ لیکن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جارہا ہے۔ اور سینے پر پتھر کی سلیں رکھی جارہی ہیں۔ اور یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کا انکار کرو۔ جس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر یہ ظلم کیا جارہا تھا تو اس کے جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک تھپڑ تو مار سکتے تھے۔ لیکن اس وقت حکم یہ تھا کہ مار کھائے جاؤ، تمہیں تلوار اُٹھانے کی یا ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کندن بن گئے

یہ سب کیوں تھا؟ اس لئے کہ ان کو آزمائش کی اس بھٹی سے گزار کر کندن بنانا مقصود تھا کہ مار کھائیں اور اس پر صبر کریں۔ کون انسان ایسا ہے جس کو دوسرا انسان مارے اور اس کو غصہ نہ آئے۔ لیکن حکم یہ دیا جارہا ہے کہ اس غصے کو دباؤ۔ اس لئے کہ جب اس غصے کو اللہ کے لئے دباؤ گے تو اپنی نفسانی خواہشات کو اللہ کے حکم کے آگے قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ لہٰذا مکی زندگی کے تیرہ سال اس طرح گزرے کہ اس میں حکم یہ تھا کہ دوسرے سے بدلہ لینے کے لئے ہاتھ مت اُٹھاؤ بلکہ عبادت میں لگے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اللہ کو یاد کرو، آخرت کا تصور کرو، جنت اور دوزخ کا تصور کرو اور اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کرو۔ جب تیرہ سال کے عرصے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اس صبر اور آزمائش سے گزر کر کندن بن کر تیار ہوگئی تو اس کے بعد مدینہ طیبہ کی زندگی کا آغاز

(۱) النحل: ۱۲۷، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "اور (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے"

ہوا۔ پھر آپ نے وہاں ایسی حکومت اور ایسا نظام قائم فرمایا کہ چشم فلک نے ایسا نظام نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا۔ اس لئے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر سے سرشار ہو کر اپنے آپ کو کندن بنا چکا تھا۔ لہٰذا پہلا کام یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اپنی اصلاح کے بعد جب انسان آگے دوسروں کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائے گا تو انشاء اللہ اس میں کامیاب ہوگا۔ چنانچہ صحابہ کرام ﷡ جس جگہ پر بھی پہنچے، فتح اور نصرت کو اللہ تعالیٰ نے ان کا مقدر بنا دیا۔ اس لئے کہ اپنی اصلاح حضور نبی کریم ﷺ سے کرا چکے تھے۔

آج ایسا لگتا ہے کہ اصلاح کی کوششیں بحیثیتِ مجموعی ناکام ہو رہی ہیں۔ اور معاشرے پر ان کا کوئی نمایاں اثر نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہو گئے ہیں۔ آج ہمارے اندر سے یہ فکر ختم ہوگئی کہ مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دینا ہے اور میرے اندر کیا کیا خرابیاں ہیں، میں ان کو کس طرح دور کروں؟

اپنا جائزہ لیں

میری آج کی گزارش کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص روزانہ یہ جائزہ لے کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کہاں کہاں میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہوں۔ اسلام پانچ قسم کے اعمال کا مجموعہ ہے۔

(۱) عقائد درست ہونے چاہئیں۔

(۲) عبادات یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ درست ہونے چاہئیں۔

(۳) معاملات یعنی خرید و فروخت حلال طریقے سے ہو، آمدنی حلال ہو، کوئی آمدنی حرام کی نہ ہو۔

(۴) معاشرت یعنی آپس میں رہنے سہنے کے آداب میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت اور ان کی پابندی کرے۔

(۵) اخلاق یعنی انسان کے اخلاق درست ہوں۔ برے اخلاق مثلاً بغض، تکبر، حسد، عناد وغیرہ انسان کے اندر نہ ہوں۔ اور اچھے اخلاق ہوں۔ مثلاً تواضع ہو، توکل ہو، شکر اور صبر ہو۔

ان پانچ شعبوں پر انسان عمل کرے تب انسان کا دین کامل ہوتا ہے۔ تب وہ شخص صحیح معنی میں مسلمان بنتا ہے۔ ہر شخص ان پانچ شعبوں کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لے۔ مثلاً میرے عقائد درست ہیں یا نہیں؟ میرے ذمے پانچ وقت کی نماز باجماعت فرض ہے۔ میں ان میں سے کتنی ادا کر لیتا ہوں اور کتنی نمازیں چھوڑتا ہوں؟ میری آمدنی حلال ہو رہی ہے یا حرام ہو رہی ہے؟ بازار میں جب میں معاملات کرتا ہوں تو وہ معاملات درست ہوتے ہیں یا نہیں؟ میرے اخلاق درست ہیں یا نہیں؟

دوسروں کے ساتھ میرا برتاؤ درست ہے یا نہیں؟ میں جھوٹ تو نہیں بولتا۔ میں غیبت تو نہیں کرتا۔ میں کسی کا دل تو نہیں دُکھاتا۔ میں کسی کو پریشان تو نہیں کرتا۔ اپنے اندر ان باتوں کا جائزہ لے۔ اور اگر کہیں کوئی برائی ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اگر بالکل نہیں چھوڑ سکتا تو اس کو کم کرنے کی کوشش کرے۔

مثلاً یہ دیکھے کہ میں دن میں کتنی مرتبہ جھوٹ بولتا ہوں۔ پھر دیکھے کہ ان میں سے کتنی مرتبہ جھوٹ بولنے کو میں فوراً چھوڑ سکتا ہوں ان کو فوراً چھوڑ دے۔ مجلس کے اندر کتنی مرتبہ میں غیبت کرتا ہوں۔ اس کو کس حد تک چھوڑ سکتا ہوں اس کو چھوڑ دے۔ اس طرح جائزہ لے کر گناہوں کو چھوڑنا شروع کر دے اور اپنی اصلاح کی فکر پیدا کر لے۔ اگر ایک مرتبہ اصلاح کی فکر کی شمع تمہارے دل میں روشن ہو گئی تو انشاء اللہ یہ شمع تمہاری زندگی کو منور کر دے گی۔ یہ مت سوچو کہ اگر ایک آدمی درست ہو گیا تو اس سے کیا اثر پڑے گا۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

یاد رکھئے! ''معاشرہ'' میرا اور تمہارا اور افراد کا نام ہے۔ اگر ایک آدمی کی اصلاح ہو گئی اور اس نے کچھ گناہ چھوڑ دیئے اور اللہ کے احکام کی اطاعت شروع کر دی تو کم از کم ایک چراغ تو جل گیا۔ چراغ چاہے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے ماحول کے اندر اندھیرے کو نہیں رہنے دیتا۔ بلکہ اپنے ماحول کو ضرور روشن کر دے گا۔ کیا بعید ہے کہ ایک جلتے ہوئے چراغ کو دیکھ کر دوسرا شخص اس سے اپنا چراغ جلا لے، دوسرے سے تیسرا چراغ جل جائے اور اس طرح پورا ماحول روشن اور منور ہو جائے۔ لیکن اگر آدمی یہ سوچتا رہے کہ میں اپنے چراغ کو تو ٹھنڈا رکھوں اور اس ٹھنڈے چراغ سے دوسرے لوگوں کے چراغ جلاؤں اور ان کو روشن کروں، یاد رکھئے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جو چراغ خود بجھا ہوا ہو وہ دوسرے چراغ روشن نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح اگر میں اپنی اصلاح کی فکر کئے بغیر دوسروں کی اصلاح کرنا شروع کر دوں تو یہ ایسا ہے جیسے میں اپنے ٹھنڈے چراغ سے دوسروں کے چراغ روشن کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور ایسا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنی اصلاح کی فکر ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے۔

یہ فکر کیسے پیدا ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کیسے پیدا ہو؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح اس وقت یہاں بیٹھ کر اپنی اصلاح کی فکر کی باتیں ہم نے کیں اور سنیں تو اس کے نتیجے میں ہمارے دلوں

میں اصلاح کی فکر کی تھوڑی بہت حرکت پیدا ہوئی۔ اب یہی تذکرہ بار بار سنا جائے اور مختلف مجلسوں میں سنا جائے تو بار بار سننے کے نتیجے میں یہ فکر انشاء اللہ ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے گی۔ دیکھئے! قرآن کریم میں "وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" (یعنی نماز قائم کرو) کے الفاظ باسٹھ مرتبہ آئے ہیں۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی یہ حکم دے دیتے کہ نماز قائم کرو تو وہ بھی کافی تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بار بار دہرایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب کوئی بات بار بار کہی جاتی ہے تو اس کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ وہ بات دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ صرف ایک مرتبہ سننے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس فکر کو پیدا کرنے کے لئے ایسی مجلسوں میں جانے کا اہتمام کریں جہاں اصلاح کا تذکرہ ہوتا ہو۔

دارالعلوم میں ہونے والی اصلاحی مجالس

آپ کے قریب دارالعلوم کراچی موجود ہے۔ جہاں ہفتہ وار تین مجلسیں ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم جو دارالعلوم کے صدر ہیں، ان کا بیان بدھ کے روز عصر سے مغرب تک ہوتا ہے۔ جس میں مردوں کے لئے بھی انتظام ہوتا ہے اور خواتین کے لئے بھی۔ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب مدظلہم (۱) جو دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث ہیں، ہمارے استاد اور بزرگ ہیں، ان کا بیان ہر اتوار کو عصر اور مغرب کے درمیان ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہم جو دارالعلوم کے استاد ہیں اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں، ان کا بیان ہر منگل کو عصر سے مغرب تک ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ہفتے میں تین مجلسیں دارالعلوم میں ہوتی ہیں۔ ان مجلسوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی اصلاح کی فکر پیدا کی جائے۔

دیکھئے! جلسے اور تقریریں تو بہت ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ان مجلسوں کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر اپنے آپ کو درست کرنے کی اور اصلاح کرنے کی فکر پیدا ہو۔ اگر ہفتے میں آپ عصر سے مغرب تک کا ایک گھنٹہ اس مقصد کے لئے فارغ کر لیں اور ان مجالس میں سے کسی ایک مجلس میں بھی شرکت فرما لیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دل میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو گی اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ غلطیاں اور کوتاہیاں کہاں کہاں ہو رہی ہیں۔ اس لئے کہ ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ غلطیاں کہاں کہاں ہو رہی ہیں۔ اور پھر ان غلطیوں کی اصلاح کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو اپنی اصلاح کی فکر عطا فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین ثم آمین

دلوں کی پاکی اور اس کے اثرات ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،
﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ٥ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ ٥ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ٥ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ ٥﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں ان کی تشریح پچھلے چند جمعوں سے بیان کی جارہی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ ان کے اخلاق پاکیزہ ہوں۔ قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ بیان فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں۔ اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ انسان کے جتنے اعمال و افعال ہیں، وہ سب اس کے اخلاق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر انسان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو وہ اچھے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے اور اگر وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ برے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے۔ اگر انسان کے اخلاق درست ہوجائیں تو اس کی ساری زندگی درست ہوجائے اور اگر اس کے اخلاق خراب ہوجائیں تو ساری زندگی خراب ہوجائے۔

دل کی اہمیت

اسی بات کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

((أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))(۲)

☆ اصلاحی خطبات (۱۵/۱۰۰ تا ۱۱۶)، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔

(۱) المؤمنون: ۱-۴، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے۔ جو اپنی نمازوں میں دل سے جھکنے والے ہیں، اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور جو زکوۃ پر عمل کرنے والے ہیں''

(۲) سنن البيهقي الكبرى، رقم: ۱۰۱۸۰ (۵/۲۶۵)، صحيح ابن حبان، رقم: ۲۹۷ (۱/۵۳۳)، الزواجر عن اقتراف الكبائر (۱/۱۹۸)، اتحاف الخيرة المهرة (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

’’جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، وہ لوتھڑا انسان کا دل ہے‘‘

مطلب یہ ہے کہ دل میں جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اگر وہ صحیح نہ ہوں تو انسان کی پوری زندگی خراب ہو جاتی ہے۔

فساد کی وجہ اخلاق کی خرابی ہے

ہمارے موجودہ حالات میں اور اس دور میں اس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ ہمیں اپنے اردگرد جو فساد پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اگر اس میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ یہ فساد درحقیقت اس بات پر مبنی ہے کہ آج اخلاق کے درست کرنے کا اہتمام نہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں جذبات صحیح پرورش پاتے، نیک خواہشات پیدا ہوتیں تو آج ہمیں اپنے گردوپیش میں اتنا بڑا فساد نظر نہ آتا، کوئی ظالم دوسرے پر ظلم اس لئے کرتا ہے کہ اس کے دل میں ایسے جذبات اور خواہشات پیدا ہورہی ہیں جو شیطانی جذبات اور شیطانی خواہشات ہیں، جو گندگیوں اور نجاستوں سے بھری ہوئی ہیں، کوئی آدمی عریانی اور فحاشی میں اس لئے مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں گندی خواہشات اور گندے جذبات پیدا ہورہے ہیں۔ اگر یہ گندے خیالات اور جذبات پیدا نہ ہوتے تو وہ فحاشی اور عریانی کے کام نہ کرتا۔ اسی چیز نے ہمارے معاشرے میں فساد پھیلایا ہوا ہے۔

اخلاق کی خرابی کے نتائج

خاص طور پر معاشرت کے ماحول میں اور معیشت کے ماحول میں اور سیاست کے ماحول میں ان اخلاق کی خرابی نے ہمیں اسفل السافلین میں پھینکا ہوا ہے۔ آج ہمارے ملک میں جو حالات چل رہے ہیں، اس میں ہر شخص یہ شکوہ کررہا ہے کہ رشوت کا بازار گرم ہے، کرپشن پھیلا ہوا ہے، حرام کھانے کے لئے لوگ منہ کھولے بیٹھے ہیں اور حرام مال کو شیرِ مادر سمجھ لیا گیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح شیر مادر حلال ہے، اسی طرح رشوت کا مال بھی حلال ہے، دھوکے کا مال بھی حلال ہے، جھوٹ کے ذریعہ آنے والا مال بھی حلال ہے، بلکہ بسا اوقات وہ لوگ جو اپنی ذاتی زندگی میں نمازیں پڑھتے ہیں، عبادتیں ادا کرتے ہیں، وعظ و تقریر بھی سنتے ہیں، لیکن جب وہ لوگ دنیا کے کاروبار میں داخل ہوتے ہیں اور روپے پیسے کے معاملات کرتے ہیں تو اس میں حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے۔ وہ یہ نہیں سوچتے

(بقیہ حاشیہ) بزوائد المسانيد العشرة (۱۳٤/۷)، مستخرج أبي عوانة، رقم: ٤٤٤٣ (۱۱/۱٤۳)، الزهد الكبير للبيهقي، رقم: ۸۷۲ (۲/۳۷۸)، الأربعون للنسوي، رقم: ۳۸ (۱/٦۳)

کہ پیسہ جو میں کمار ہا ہوں، یہ حلال کمار ہا ہوں یا حرام کمار ہا ہوں۔ یہ لقمہ جو میرے منہ میں جار ہا ہے، یہ حلال کا لقمہ ہے یا حرام کا لقمہ ہے۔ بلکہ آج پیسے حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں، جھوٹا سرٹیفکیٹ بنانے میں کوئی خوف نہیں، جھوٹی شہادت دینے میں کوئی عار نہیں۔ جب روپے پیسے کا معاملہ آجاتا ہے تو ساری دین داری اور سارا تقویٰ دھرا رہ جاتا ہے۔

روپیہ حاصل کرنے کی دوڑ

آج یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے جتنا روپیہ سمیٹا جائے سمیٹ لو، چاہے حلال طریقے سے ہو یا حرام طریقے سے ہو، بس پیسہ آنا چاہئے۔ اس کے لئے اگر رشوت لینی پڑے تو رشوت لو، اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دو، اس کے لئے اگر دھوکہ دینا پڑے تو دھوکہ دو، اگر جھوٹے کاغذات بنانے پڑیں تو جھوٹے کاغذات بناؤ، اگر جھوٹی گواہی دینی پڑے تو جھوٹی گواہی دو، جو کچھ کرنا پڑے، کر گزرو، لیکن پیسہ آنا چاہئے۔ آج ہمارے معاشرے میں جو فساد پھیلا ہوا ہے، وہ درحقیقت اس ذہنیت اور اس فکر کا نتیجہ ہے۔

اللہ اور رسول کی محبت کی کمی کا نتیجہ

اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور اپنے مسلمان بھائیوں کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی تو پھر دنیا کی محبت اور دنیا کے مال و دولت کی محبت دل پر غالب نہ ہوتی اور آدمی دنیا کے حصول کے لئے حلال وحرام کو ایک نہ کرتا۔

عراق پر امریکہ کا حملہ

آج پوری اُمتِ مسلمہ کے دل ان واقعات کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں جو ''عراق'' میں گزشتہ دنوں پیش آئے۔ سقوطِ بغداد کا المناک سانحہ جو پیش آیا، اس پر ہر مسلمان کا دل مرجھایا ہوا ہے۔ لوگ پریشان ہیں اور یہ پریشانی بھی بجا ہے، کیونکہ ایک مسلمان ملک پر ظلم اور تشدد کے ساتھ حملہ کیا گیا اور ساری دنیا تماشہ دیکھتی رہی اور کوئی مسلمان ملک اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس واقعہ کی وجہ سے پوری اُمتِ مسلمہ میں ایک بے چینی، ایک اضطراب، ایک صدمہ، ایک افسوس اور ایک رنج کی کیفیت ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد اور اس پر عمل چھوڑنے کا نتیجہ

لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالمِ اسباب بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر ہمارے اُوپر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور اس دنیا میں یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص جیسے اسباب اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسا نتیجہ عطا فرمائیں گے۔ صدیوں سے ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے ارشادات کو پسِ پشت ڈالا ہوا ہے۔ قرآن کریم کے ارشادات میں ایک اہم ارشاد یہ ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾(۱)

یعنی تم جتنی زیادہ سے زیادہ اپنی قوت بنا سکتے ہو اور قوت حاصل کر سکتے ہو، وہ قوت حاصل کرو۔ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے ذریعہ مسلمانوں کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ تم ایسی قوت حاصل کرو جس کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ کے دشمن پر اور اپنے دشمن پر رعب طاری کر سکو۔ اس حکم کا تقاضہ یہ تھا کہ پوری اُمتِ مسلمہ جہاں کہیں بھی ہو، اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کرے، اپنے دفاع کے لحاظ سے، ساز و سامان کے لحاظ سے اور معیشت کے لحاظ سے اپنے آپ کو مضبوط بنائے۔

مسلمان وسائل سے مالا مال ہیں

لیکن بحیثیتِ مجموعی اگر اُمتِ مسلمہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آئے گا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو مضبوط بنانے کے بجائے اپنی ساری لگام غیروں کے ہاتھ میں دی ہوئی ہے۔ آج مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تاریخ میں روئے زمین پر اتنی تعداد اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی، آج مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنے وسائل کبھی نہیں رہے، آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنی دولت کبھی ان کے پاس نہیں رہی، دنیا کے عظیم ترین وسائل پیداوار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خطے میں عطا فرمائے ہیں، تیل یہاں نکلتا ہے، گیس یہاں نکلتی ہے، سونا یہاں نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہترین انسانی صلاحیتیں یہاں عطا فرمائی ہیں اور سارے کرۂ زمین کا نقشہ اُٹھا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ پورے کرۂ زمین کا دل مسلمانوں کے پاس ہے۔

---

(۱) الانفال: ۶۰، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ”اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو، جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو“

ذاتی مفاد کو سامنے رکھنے کے نتائج

مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلسل اسلامی ملکوں کا سلسلہ ہے، گویا کہ ایک زنجیر ہے جس میں مسلمان پروئے ہوئے ہیں، درمیان میں صرف دو ملک حائل ہیں، ایک اسرائیل اور ایک بھارت۔ دنیا کی عظیم ترین شاہراہیں مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، نہر سوئز ان کے پاس ہے، آبنائے باسفورس ان کے پاس ہے، خلیج عدن ان کے پاس ہے، اگر مسلمان متحد ہو کر اپنی اس طاقت کو استعمال کریں تو غیر مسلموں کے ناک میں دم کر دیں، لیکن مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان تمام وسائل سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو سوچ رہا ہے۔ اس ذاتی مفاد کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ممالک جن کے اندر سونے کی ریل پیل ہے، جن کے یہاں تیل بے تحاشہ پیدا ہو رہا ہے، انہوں نے اپنی ساری زندگی کا دارومدار دوسرے ممالک سے درآمد کیے ہوئے سامان پر رکھا ہوا ہے، ان کے اپنے ملک میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی ان ممالک میں ایسے افراد تیار کیے جاتے ہیں جو اس دور کے لحاظ سے ساز و سامان تیار کر سکیں اور مناسب اسلحہ تیار کر سکیں۔

ہم لوگ خود غرضی میں مبتلا ہیں

یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ اس ساری دولت پر اور سارے وسائل پر خود غرضی کا شیطان مسلط ہے۔ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ مجھے پیسے ملنے چاہئیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں یا حرام طریقے سے ملیں، وقتی طور پر میں خوش ہو جاؤں، وقتی طور پر میرا کام بن جائے، وقتی طور پر مجھے راحت مل جائے، چاہے اس کی خاطر مجھے قوم اور ملک کو داؤ پر لگانا پڑ جائے، چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی پوری ملت کو بیچنا پڑ جائے، لیکن میں کسی طرح اپنا اُلو سیدھا کرلوں۔ یہ وہ ماحول ہے جس میں ہم اور آپ زندگی گزار رہے ہیں اور حکام سے لے کر عوام تک ہر شخص اس بیماری میں مبتلا ہے۔

ہمارے ملک میں کرپشن

آج ہر شخص کرپشن کا رونا رو رہا ہے، ہر شخص یہ کہتا ہے کہ حکومت کے کسی دفتر میں جاؤ تو اس وقت تک کام نہیں بنتا جب تک پیسے نہ کھلائے جائیں، دفتروں میں لوگ حرام کھانے کے لئے منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ یہ شکایت ہر شخص کر رہا ہے، لیکن جب اس کو موقع مل جائے تو وہ بھی اپنا منہ کھولے بغیر نہیں رہتا اور وہ اس سے زیادہ رشوت لے گا جتنی وہ دوسروں کے رشوت لینے کی شکایت کر رہا تھا، وہ دوسروں سے زیادہ کرپشن کا مظاہرہ کرے گا، جھوٹے سرٹیفکیٹ بنائے گا، جھوٹی شہادتیں دے گا، یہ

سب کام ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں ہو رہے ہیں۔

دنیا میں کامیابی کے لئے محنت شرط ہے

بے شک یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بنائی ہے، لیکن یہ دنیا اس لئے بنائی ہے کہ اس میں محنت اور جدوجہد کر کے حلال اور جائز طریقے سے کماؤ اور اس کے وسائل کو اپنی بہتری کے لئے اور اُمت کی بہتری کے لئے استعمال کرو، یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں بنائی تھی کہ ہر انسان دوسرے کو دھوکہ دے کر اور فریب دے کر دولت کمائے اور دوسروں پر ڈاکہ ڈالے اور اپنی تجوریاں بھرتا چلا جائے اور ملک وملت کو فراموش کر دے۔ آج مسلمانوں نے چونکہ یہ وطیرہ اختیار کیا ہوا ہے، اس لئے ان کی ہر جگہ پٹائی ہو رہی ہے۔ دشمن سے کیا شکوہ کریں، دشمن کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ ہمیں تباہ کرے، شکوہ اور گلہ تو اپنا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسا بنالیا ہے کہ دنیا کی جو قوم چاہے آ کر ہم پر ڈاکہ ڈالے اور خوشی کے تازیانے بجاتے ہوئے یہاں سے چلی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اصول

یاد رکھئے! یہ صورتِ حال اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے، قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾(۱)

''اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جو قوم خود اپنے آپ کو بدلنے کے لئے تیار نہ ہو''

یہ قرآن کریم کا ارشاد ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے فرمادیا تھا کہ اگر تم اپنے آپ کو نہیں بدل سکتے تو تمہاری حالت بھی نہیں بدلے گی۔ اگر تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پٹ رہے ہو تو پھر تمہاری پٹائی اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک تم اپنے کرتوت نہیں چھوڑو گے۔

ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوئیں؟

آج لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنی دعائیں کی گئیں، اللہ تعالیٰ سے اتنا مانگا گیا، لیکن ہماری دعائیں قبول نہیں ہوئیں، ہمیں فتح نہیں دی گئی اور دشمن کو فتح ہوگئی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہاں تک کہ لوگوں کے ایمان متزلزل ہو رہے ہیں، لوگوں کے دلوں میں یہ شکوک اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

(۱) الرعد: ۱۱

ہماری مدد کو کیوں نہیں آیا؟ ہماری مدد کیوں نہیں کی؟

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عالم اسباب بنائی ہے، جب تم اپنی حالت بدلنے کے لئے تیار نہیں ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہو، بلکہ جہاں تمہیں چار پیسے کا نفع مل رہا ہو، وہاں تم اللہ کو بھلا بیٹھتے ہو اور رسول کو بھی بھلا بیٹھتے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کیوں کریں گے؟ قرآن کریم فرمایا ہے:

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾(۱)

یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ دیا۔

ہم پورے دین پر عامل نہیں

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو کہاں بھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ نماز پڑھو، ہم نماز پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ جمعہ کی نماز کے لئے آؤ، ہم جمعہ کی نماز کے لئے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ رمضان میں روزے رکھو تو ہم روزے رکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم نے اللہ کو نہیں بھلایا۔

بات دراصل یہ ہے کہ لوگوں نے صرف نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کو دین سمجھ لیا ہے اور زکوٰۃ دینے اور حج کرنے اور عمرے کرنے کو دین سمجھ لیا ہے، حالانکہ دین کے بیشمار شعبے ہیں، اس میں معاملات بھی ہیں، اس میں معاشرت بھی ہے، اس میں اخلاق بھی ہیں، یہ سب دین کے شعبے ہیں، اب ہم نے نماز تو پڑھ لی اور روزہ بھی رکھ لیا، زکوٰۃ کا وقت آیا تو زکوٰۃ بھی دے دی، عمرے کر کے خوب سیر سپاٹے بھی کر لیے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنے مصالح کو قربان کرنے کا موقع آتا ہے تو وہاں پھسل جاتے ہیں اور تاویل شروع کر دیتے ہیں کہ آج کل سب لوگ ایسا کر رہے ہیں اور حالات ایسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلائے ہوئے ہیں، خاص طور سے اپنی معاشرت کی زندگی میں، اپنے معاملات کی زندگی میں، اخلاق کی زندگی میں اور سیاست کی زندگی میں اسلام کو اور اسلامی احکام کو فراموش کیا ہوا ہے۔

---

(۱) التوبة:٦٧

ہم دشمن کے محتاج بن کر رہ گئے ہیں

اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ اپنے لئے طاقت کو جمع کرو، لیکن ہم نے یہ طاقت جمع نہیں کی۔ اور پھر یہ طاقت کیسے حاصل ہوتی جبکہ ہمارے سارے وسائل رشوت کی نذر ہورہے ہیں، کرپشن کی نذر ہورہے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہر وقت اپنے دشمنوں کے سامنے بھیک کا پیالہ لیے کھڑے ہیں اور ان سے مانگتے ہیں کہ خدا کے لئے ہماری مدد کرو۔ اب اگر وہ دشمن ہماری پٹائی کرتا ہے یا ہم پر حکومت کرتا ہے تو پھر اس کا شکوہ کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ ہم نے خود اپنے آپ کو ان کا محتاج بنادیا ہے اور اپنے حالات ہم نے ایسے بنا رکھے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ہماری زندگی ان پر موقوف ہوگئی ہے، لہٰذا ان سے کیا شکوہ؟ شکوہ تو اپنا ہے کہ ہم نے خود اپنے کو ذلیل کیا۔ اگر آج بھی ہمارے پاکستان جیسے ملک کے وسائل ٹھیک ٹھیک دیانتداری اور امانت داری کے ساتھ استعمال ہوں اور ہم یہ تہیہ کرلیں کہ ہم اپنی چادر کی حد تک پاؤں پھیلائیں گے اور اپنے وسائل کے دائرے میں رہ کر کام کریں گے اور اپنے وسائل کا صحیح استعمال کریں گے تو پھر ہمیں بھیک کا پیالہ لے کر دوسروں کے پاس جانا نہیں پڑے گا اور ہم خود کفیل ہوجائیں گے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجائیں گے اور اپنی قوت مجتمع کریں گے، لیکن اس ملک میں رشوت اور کرپشن نے ہماری زندگی کو تباہ کیا ہوا ہے۔

اس واقعہ سے سبق لیجئے

بہر حال! یہ جو کچھ ہوا (کہ امریکہ نے عراق پر حملہ کرکے وہاں کی حکومت کو طاقت کے بل بوتے پر ختم کردیا اور خود قابض ہوگیا) اس پر صدمہ تو اپنی جگہ ہے، لیکن ہمیں اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے، وہ سبق یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ تہیہ کرلے کہ آج کے دن کے بعد کوئی حرام لقمہ ہمارے پیٹ میں نہیں جائے گا، کوئی حرام پیسہ ہمارے گھر میں نہیں آئے گا، رشوت کا پیسہ نہیں آئے گا، دھوکے کا پیسہ نہیں آئے گا، جھوٹ کا پیسہ نہیں آئے گا، سود کا پیسہ نہیں آئے گا، گھر میں جو پیسہ آئے گا وہ حلال کا اور محنت کا پیسہ آئے گا۔ میں آپ حضرات سے اللہ کے بھروسے پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس دن قوم نے یہ تہیہ کرلیا تو انشاء اللہ کوئی دشمن ان پر فتح یاب نہیں ہوسکے گا۔

معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے ہوتی ہے

لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ جب سارا معاشرہ ہی خراب ہے تو اگر ہم نے اپنے اندر کوئی تبدیلی کر بھی لی تو ہم اکیلے پورے معاشرے کو کیسے بدل سکتے ہیں؟ اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا، ہماری

تبدیلی سے معاشرے پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، اگر ہر آدمی یہی سوچتا رہے تو کبھی بھی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اصلاح اس طرح ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کو درست کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں کم از کم ایک برائی اس دنیا سے دور ہو جاتی ہے۔ جب ایک برائی دور ہوئی تو اُمید کا ایک چراغ جل گیا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب ایک چراغ جلتا ہے تو اس چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ماحول میں روشنی پیدا فرما دیتے ہیں۔

بہر حال! ایک طرف تو یہ ہو کہ ہر انسان اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور یہ تہیہ کرے کہ میں اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ نافرمانی جس نے سارے معاشرے میں فساد مچایا ہوا ہے، نہیں کروں گا یعنی کرپشن نہیں کروں گا اور کوئی حرام پیسہ میرے گھر میں نہیں آئے گا۔ اور دوسری طرف اس ملک کے وسائل صحیح طور پر استعمال ہونے لگیں تو اس ملک کو بھی ترقی حاصل ہوگی اور اس کے اندر قوت آئے گی اور جب قوت آجائے گی تو کسی دشمن کو جرأت نہیں ہوگی کہ وہ بری نظر اس پر ڈالے۔

امریکہ کی بزدلی

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اتنی بڑی سپر طاقت (امریکہ) جس کی طاقت اور قوت کا دنیا بھر میں ڈنکا بجا ہوا ہے، اس کو بھی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لئے نہتے مسلمان ہاتھ آئے۔ افغانستان جس کے پاس کوئی جنگی طیارہ نہیں تھا، نہ اس کے پاس جدید اسلحہ تھا، نہ اس کے پاس کوئی منظم فوج تھی، یا وہ ملک (عراق) جس پر سالہا سال سے پابندیاں عائد تھیں، جو دوا کی ایک پڑیا بھی باہر سے نہیں منگوا سکتا تھا اور جس کے طیاروں کو اُڑنے سے روکا ہوا تھا ان کے اوپر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا، اور پھر امریکہ نے اکیلے حملہ نہیں کیا بلکہ برطانیہ اور دوسرے اتحادی ملکوں کی فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ جب تک سوویت یونین (روس) موجود تھا، اس وقت تک اس کو کسی ملک پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، لیکن جب اس کا مدِ مقابل ختم ہو گیا اور نہتے مسلمان ہاتھ آگئے تو ان نہتوں پر حملہ کرنے اور ان پر اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

ایسے حملے کب تک ہوں گے؟

لہٰذا جب تک اُمتِ مسلمہ اپنے آپ کو ایسا مدِ مقابل نہیں بنائیں گے کہ دشمن جب اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر جھرجھری آجائے، اس وقت تک یہ ہوتا رہے گا کہ کل افغانستان پر حملہ کیا

اور آج عراق پر حملہ کر دیا اور آئندہ کل کسی اور مسلم ملک پر حملہ کر دے گا۔ لیکن اگر اُمتِ مسلمہ قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کر لے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾(۱)

یعنی جو قوت تم تیار کر سکتے ہو وہ قوت تیار کرو۔ تو پھر انشاء اللہ دشمن ہمارے اُوپر بری نگاہ ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کر سکے گا۔ البتہ یہ قوت اس کرپشن کے ماحول میں تیار نہیں ہو سکتی۔ یہ قوت اس وقت تیار ہو گی جب ہم اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں گے اور اس کرپشن کو ختم کریں گے۔

دلوں کو ان بیماریوں سے پاک کر لو

اور یہ ساری خرابی اس لئے پیدا ہو رہی ہے کہ ہمارے دلوں میں مال کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، دل میں دنیاوی عیش وعشرت کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، دل میں خودغرضی اور مفاد پرستی کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، اس محبت نے ہمیں تباہ کیا ہوا ہے۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ﴾

یعنی فلاح پانے والے مؤمنین اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک صاف بنانے والے ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک صاف بنا لو گے تو تم فلاح پا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

---

(۱) الانفال: ۶۰

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مراقبہ کیجئے ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ!

پچھلے کئی روز سے حضرت والا کے ایک ملفوظ کا بیان چل رہا ہے، جس کا موضوع یہ ہے کہ دین پر چلنے کا جب کوئی شخص ارادہ کرے تو اس کے لئے اس کو کچھ محنت کرنی پڑتی ہے، اس "محنت" کو حضرات صوفیاء کرام "مجاہدہ" اور "ریاضت" کہتے ہیں، لیکن ان تمام مجاہدات اور ریاضتوں کا جو اصل مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں سما جائے۔ جب یہ تعلق قائم اور مضبوط ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں سما جاتی ہے تو پھر دین کے تمام احکام پر عمل آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ "محبت" کے نتیجے میں مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتے ہیں، لہٰذا اصل چیز یہ ہے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت مطلوب درجے میں پیدا ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس مطلوب درجے میں تعلق قائم ہو جائے۔ جب یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو باقی سارے کام خود بخود ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت والا فرما رہے ہیں کہ ویسے تو محبت غیر اختیاری چیز ہے، کسی سے محبت ہے، کسی سے محبت نہیں ہے، یا ایک سے محبت زیادہ ہے، اور دوسرے سے محبت کم ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے درمیان ہر طرح سے مثالی مساوات قائم فرمائی، اور ہر ایک کے ساتھ برابری کا سلوک فرمایا، لیکن اس سب کے باوجود آپ نے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ، وَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا لَا أَمْلِكُ))(۱)

☆ اصلاحی مجالس (۶/۱۳۲ تا ۱۵۳)، بعد از نماز ظہر، رمضان المبارک، جامع مسجد دار العلوم، کراچی

(۱) سنن الترمذی، کتاب النکاح عن رسول اللہ، باب ما جاء فی التسویة بین الضرائر، رقم: ۱۰۵۹، سنن النسائی، کتاب عشرة النساء، باب میل الرجل الی بعض نسائه، رقم: ۳۸۸۲، سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، رقم: ۱۸۲۲، سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب القسمة بین النساء، رقم: ۱۹۶۱، مسند أحمد، رقم: ۲۳۹۵۹، سنن الدارمی، کتاب النکاح، باب فی قسمه بین النساء، رقم: ۲۱۱۰

اے اللہ! جو میں نے تقسیم کیا ہے وہ اپنے اختیاری معاملات میں تقسیم کیا ہے کہ جتنے پیسے ایک بیوی کو دیئے، اتنے ہی پیسے دوسری بیویوں کو دیئے، جیسا کھانا ایک بیوی کو دیا، ویسا ہی کھانا دوسری بیویوں کو دیا، جیسے کپڑے ایک بیوی کو دیئے، ویسے ہی کپڑے دوسری بیویوں کو دیئے، جیسا برتاؤ ایک بیوی کے ساتھ کیا، ویسا ہی برتاؤ دوسری بیویوں کے ساتھ کیا، لہٰذا اختیاری معاملات میں تو میں نے عدل اور مساوات کی کوشش کر لی، لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جو میرے اختیار میں نہیں ہیں، اے اللہ! ان غیر اختیاری چیزوں پر مجھ سے مؤاخذہ مت فرمائیے گا۔

محبت اختیار میں نہیں

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا چیز آپ کے اختیار میں نہیں تھی؟ حضرات علماء کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ وہ "محبت" ہے کہ یہ اختیار میں نہیں کہ تمام ازواجِ مطہرات سے محبت بھی برابر ہو، بلکہ محبت کسی سے زیادہ ہے، اور کسی سے کم ہے۔ یہ چیز انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ انسان وہ پیمانہ کہاں سے لائے، جس سے وہ یہ ناپے کہ میں جتنی محبت اس سے کرتا ہوں، دوسرے سے بھی اتنی محبت کروں۔ اس سے معلوم ہوا کہ "محبت" انسان کے اختیار میں نہیں، اور جب اختیار میں نہیں تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ محبت کس طرح قائم ہو؟ اس کے جواب میں حضرت والا فرمارہے ہیں کہ اگرچہ "محبت" اختیار میں نہیں، لیکن اس کے "اسباب" اختیار میں ہیں، جب ان اسباب کو اختیار کرو گے تو وہ "محبت" دل میں پیدا ہوگی۔ اس ملفوظ میں حضرت والا ان "اسباب" کو بیان فرمارہے ہیں، ان میں سے پہلا سبب یہ بیان فرمایا کہ "کثرتِ ذکر اللہ"، جتنا انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوگی، اور "کثرتِ ذکر اللہ" کے کچھ طریقے میں نے بتائے تھے کہ ادعیہ ماثورہ کا اہتمام کرے، اور دعا کی کثرت کرے، اور ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے، اور تھوڑا سا وقت مخصوص کر کے اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام کرے، ان سب کا بیان تفصیل سے ہوگیا۔

اللہ کے انعامات اور اپنے اعمال کو سوچنا

آگے حضرت والا "محبت" پیدا ہونے کا دوسرا "سبب" بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اور اپنے برتاؤ کو سوچنا"

اس میں حضرت والا نے دو چیزیں بیان فرمائیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچنا، دوسری یہ کہ پھر اپنے برتاؤ کو سوچنا، ان دونوں چیزوں کو سوچنا اللہ تعالیٰ کی "محبت" پیدا کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ

سے تعلق مضبوط کرنے کے لئے بڑا اکسیر ہے۔ ہر وقت ہم پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں مبذول ہیں، ہر وقت نعمتوں کی جو بارش برس رہی ہے، اس کا دھیان کرو، اس کو سوچو، ان نعمتوں کا ''مراقبہ'' کرو، ''مراقبہ'' اور ''دھیان'' کرنے سے سمجھ میں آئے گا، اس کے بغیر سمجھ میں بھی نہیں آئے گا۔

نعمتوں کا مراقبہ اور دھیان کیجئے

انسان صبح سے شام تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہا ہے، ہر ہر فرد بشر پر ہر آن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے، لیکن اس طرف دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی کوئی نعمت ہے جو ہمیں حاصل ہے، اس کے نتیجے میں انسان غفلت کا شکار رہتا ہے، لیکن جب انسان اہتمام اور دھیان کے ساتھ ان نعمتوں کی طرف توجہ کرتا ہے تو پھر ان نعمتوں کا استحضار ہو جاتا ہے، اور ان کی طرف نگاہ جانے لگتی ہے، اور اس بات کا احساس ہونے لگتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، جو مجھے ہر وقت ہر آن حاصل ہیں۔

اللہ والوں کی صحبت سے دھیان حاصل ہوتا ہے

یہ دھیان، احساس اور استحضار اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھتا ہے، جب تک اللہ والے کی صحبت نصیب نہیں تھی تو غفلت میں وقت گزر رہا تھا، اس وقت اس طرف دھیان ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں میری طرف مبذول ہیں، بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت کو لے کر روتا ہی رہتا تھا۔ ذرا سی کوئی تکلیف آ گئی، ذرا سی پریشانی آ گئی تو بس اسی کو لیے بیٹھا ہے، اس کو لے کر رو رہا ہے۔ لیکن جب اللہ جل شانہ کسی اللہ والے کے ساتھ تعلق قائم فرما دیتے ہیں، اور انسان کسی اللہ والے کا دامن پکڑ لیتا ہے تو پھر یہ فہم اور سمجھ آتی ہے کہ ارے تو کس ذرا سی مصیبت کو لے کر بیٹھا تھا، تیرے اُوپر تو صبح سے لے کر شام تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش برس رہی ہے۔

قرآن کریم میں تدبر اور تفکر کی دعوت

اور قرآن کریم بھی تمہیں یہی دعوت دے رہا ہے کہ ذرا سوچا کرو، ذرا غور و فکر کیا کرو، جگہ جگہ قرآن کریم میں تدبر اور تفکر کا حکم دیا گیا ہے، اب لوگ اس تدبر اور تفکر کا غلط مطلب سمجھ بیٹھے، چنانچہ آج کل لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم بار بار تدبر اور تفکر کی دعوت دے رہا ہے، اس کا مطلب یہ کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں خوب ترقی کرو یہ مطلب درست نہیں۔ ویسے تو سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی

کرنا کوئی بری بات نہیں، بلکہ جائز اور مستحب ہے، اور بعض حالات میں واجب ہے۔ لیکن قرآن کریم نے جس تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں، بلکہ قرآن کریم کے تدبر اور تفکر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی نعمتوں کا، اور اس کی تخلیق کی حکمتوں کا، اور اس کی قدرتِ کاملہ کا، اور اس کی حکمتِ بالغہ کا انسان دھیان کرے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے، اور یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾(۱)

"ان آسمانوں کی تخلیق میں، اور زمینوں کی تخلیق میں، اور دن رات کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، (عقل والے کون لوگ ہیں؟ اس کی تفصیل آگے اللہ تعالیٰ نے خود فرمادی کہ عقل والے وہ لوگ ہیں) جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہونے کی حالت میں، اور بیٹھنے کی حالت میں، اور لیٹنے کی حالت میں، اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! (آپ نے یہ آسمان، زمین، یہ ستارے اور کائنات کی) تمام اشیاء بے فائدہ پیدا نہیں کیں (بلکہ ہمارے فائدے کے لئے اور ہماری مصلحت کے لئے پیدا فرمائی ہیں)"(۲)

ان میں سے ہر چیز ہمارے لئے ایک نعمت ہے، اے اللہ! جب آپ نے اس دنیا میں ہمیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو اے پروردگار! ہمیں اپنی رحمت سے جہنم کے عذاب سے بھی نجات عطا فرما۔ حضور اقدس ﷺ تہجد کے وقت یہ آیات تلاوت کیا کرتے تھے۔

یہ زمین میرے لئے، یہ آسمان میرے لئے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایک نظم ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ

(۱) آل عمران: ۱۹۰

(۲) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب ماجاء فی تخلیق السموات والأرض وغیرها، رقم: ٦٨٩٨، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب الدعاء فی صلاة اللیل وقیامه، رقم: ۱۲۸۰، سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب فی صلاة اللیل، رقم: ۱۱٤۸، مسند أحمد، رقم: ۲۳۸۵

یہ زمیں میرے لئے، یہ آسماں میرے لئے
چل رہا ہے دیر سے یہ کارواں میرے لئے

یہ سب کارواں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پیدا فرمایا ہے، یعنی میری مصلحت کے لئے، میرے فائدے کے لئے۔ اگر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ سورج تمہاری خدمت کر رہا ہے، یہ چاند تمہاری خدمت کر رہا ہے، یہ ستارے تمہاری خدمت کر رہے ہیں، یہ ہوائیں تمہاری خدمت کر رہی ہیں، یہ سمندر، یہ دریا، یہ پہاڑ، یہ جنگل، غرض ہر چیز تمہارے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْأَرْضِ جَمِيْعًا﴾(۱)

"جو کچھ اس نے زمین میں پیدا کیا ہے، وہ تمہارے لئے پیدا کیا ہے"

یہ سورج میرے لئے ہے

روزانہ صبح کے وقت سورج نکلتا ہے، اور اپنی کرنیں پھیلاتا ہے، اور دھوپ ڈالتا ہے، اور شام کو غروب ہوتا ہے، یہ سب کیوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! یہ سورج جو اتنی بڑی مخلوق ہے، یہ میں نے تیرے لئے پیدا کی ہے، تاکہ تجھے روشنی حاصل ہو، تجھے گرمی حاصل ہو، اور اس کی روشنی میں تو اپنی زندگی کے مقاصد پورے کرے، اور اس سورج کو اتنے فاصلے پر رکھا کہ اس کا فائدہ تو تمہیں حاصل ہو جائے، لیکن اس کے نقصان سے تم محفوظ رہو۔ پھر اس سورج کی کرنوں میں مفید اجزاء بھی ہیں، اور مضر اجزاء بھی ہیں، اب مضر اجزاء سے انسان کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے ارد گرد ایک "چھلنی" لگا دی ہے، جس کو آج کل "اوزون" (Ozone) کہا جاتا ہے۔ یہ چھلنی بڑی مہین اور لطیف ہے، اس چھلنی سے سورج کی کرنیں چھن کر اس کے صرف مفید اجزاء انسان تک پہنچتے ہیں، اور مضر اجزاء روک دیئے جاتے ہیں۔ آج کے دور میں مدتوں کے بعد، صدیوں کے بعد یہ "اوزون" دریافت ہوا، ورنہ انسان کو پتہ بھی نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت ہی وہ چھلنی لگا دی تھی، ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے فائدے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کیا کچھ نظام مقرر فرما رکھا ہے، ایک ایک چیز کی ماہیت اور حقیقت پر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ صرف ایک چیز کے اندر اللہ تعالیٰ کی لاکھوں نعمتیں موجود ہیں۔

اپنے جسم کے اندر غور کیجئے

یہ تو "آفاق" کی باتیں ہیں، ارے تم جسم پر غور کر لو، سر سے لے کر پاؤں تک، اور بال سے

(۱) البقرة: ۲۹

لے کر ناخن تک، تمہارے جسم کا ایک ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، اس کی حکمتِ بالغہ، اس کی رحمتِ واسعہ کا کرشمہ ہے، تمہیں تو پتہ بھی نہیں کہ تمہارے جسم میں کیا ہو رہا ہے، آج تک تم اپنے جسم کو بھی پوری طرح دریافت نہیں کر سکے، تمہارے جسم کا کون سا حصہ کیا عمل کر رہا ہے؟ جب سے انسان نے سوچنا شروع کیا، اس وقت سے لے کر آج تک اپنے وجود کی تحقیق میں مصروف ہے، چنانچہ طب اور میڈیکل سائنس کا ایک شعبہ اسی تحقیق میں مصروف ہے کہ اس چھ فٹ کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے کیا کارخانہ لگا رکھا ہے، لیکن آج تک یہ کارخانہ کلی طور پر دریافت نہیں ہو سکا، اور جو کچھ دریافت ہوا، اس سے پتہ چلا کہ یہ عجیب وغریب کارخانہ ہے، دنیا کا کوئی کارخانہ، کوئی فیکٹری، کوئی مِل ایسی عجیب و غریب نہیں ہے، جیسے انسان کے جسم کی فیکٹری ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، انسان اس فیکٹری کو اِدھر سے اُدھر لئے پھر رہا ہے، اس کو استعمال کر رہا ہے، اس کے ایک ایک عضو سے فائدہ اُٹھا رہا ہے، لیکن خود اس کو پتہ نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

بھوک کب لگتی ہے؟

انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے، پھر بھوک مٹانے کے لئے کھانا کھا رہا ہے، ذائقہ اور لذت حاصل کرنے کے لئے کھانا کھا رہا ہے، اس بیوقوف کو یہ پتہ نہیں کہ اس وقت اس سرکاری مشین کو تیل کی ضرورت ہے، اس کو ایندھن کی ضرورت ہے، یہ تیل کب ختم ہو رہا ہے، اور کتنا باقی ہے، اس کو جاننے کے لئے کوئی میٹر تو لگا ہوا نہیں ہے، گاڑی کے اندر تو تم نے میٹر لگا دیا ہے، جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ اب اس گاڑی کا پیٹرول ختم ہونے والا ہے، اس لئے اس میں پیٹرول ڈلوا دو۔ اس جسم کے اندر اللہ تعالیٰ نے اتنا مزیدار میٹر لگا دیا ہے کہ جب اس جسم کو ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کو بھوک لگ جاتی ہے، خود بخود کھانا کھانے کو دل چاہتا ہے۔ یہ بیوقوف انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ میں بھوک مٹانے کے لئے کھانا کھا رہا ہوں، اور لذت حاصل کرنے کے لئے کھانا کھا رہا ہوں۔

''ذائقہ'' ایک عظیم نعمت

پھر اللہ تعالیٰ نے اس منہ کے اندر ایک ذائقہ رکھ دیا، تاکہ اس ذائقے کو حاصل کرنے کے لئے خود انسان کھانے کی طرف مائل ہو، اور اس ذائقے کی تسکین کے لئے کھانا کھائے۔ اب یہ انسان سمجھ رہا ہے کہ میں ذائقے کی تسکین کے لئے کھانا کھا رہا ہوں، لیکن حقیقت میں اس کے جسم کو ''غذا'' کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ ذائقہ تمہاری چھوٹی سی زبان میں رکھ دیا، اگر یہ مزیدار کھانا تم ناک میں رکھ لو، یا جسم کے کسی اور حصہ میں لگاؤ تو کیا کوئی ذائقہ محسوس ہوگا؟ کیا یہ پتہ چلے گا کہ یہ کھٹا ہے یا میٹھا

ہے؟ کچھ بھی نہیں، لیکن اس چھوٹی سی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لعاب پیدا فرما دیئے کہ اس لعاب کے نتیجے میں ذائقہ معلوم ہوتا ہے، اور کھانے میں مزہ آتا ہے، اگر وہ ذائقہ خراب ہو جائے تو اچھی خاصی میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔

اگر یہ ''ذائقہ'' خراب ہو جائے تو

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مجھے شاید نزلہ ہو گیا تھا، اس کے نتیجے میں ذائقہ بالکل رخصت ہو گیا، چنانچہ میں ایک جگہ دعوت میں گیا، کسی نے مجھے مرچوں والا قیمہ لا کر دیا، اور اس کے بعد میٹھی کھیر لا کر دی۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ قیمہ کھانے میں اور کھیر کھانے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا تھا، نہ مرچیں محسوس ہوئیں، اور نہ مٹھاس محسوس ہوئی، بس ویسے ہی حلق سے اُتار لیا۔ عام حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس زبان کے اندر ایسا ذائقہ رکھ دیا کہ کھانے میں لذت آرہی ہے، مزہ آرہا ہے، اسی ذائقے کے حصول کی خاطر انسان متنوع اور مختلف قسم کی اشیاء بنا رہا ہے، ایک بڑی مخلوق صرف تمہارے اس ذائقے کی تسکین کے لئے لگی ہوئی ہے، اور اشیاء میں چٹخارہ پیدا کرنے کے لئے لگی ہوئی ہے۔ اب آدمی تو یہ سمجھ رہا ہے کہ میں چٹخارے کی تسکین کر رہا ہوں، حقیقت میں اس کے نتیجے میں اس کے بدن کو غذا مل رہی ہے، اس کے بدن کو ایندھن مل رہا ہے۔

''معدہ'' میں خودکار مشین لگی ہوئی ہے

اور پھر تم نے تو ذائقہ حاصل کرنے کی خاطر ہر چیز کو منہ میں ڈال کر اس کو حلق سے اُتار لیا، افطار کے وقت دیکھیں کہ آپ کیا کرتے ہیں، ابھی میٹھی چیز کھائی، ابھی کھٹی چیز کھائی، اب پھلکیاں کھالیں، اب پکوڑے کھالیے، اب کھجور کھالی، سب کچھ اندر بھر لیا، اس کی کوئی فکر نہیں کی کہ اندر کیا ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم کے اندر ایک کارخانہ لگا دیا ہے، جو ہر ہر چیز کو الگ کر رہا ہے، اور چھانٹی کر رہا ہے۔ یہ میرا بندہ اپنے ذائقے کے حصول کے لئے سب کچھ کھا گیا ہے، اس لئے ہم نے اندر ایک خودکار مشین لگا دی ہے، جو ہر چیز کو الگ کر رہی ہے۔ جس چیز سے خون بننا چاہئے، اس سے خون بن رہا ہے، جس چیز سے جسم کو توانائی ملنی چاہئے، اس سے توانائی مل رہی ہے، جو فضلہ اور بیکار ہے، وہ خارج ہو رہا ہے، ایک طرف سے غذا آرہی ہے، اور دوسری طرف سے خارج ہو رہی ہے، ایک مکمل نظام قائم ہے، جو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔

بغیر طلب کے یہ سب کچھ دے دیا

اگر اس نظام کی ایک کل ذرا سی ڈھیلی ہو جائے تو آدمی بے چین اور پریشان ہو جاتا ہے، اس کی حالت خراب ہو جاتی ہے، اور اب ڈاکٹروں کے پیچھے پھر رہا ہے۔ کیا تم نے اللہ میاں سے کہا تھا کہ ہم کھانا کھائیں گے تو اس کھانے کے نظام کو ٹھیک کر دیجئے گا؟ ہمارے جسم کے اندر ایسا جگر بنا دیجئے گا، ایسا گردہ اور ایسا معدہ بنا دیجئے گا، کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کے بنانے کی فرمائش کی تھی؟ نہیں، بلکہ اسی نے محض اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے یہ سارا کارخانہ تمہارے لئے بنا دیا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

ما نبودیم و تقاضہ ما نبود   لطف او ناگفتۂ ما می شنود

یعنی نہ ہم موجود تھے، اور نہ ہماری طرف سے کوئی فرمائش اور تقاضا تھا، اسی کے کرم نے ہماری وہ بات سن لی جو ہم نے کہی نہیں تھی۔ ہماری نہ کہی ہوئی بات سن کر ہمارے لئے یہ کارخانہ بنا دیا۔

”آنکھیں“ عظیم نعمت ہیں

یہ ایسا عجیب وغریب کارخانہ ہے کہ دنیا کا کوئی کارخانہ اس کی نظیر نہیں ہے، نہ اس کی نظیر مل سکتی ہے، اگر کوئی انسان یہ کارخانہ بنانا چاہے تو اربوں کھربوں میں بھی یہ کارخانہ نہیں بن سکتا۔ اب جو صاحبِ نظر ہے وہ ان نعمتوں کو دیکھتا ہے، ان کا استحضار کرتا ہے، ان کے بارے میں وہ سوچتا ہے کہ یا اللہ! آپ نے ہمیں یہ آنکھ عطا فرمائی ہے کہ جب سے ہم پیدا ہوئے ہیں، اس وقت سے لے کر آج تک حسین مناظر اس آنکھ سے دیکھ رہے ہیں، اور اس آنکھ سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں، کبھی تمہارے ذہن میں اس کے نعمت ہونے کا خیال آیا؟ کبھی تم نے اس نعمت کا شکر ادا کیا؟ اور یہ کہا: یا اللہ! آپ نے یہ آنکھ دی، اس میں بینائی اور روشنی عطا کی، ہم نے شکر نہیں ادا کیا، بلکہ غفلت کے عالم میں اس عظیم نعمت کو استعمال کر رہے ہیں، بے پروائی کے عالم میں اس کو استعمال کر رہے ہیں۔ ہاں! خدا نہ کرے کبھی یہ بینائی چلی جائے، یا اس میں کمی واقع ہو جائے، تب پتہ چلے گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی جو ہم سے چھن گئی، لیکن اس وقت لاپروائی سے استعمال کر رہے ہیں، پھر اس کے استعمال میں حلال وحرام سب ایک کر رکھا ہے۔ لہٰذا کبھی سوچا کرو کہ یہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے، کیا ہمارے بس میں تھا کہ ایسی بینائی والی چیز کسی طرح حاصل کر لیتے؟ جب چلی جاتی ہے تو لاکھوں کروڑوں خرچ کرنے کے بعد بھی واپس نہیں آتی، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لئے دو پہرے دار بٹھا دیئے، یہ دو پلکیں پہرے دار ہیں، جب کوئی چیز آنکھ کی طرف آتی ہے تو یہ پلکیں اس کو روک لیتی ہیں، تاکہ براہِ راست آنکھ پر ضرب نہ

لگے، اس لئے کہ یہ آنکھیں اتنی نازک ہیں کہ اگر ذرا سی بھی کوئی چیز لگ جائے گی تو خراب ہو جائیں گی، ایسی نعمت کے بارے میں بیٹھ کر غور کیا کرو، سوچا کرو، اور اس پر شکر ادا کیا کرو۔

''کان'' اور ''زبان'' عظیم نعمتیں ہیں

یہ کان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، ان لوگوں سے اس کی قدر پوچھو جو سننے کی قوت سے محروم ہیں، یہ زبان اور قوتِ گویائی عطا فرمائی، اپنے دل کی بات کہنے کا ذریعہ عطا فرمایا، ورنہ تمہارے دل میں جذبات اُمڈتے رہتے، اور زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے۔ اس کی قدر ان لوگوں سے پوچھو جن کی زبان پر فالج گر جاتا ہے، وہ لوگ کوئی بات کہنا چاہتے ہیں، اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، لیکن اظہار نہیں کر پاتے۔ آپ کو یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے مفت میں عطا فرما رکھی ہے۔ بہر حال! سر سے لے کر پاؤں تک اپنے وجود ہی میں غور کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔

رات کو سونے سے پہلے یہ عمل کر لو

ان نعمتوں کا مراقبہ کیا کرو، اس مراقبہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس ذات نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اس کی محبت دل میں پیدا ہوگی۔ اس مراقبہ کا بہترین طریقہ جو حضرت والا نے بیان فرمایا، یہ ہے کہ رات کو سونے سے پہلے پانچ دس منٹ اس مراقبہ کے لئے مختص کر لو، اور اس مراقبہ میں ان نعمتوں کا دھیان کرو جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوئی ہیں۔ ایک ایک نعمت کا دھیان کر کے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے جاؤ، اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے آنکھیں عطا فرمائی ہیں، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے میری آنکھ میں صحت اور بینائی عطا فرمائی ہے، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے مجھے کان عطا فرمائے ہیں، اور اس میں شنوائی کی طاقت عطا فرمائی، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے زبان عطا فرمائی، اور اس میں گویائی کی طاقت عطا فرمائی، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے مجھے یہ دانت عطا فرمائے، جو صحیح سالم ہیں، اور یہ کھانے کا کام دے رہے ہیں، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے مجھے یہ ہاتھ عطا فرمائے ہیں، جن کے ذریعے میں اپنے کام انجام دیتا ہوں، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے مجھے پاؤں عطا فرمائے، ان میں چلنے کی طاقت عطا فرمائی، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اس طرح ایک ایک عضو کا تصور کر کے اور ان کے اندر جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں، ان کا تصور کرو، اور پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

گردوپیش کی نعمتوں پر شکر

پھر اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالو اور یہ کہو کہ اے اللہ! آپ نے مجھے گھر عطا فرمایا، جو عافیت کا گھر ہے، اور نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو گھر کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے آرام دہ بستر عطا فرمایا، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اے اللہ! آپ نے مجھے بیوی بچے عطا فرمائے جو محبت کرنے والے ہیں، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، ایک ایک چیز کی طرف دھیان لے جاؤ، اور پھر ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

پریشانی کے وقت نعمتوں کا استحضار

انسان پر کوئی نہ کوئی تکلیف اور پریشانی بعض اوقات آجاتی ہے، لیکن انسان کا کام یہ نہیں کہ ان پریشانیوں کو لے کر بیٹھ جائے، اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جائے، بلکہ عین پریشانی اور عین تکلیف کے وقت بھی اگر غور کرو گے تو اس وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس مصیبت اور تکلیف کے مقابلے میں ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ نظر آئیں گی، مگر چونکہ انسان بے صبرا ہے، جب کوئی تکلیف آتی ہے تو اسی کو لے کر بیٹھ جاتا ہے، اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاذ تھے، حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو ''میاں صاحب'' کے نام سے مشہور تھے، بڑے عجیب بزرگ تھے، اور پیدائشی ولی تھے، میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، میرے دادا فرمایا کرتے تھے کہ یہ پیدائشی ولی ہیں، اس لئے کہ یہ بچپن سے میرے پاس پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے، اس وقت سے لے کر آج تک کبھی انہوں نے جھوٹ نہیں بولا۔ جب میں بچوں کو پڑھا رہا ہوتا، کوئی بچہ کوئی شرارت کر لیتا تو میں ڈانٹ کر پوچھتا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ سب بچے خاموش دم بخود ہو جاتے، لیکن یہ کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ استاد جی! مجھ سے یہ غلطی ہو گئی، اس وقت بھی کبھی ان کی زبان پر جھوٹ نہیں آیا۔

بیماری میں شکر کا انداز

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے اطلاع ملی کہ وہ بیمار ہیں، میں ان کی عیادت کے لئے گیا، جا کر دیکھا تو شدید بخار کے اندر تپ رہے ہیں، شدید بے چینی کے اندر ہیں۔

میں نے پوچھا کہ حضرت کیسی طبیعت ہے؟ فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہماری آنکھیں صحیح کام کر رہی ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے کان بہت اچھی طرح کام کر رہے ہیں، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اللہ کا شکر ہے کہ گویائی کی قوت بحال ہے، الحمد للہ جگر، دل اور معدہ ٹھیک ہے، بس بخار ہو رہا ہے، دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرما دیں۔

دیکھئے! جو تکلیفیں نہیں تھیں، ان کا ذکر کر کے پہلے ان پر شکر ادا فرمایا، پھر آخر میں بخار کا ذکر کیا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ عین تکلیف کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں مبذول ہیں، ان کی طرف دھیان جا رہا ہے، اور ان پر شکر ادا ہو رہا ہے، اس کے بعد تکلیف کا بھی تھوڑا سا تذکرہ کر دیا، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیا، یہ ہے ایک شکر گزار بندے کا طرزِ عمل۔

نعمتوں پر شکر ادا کرو

ہم جیسوں کا تو یہ حال ہے کہ جب ذرا سی تکلیف آجائے تو اس وقت ہم ساری نعمتیں بھلا بیٹھتے ہیں، اور اس تکلیف کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں، اسی پر شکوہ شکایت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ﴾(۱)

''میرے بندوں میں شکر گزار بندے بہت کم ہیں''

جو نعمتیں میں نے ان پر ہر وقت مبذول کر رکھی ہیں، ان کا احساس ہی نہیں ہے، ان نعمتوں کا دھیان ہی نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ نعمتوں کو یاد کرو، اور ان پر شکر ادا کرو، جو تکلیفیں تم پر آرہی ہیں، بیشک ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، اور کہو کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں، مجھ سے یہ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی ہے، آپ اپنے فضل و کرم سے میری اس تکلیف کو دور کر دیجئے، آپ نے جہاں اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اس تکلیف کے دور ہونے کی نعمت بھی عطا فرما دیں، لیکن خدا کے لئے ان موجودہ نعمتوں کی ناشکری نہ کریں۔

''دانت'' ایک عظیم نعمت ہے

ہماری ایک بہن کی جب عمر زیادہ ہوگئی، اور ان کے دانت ٹوٹنے لگے، ایک مرتبہ وہ اپنا دانت نکلوا کر واپس آئیں تو وہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگیں کہ ابا جی! یہ دانت بھی عجیب چیز ہیں کہ یہ آتے وقت بھی تکلیف دیتے ہیں اور جاتے وقت بھی تکلیف دیتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جب

(۱) سبا: ۱۳

بچپن میں دانت نکلتے ہیں تو اس کے نتیجے میں بچے کو دست آرہے ہیں، کبھی بخار آرہا ہے، اور بڑی عمر میں جب یہ ٹوٹتے ہیں تو اس وقت بھی یہ بہت تکلیف دیتے ہیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بات سن کر ایک آہ بھری، اور فرمایا: خدا کی بندی! تمہیں ان دانتوں کی دو ہی چیزیں یاد رہیں کہ انہوں نے آتے وقت بھی تکلیف دی، اور جاتے وقت بھی تکلیف دے رہے ہیں، اور پچاس ساٹھ سال کی درمیانی مدت میں ان سے جو مزہ لیا ہے، ان سے جو راحت حاصل کی ہے، جو ذائقہ حاصل کیا ہے، اس کا کبھی دھیان اور خیال نہیں آیا؟ ٹھیک ہے کہ آتے وقت بھی تکلیف ہوئی، اور جاتے وقت بھی تھوڑی سی تکلیف ہو رہی ہے، لیکن سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس چکی سے منوں اور ٹنوں خوراک کو پیسا ہے، اور اس کو اپنے جسم کا جز بنایا ہے، اس کی طرف دھیان نہیں۔ بس ذرا سی تکلیف آجاتی ہے تو ہم اس کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جاتے ہیں۔

اللہ والوں کی صحبت کا فائدہ

اللہ والوں کی صحبت سے یہی بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ انسان کا زاویہ نگاہ درست کر دیتے ہیں، اب تک نگاہ تکلیفوں پر، مصیبتوں پر اور پریشانیوں پر جا رہی تھی، اللہ والے کی صحبت کے نتیجے میں نعمت پر جانے لگتی ہے۔ ٹھیک ہے جو تکلیفیں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیں، اور کہہ دیں کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں، میں اس تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا، اے اللہ! اپنی رحمت سے اس کو دور فرما دیجئے، لیکن جو تمہیں نعمتیں دی ہیں، کم از کم ان کو تو مت بھولو۔

کیا محسن سے محبت نہیں ہوگی؟

لہٰذا رات کو سونے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ کر نعمتوں کا جائزہ لو، اپنے جسم پر ہونے والی نعمتوں کا، اپنے گرد و پیش پر ہونے والی نعمتوں کا، اپنے گھر والوں پر ہونے والی نعمتوں کا جائزہ لو، اور ان میں سے ایک ایک پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اسی کا نام ”مراقبہ“ ہے۔ یہ مراقبہ بڑا اکسیر ہے، روزانہ کر کے دیکھو، اس لئے کہ جب روزانہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مراقبہ کرو گے تو اس کے نتیجے میں خود بخود اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی۔ فرض کرو کہ کوئی شخص تمہارے دروازے پر روزانہ پیسے پھینک کر چلا جاتا ہے، تم اس کو اُٹھا کر اپنی ضروریات پوری کر لیتے ہو، اور اس طرح تمہارا کام چل رہا ہے، اب خود بخود تمہارے دل میں اس شخص کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو جائے گا کہ یہ شخص جو روزانہ پیسے ڈال کر جا رہا ہے، اور میری حاجتیں پوری کر رہا ہے، اس کو دیکھوں تو سہی، پھر اس کو دیکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے، لیکن اس کی محبت دل میں ضرور پیدا ہوگی۔ وہ ایک انسان جو دن میں صرف ایک مرتبہ تمہارے دروازے پر

پیسے ڈال گیا، اور اس کے ذریعے تمہاری حاجتیں پوری ہوگئیں، جب اس کا تصور کر کے تمہارے دل میں اس کی محبت پیدا ہو رہی ہے، تو وہ ذات جو ہر وقت تمہارے اُوپر نعمتوں کا فیضان نچھاور کر رہی ہے، وہ ذات اگرچہ نظر نہیں آرہی ہے، لیکن کیا تم اس سے محبت نہیں کرو گے؟ کیا اس کی نعمتوں کے تصور سے اس کے ساتھ محبت پیدا نہیں ہوگی؟ اس لئے روزانہ رات کو دس منٹ کے لئے نعمتوں کے استحضار کا مراقبہ کیا کرو، اور ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔

شکر ادا کرنے کا عجیب وغریب واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ چیز اپنے ایک عزیز سے سیکھی، وہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے بستر پر بیٹھے ان الفاظ کی رٹ لگاتے، اور بار بار فرماتے، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ رات کو سونے سے پہلے یہ کیا کرتے ہیں؟ جواب میں فرمایا: ہاں بھائی، سارے دن تو نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا، اس لئے میں رات کو سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کرتا ہوں، اور ایک ایک نعمت کا دھیان کر کے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے شکر ادا کرنے کا عجیب طریقہ بیان فرمادیا۔

بہرحال، رات کو سونے سے پہلے صرف دس منٹ اس کام کے لئے نکال لو، اور اس وقت چھوٹی چھوٹی نعمتوں کا بھی تصور کرو، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، یہ عمل تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرے گا، اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت اور تعلق پیدا ہو جائے گا تو پھر سب کچھ آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اللہ تعالیٰ کی محبت
پیدا کرنے کے اسباب اور طریقے ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

یہ مضمون کئی روز سے چل رہا ہے، اس کا موضوع ہے "تعلق مع اللہ کی اہمیت اور اس کو پیدا کرنے کا طریقہ" اللہ جل شانہ کی محبت سارے دین کی بنیاد ہے۔ حضرت والا نے اللہ کی محبت پیدا کرنے کے طریقوں میں پہلا طریقہ بیان فرمایا "کثرت ذکر اللہ" اس کی تھوری سی تفصیل پچھلے بیانات میں عرض کردی۔ دوسری چیز جس کا گذشتہ کل تھوڑا سا ذکر ہوا تھا، وہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اپنے برتاؤ کو سوچنا"، اللہ جل شانہ کی وہ نعمتیں جو ہر وقت ہر انسان پر مبذول ہیں، ان کا تصور اور دھیان کرنے کے نتیجے میں اپنے محسن حقیقی کی محبت دل میں پیدا ہوگی، ظاہر ہے کہ جو شخص ہر وقت دوسرے کا زیر بارِ احسان ہو، اور دوسرا شخص اس پر بے مانگے بھی احسان کررہا ہے تو طبعی بات یہ ہے کہ اس شخص سے محبت پیدا ہوگی۔

ان کے انعامات سب پر عام ہیں

اللہ تعالیٰ جن کے انعامات کا سلسلہ غیر متناہی ہے، جب ان انعامات کا بار بار تصور کیا جائے گا، تو ان کی محبت دل میں پیدا ہوگی، بات صرف دھیان کی ہے، ان کے انعامات تو مسلسل جاری ہیں، تم شکر کرو، یا ناشکری کرو، ان کے انعامات میں تو کمی نہیں ہے، ان کی نعمتوں میں کمی نہیں آرہی ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بریں خوانِ نعمت چہ دشمن چہ دوست

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پوری زمین کو ایسا عام دسترخوان بنا رکھا ہے کہ ساری مخلوق اس کی نعمتوں سے مستفید ہورہی ہے، اور اس دسترخوان پر دشمن اور دوست کی کوئی تفریق نہیں، دشمن کو بھی اسی

☆ اصلاحی مجالس (۶/ ۱۵۶ تا ۱۸۴)، بعد از نماز ظہر، رمضان المبارک، جامع مسجد دارالعلوم، کراچی

طرح دے رہے ہیں، جس طرح دوست کو دے رہے ہیں، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتیں مسلمان اور کافر سب پر جاری ہیں، بلکہ بعض اوقات کافروں پر زیادہ ہورہی ہیں، وہ مسلمانوں سے زیادہ خوشحال ہیں، زیادہ ترقی کررہے ہیں، ان کے پاس زیادہ پیسہ ہے، مال ودولت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ فلاں دشمن مجھے جھٹلا رہا ہے، میری توہین کررہا ہے، میری گستاخی کررہا ہے، میرے وجود کا بھی منکر ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں دے رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

دوستوں کو تنگی اور دشمنوں کو فراخی

بلکہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں اپنے پیارے محبوب بندوں کو اس دنیا میں تنگی کا شکار کیا جاتا ہے، اور دشمنوں کو نوازا جاتا ہے، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست
کس را چرا و چوں نہ رسد در قضائے ما

یعنی بعض اوقات ہم دشمن کو پالتے ہیں، اور اپنے دوست کو مارتے ہیں، قتل کرادیتے ہیں، جیسے سامری جادوگر کو جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعہ پالا جارہا ہے، اور دوسری طرف حضرت الیاس علیہ السلام کو آروں سے چروا دیا گیا۔ لہٰذا دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دوست، دشمن، مسلم اور کافر سب پر جاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اندر تو کوئی کمی واقع نہیں ہورہی ہے۔

ان نعمتوں کی طرف دھیان نہیں

کوئی جو ناشناسِ ادا ہو تو کیا علاج
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

وہ تو ہر وقت جاری ہیں، بات صرف دھیان کی ہے کہ ہم اس کی ان نعمتوں کی طرف سے غافل ہیں، اس کا دھیان نہیں کرتے، اس کا استحضار نہیں کرتے، اس کی وجہ سے ان نعمتوں کا خیال نہیں کرتے، اگر اللہ تعالیٰ ان کا دھیان کرنے کی توفیق عطا فرمادے، اور ان کو یاد کرنے کی توفیق عطا فرمادے، تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ آدمی ان نعمتوں کو سوچے، اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا نہ ہو۔ اس لئے کل میں نے عرض کیا تھا کہ رات کو سونے سے پہلے نعمتوں کا استحضار کرکے اس پر شکر ادا کیا کرو۔ بہرحال! محبت پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو سوچنا۔

تیسرا طریقہ: اپنے برتاؤ کو سوچنا

اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ ساتھ میں اپنے برتاؤ کو بھی سوچے، یعنی یہ سوچے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یہ عالم ہے کہ بارش کی طرح ہر لمحے برس رہی ہیں، اور دوسری طرف میرا برتاؤ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ذرا سی عبادت کا حکم دیا ہے، اسی میں سستی کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جس گناہ سے بچنے کا حکم دیا تھا، اس سے بچنے میں سستی کر رہا ہوں، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

کارسازِ ما بسازِ کارِ ما فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

یعنی ہمارا کارساز تو دن رات ہمارے کام میں لگا ہوا ہے، ہماری حاجتوں کو پورا کر رہا ہے، ہم پر اپنی نعمتوں کو نازل فرما رہا ہے، لیکن جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا، وہ کام ہمارے لئے آزار بنا ہوا ہے، ہم اس کو اپنے لئے مصیبت سمجھ رہے ہیں کہ یہ نماز پڑھنا، یہ روزے رکھنا اور گناہوں سے بچنا، ان کو مصیبت سمجھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے جواب میں بندے کا طرزِ عمل کتنی ناشکری والا طرزِ عمل ہے، اگر انسان یہ سوچے کہ میرے اس طرزِ عمل کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے اُوپر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے، تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو گی۔ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اور پھر اپنے برتاؤ کو سوچو۔

اپنی حیثیت میں غور کرو

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے جو حضرت والا نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ہمارے بھائی کلیم صاحب نے بتایا کہ انہوں نے حضرت کے وعظ میں یہ پڑھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اور اپنے برتاؤ کو سوچنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی حیثیت میں غور کرنے سے بھی دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اپنی حیثیت میں غور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی عظمت، اس کا جلال، اس کی کبریائی، اس کی رحمتیں، اس کی قدرتِ کاملہ، اس کی حکمتِ بالغہ میں غور کرے، اور دوسری طرف اپنی کم حیثیتی کا تصور کرے کہ میری تو کوئی حقیقت نہیں، میں تو کسی کام پر قادر نہیں، میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب ان کی عطا ہے، ورنہ میرے پاس تو کچھ نہیں تھا، نہ میں اپنے وجود کو خود سے وجود میں لا سکتا تھا، نہ میں اپنے آپ کو زندہ رکھ سکتا تھا، نہ یہ شکل وصورت، نہ یہ صحت، نہ یہ علم حاصل کر سکتا تھا، ان میں سے کچھ بھی میرے پاس نہیں تھا، یہ سب کچھ انہی کی عطا ہے، اور وہ جب چاہیں چھین لیں، واپس لے لیں۔

اس سے اللہ کا شکر اور محبت بڑھتی ہے

اور جب سب کچھ انہی کی عطا ہے تو پھر میں کس بات پر تکبر کروں، کس بات پر اتراؤں، کس بات پر عجب اور خود پسندی کے اندر مبتلا ہوں، اس لئے کہ اپنی ذات میں تو میرے پاس کچھ بھی نہیں، یہ ہے ''اپنی حیثیت کو سوچنا''، اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اس لئے کہ جتنا اپنی کم حیثیتی کا احساس ہوگا، اتنا ہی اللہ جل جلالہ کی نعمتوں کی عظمت کا احساس ہوگا۔ اگر انسان اپنے آپ کو ان نعمتوں کا مستحق سمجھے تو وہ سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام میرے ساتھ کرنا ہی چاہئے تھا، اللہ تعالیٰ کو یہ نعمتیں مجھے دینی تھیں، ایسا انسان اللہ تعالیٰ کا کیا شکر ادا کرے گا، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کہاں سے پیدا ہوگی؟ لیکن اگر انسان یہ سوچتا ہے کہ میں بے حیثیت ہوں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتیں میرے اوپر نازل ہو رہی ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کے شکر کا اور اس کی محبت کا احساس دل میں پیدا ہوگا۔

ایک بزرگ اور متکبر کا واقعہ

جب دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم بڑے آدمی ہیں، ہمیں شان وشوکت حاصل ہے، تکبر کے احساسات دل میں پیدا ہو رہے ہیں، اس وقت انسان دوسرے سے کہتا ہے کہ ''جانتے نہیں ہم کون ہیں؟'' چنانچہ ایک شخص سے ایک بزرگ نے کوئی اصلاح کی بات کہی تو اس نے پلٹ کر کہا کہ ''جانتے نہیں ہم کون ہیں؟'' یعنی ہم تو اتنے بڑے آدمی ہیں، تم ہماری اصلاح کرتے ہو؟ جواب میں ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاں! میں جانتا ہوں تم کون ہو، تمہاری حقیقت یہ ہے:

أَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَآخِرُكَ جِيفَةٌ قَذِرَةٌ
وَأَنْتَ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ

یعنی تمہاری ابتداء ایک گندہ اور ناپاک نطفہ اور منی کا قطرہ تھا، اصل تو تمہاری یہ ہے، اور آخری انجام تمہارا یہ ہے کہ تم بدبودار مُردار بننے والے ہو، ایسے بدبودار کہ تمہارے گھر والے بھی چوبیس گھنٹے تمہیں اپنے گھر میں رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، وہ تمہارے مرنے پر روئیں گے، لیکن رکھنے کو تیار نہیں ہوں گے، وہ یہ کہیں گے کہ اس میں سے جو بدبو اُٹھے گی اس کو برداشت کرنا ہمارے بس میں نہیں، لہٰذا فوراً قبرستان لے جا کر قبر میں ڈال دیں گے، اور پیدائش سے لے کر وفات تک جو درمیان کا زمانہ ہے، اس زمانے میں تو ہر وقت نجاست کا بوجھ اُٹھائے پھر رہا ہے، یہ کوئی مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت ہے، کیونکہ اگر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ انسان سر سے لے کر پاؤں تک نجاستوں کا پلندا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کھال کے ذریعہ ہماری پردہ پوشی کر رکھی ہے، عیب چھپے ہوئے

ہیں، گندگی چھپی ہوئی ہے، ورنہ اس خوبصورت چہرے پر ذرا سا چیرا لگاؤ، تو اندر سے گندگی نکل آئے گی، کہیں خون بھرا ہوا ہے، کہیں پیپ بھری ہوئی ہے، کہیں پیشاب اور کہیں پاخانہ بھرا ہوا ہے، اس وقت تو سب لوگ محبت کر رہے ہیں، اپنے پاس بٹھا رہے ہیں، لیکن اگر چہرے سے کھال اُتر جائے تو کوئی پاس بیٹھنے کو بھی تیار نہ ہو، بلکہ نفرت کریں، اور دیکھنے کو بھی تیار نہ ہو، وہی خوبصورت چہرہ خوفناک بن جائے گا، اور دیکھ کر ڈر لگے گا۔ لہٰذا تیری ابتداء گندے نطفے سے ہوئی، اور تیری انتہاء ایک بدبودار مردار پر ہوگی، اور درمیان کے زمانے میں تو گندگی اُٹھائے پھر رہا ہے، یہ تیری حقیقت ہے، اور پھر بھی یہ کہتا ہے کہ ''جانتا نہیں میں کون ہوں؟''

شکستگی مطلوب ہے

جب تک انسان کو اپنی اس حقیقت کا ادراک اور احساس نہ ہو، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی نہ تو نعمتوں کا ادراک ہو سکتا ہے، اور نہ ہی اللہ جل شانہ کی محبت کما حقہ پیدا ہو سکتی ہے، اسی لئے حضرت فرماتے ہیں کہ ''اپنی حیثیت کو پہچانو'' اور اس طریق میں اول و آخر سبق یہی ہے کہ ''اپنی حقیقت کو پہچاننا اور اپنے آپ کو مٹانا اور فنا کرنا'' جس میں دعویٰ ہو، جس میں تعلّی ہو، جو شان و شوکت بنائے، اور جو تکبر کرے، اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی، یہاں شکستگی مطلوب ہے، اپنی حیثیت کا احساس ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی ہو۔

اپنی نظر میں چھوٹا دوسروں کی نظر میں بڑا

اس لئے حضور اقدس ﷺ نے اللہ رب العزت سے یہ دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا))

''اے اللہ! مجھے اپنی آنکھ میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنا دیجئے''(۱)

یعنی جب میں اپنے آپ کو دیکھوں تو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھوں، تاکہ میرے اندر تواضع پیدا ہو، البتہ لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دیجئے، اس لئے کہ اگر لوگ بھی مجھے چھوٹا سمجھنے لگیں گے تو وہ مجھ پر ظلم اور زیادتی کریں گے، کسی نے خوب کہا ہے:

''سگ باش، و برادرِ خورد مباش''

''کتے بن جاؤ، لیکن چھوٹے بھائی مت بنو''

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۴۳۱/۴)، سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد (۵۳۲/۸)، كنز العمال، رقم: ۳۶۷۵ (۲۷۹/۲)

مطلب یہ ہے کہ ساری بلائیں چھوٹے بھائی پر نازل ہوتی ہیں، اس لئے کہ اگر دوسرے یہ سمجھنے لگیں کہ یہ چھوٹا ہے تو لوگ اس پر ظلم کریں گے، اس کو بھون کر ہی کھا جائیں گے، چونکہ یہ چھوٹا ہے اس لئے جو سلوک چاہو، اس کے ساتھ کرو۔ لہٰذا اپنے دفاع کے لئے اور اپنے بچاؤ کے لئے لوگوں کی نگاہ میں اے اللہ! مجھے بڑا بنا دیجئے، لیکن میں اپنے آپ کو چھوٹا ہی سمجھتا رہوں۔

اول و آخر "فنا ہی فنا"

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں تو پہلا و آخری سبق "فنا ہی فنا" ہے، یعنی اپنے آپ کو مٹانا، فرماتے ہیں کہ جو شخص مشیخت، پیری اور شان وشوکت کا راستہ اپنائے، اس کو ہمارے راستے کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اس لئے عام آدمی کی طرح رہو، کوئی شان وشوکت بنانے کی ضرورت نہیں، شان بنانے سے پرہیز کرو، اور اپنی حیثیت کو پیش نظر رکھو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ادراک ہوگا، اور پھر شکر کی توفیق ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی۔

چوتھا طریقہ: اللہ والوں کی صحبت

آگے حضرت والا نے محبت پیدا کرنے والے اسباب میں سے چوتھا سبب یہ بیان فرمایا کہ "کسی اہل اللہ سے تعلق رکھنا" یہ بھی محبت پیدا کرنے کا بڑا قوی ذریعہ ہے، بلکہ شاید سب سے قوی ذریعہ ہو، اس لئے کہ اللہ والوں سے جتنی محبت ہوگی، اور اللہ والوں سے تعلق ہوگا، ان کی صحبت اُٹھاؤ گے، ان کے ساتھ رہو گے، اتنی ہی اللہ جل جلالہ کی محبت دل میں بڑھے گی۔ ہمارے حضرت ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

ان سے ملنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے جو ملنے والے ہیں، ان سے راہ پیدا کر، ان سے تعلق جوڑ لے، تو پھر انشاء اللہ وہ بھی مل جائیں گے۔ لہٰذا جو اللہ والے ہیں، جن کے دلوں میں اللہ کی محبت سمائی ہوئی ہے، ان کی صحبت اختیار کرنا، ان کے قریب رہنا، ان سے تعلق پیدا کرنا، ان سے محبت کرنا، ان کاموں سے اللہ تعالیٰ کی محبت تمہارے دل میں بھی پیدا ہوگی۔

اللہ کی محبت بھر رہا ہوں

حضرت والد صاحبؒ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ مجلس میں اللہ تعالیٰ

کی محبت اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت پر بیان فرمارہے تھے، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب ؒ بھی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، دورانِ بیان حضرت مجذوب صاحب نے فرمایا کہ حضرت! خدا کے واسطے کچھ ہمارے دل میں بھی بھر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا، میں اور کیا کرر ہا ہوں، یعنی یہ جو بیان ہو رہا ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی محبت تمہارے دلوں میں بھری جارہی ہے، اور کیا کرر ہا ہوں۔

بہرحال! جب آدمی اللہ والوں کے پاس بیٹھتا ہے، ان کی باتیں سنتا ہے، ان کے ملفوظات کو سنتا ہے، ان کی اداؤں کو دیکھتا ہے، تو ان سب کاموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ جڑتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں قوت پیدا ہوتی ہے، اسی لئے حضرت والا نے اسبابِ محبت میں یہ بیان فرمایا: کسی اللہ والے سے تعلق رکھنا۔

پانچواں طریقہ: طاعت پر مواظبت

اسبابِ محبت میں پانچواں سبب یہ بیان فرمایا کہ ''طاعت پر مواظبت کرنا'' یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا، جتنی زیادہ اطاعت کروگے اتنی ہی محبت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ''محبت'' اور ''اطاعت'' کے درمیان عجیب رشتہ رکھا ہے، وہ یہ کہ ''اطاعت'' سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور پھر ''محبت'' سے مزید اطاعت ہوتی ہے، پھر اس ''اطاعت'' سے مزید ''محبت'' پیدا ہوتی ہے، پھر اس ''محبت'' سے مزید ''اطاعت'' انجام پاتی ہے، یہ سلسلہ ایک لامتناہی حد تک چلا جاتا ہے۔

یہ تو ''دور'' لازم آرہا ہے؟

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ کہا جاتا ہے اللہ کے حکم کی اطاعت کرنے اور دین کے حکم پر چلنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کرلی جائے، جب یہ پوچھا گیا کہ ''محبت'' کیسے پیدا کریں تو یہ کہا گیا کہ محبت پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، یہ تو ''دور'' لازم آگیا، یعنی یہ کہا جارہا ہے کہ دین پر چلنا ہے تو محبت کرو، اور محبت پیدا کرنے کے لئے دین پر چلو، یہ تو ''دور'' لازم آرہا ہے کہ جن دو چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے پر موقوف ہورہی ہے۔ اس کے جواب کو غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

شروع میں تھوڑی سی محنت اور ہمت

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جو بندہ بھی ابتداء میں تھوڑی سی محنت کرکے اطاعت کرے گا تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کو ''محبت'' کا ایک خاص درجہ

عطا فرمائیں گے، پھر "محبت" کے اس درجہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مزید "اطاعت" کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ شروع میں بغیر کسی محنت اور عمل کے خود بخود محبت پیدا نہیں ہوگی، اور نہ ہی خود بخود اطاعت کرنا آسان ہوگا، بلکہ دین شروع میں تھوڑی سی قربانی مانگے گا تھوڑی سی محنت اور ہمت مانگے گا، اس ہمت اور محنت کے بغیر یہ دولت نہیں ملتی، لہٰذا شروع میں انسان کو یہ کرنا پڑے گا کہ اپنی خواہشات، جذبات اور اپنے دنیاوی اور بشری تقاضوں کے خلاف تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی، اور جب ایک مرتبہ انسان وہ محنت کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور محبت پیدا فرمادیتے ہیں۔

ریل بھاپ کے ذریعہ تیز چلتی ہے

اس بات کو حضرت والا نے دوسری جگہ پر ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے، فرمایا کہ جیسے ریل کے انجن میں اگر بھاپ بھری ہوئی ہو (اُس زمانے میں ریل بھاپ کے ذریعہ چلائی جاتی تھی، پیٹرول اور ڈیزل دستیاب نہیں تھا) تو وہ ریل بہت تیز بھاگتی ہے، لیکن اگر ریل میں سب چیزیں موجود ہیں، پہیے بھی لگے ہیں، لیکن انجن کے اندر بھاپ نہیں ہے، اب اگر کوئی شخص دھکا لگا کر اس ریل کو چلانا چاہے گا تو وہ ریل پورے دن میں بمشکل ایک دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرے گی، لیکن اگر انجن میں بھاپ بھری ہوئی ہے، اور اس بھاپ کے ذریعہ اس ریل کو چلایا جائے گا تو وہ دن بھر میں چار پانچ سو میل کا فاصلہ طے کرے گی۔

"محبت" "بھاپ" کی طرح

حضرت فرماتے ہیں کہ ٹرین کے تیز رفتار چلنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک بھاپ کی، دوسرے پہیوں کی، اگر انجن اور بھاپ نہ ہو، صرف پہیے ہوں تو وہ ٹرین تیز نہیں چل سکتی، اور اگر بھاپ ہو، لیکن پہیے نہ ہوں، تو وہ بھاپ اس ٹرین کو تباہ کر دے گا، اور وہ ٹرین زمین کے اندر دھنس جائے گی۔ لہٰذا بھاپ کی بھی ضرورت ہے، اور پہیوں کی بھی ضرورت ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اسی طرح انسان کے اندر "محبت" بمنزلہ "بھاپ" کے ہے، اور "عمل" بمنزلہ "پہیے" کے ہیں، اس لئے پہلے تھوڑا سا "عمل" تو کرنا پڑے گا، پھر اس "عمل" کے نتیجے میں جب "محبت" کی بھاپ پیدا ہوگی تو پھر تیز رفتاری سے ترقی ہوگی، اور تیز رفتاری سے "عمل" ہوگا۔

اُڑنے سے پہلے زمین پر جہاز کا چلنا

آج کل کی مثال سے یوں سمجھ لیں، جیسے یہ ہوائی جہاز ہے، یہ ہوا میں اُڑتا ہے، اور ہوا میں

پانچ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتا ہے، لیکن اُڑنے سے پہلے ہوائی جہاز کو زمین پر "ٹیکسی" کرنا پڑتی ہے، کوئی جہاز ایسا نہیں ہے جو کھڑا کھڑا سیدھا اُڑ جائے، بلکہ تھوڑی دیر اس کو زمین پر چلنا پڑتا ہے، یہ وقت مجھ جیسے مسافر کے لئے بڑا صبر آزما وقت ہوتا ہے، اس لئے کہ جب جہاز اُڑ جاتا ہے تو میں اپنے لکھنے کے کام میں مشغول ہو جاتا ہوں، اور جب تک زمین پر چل رہا ہوتا ہے اس وقت تک کوئی کام نہیں کرسکتا، بہر حال! ہر جہاز اُڑنے سے پہلے زمین پر آہستہ آہستہ چلتا ہے، پھر اُڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح "محبت" پیدا کرنے کے لئے تھوڑی محنت کرنی پڑے گی، اور تھوڑا سا "عمل" کرنا پڑے گا، اور جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں اپنی خواہشات کے خلاف عمل کرنا شروع کرو گے تو پھر "محبت" کی بھاپ تمہارے اندر پیدا ہو جائے گی، اور پھر تیز رفتاری سے ترقی ہوگی۔

ایمان کی لذت حاصل کرلو

یہی معنی اس حدیث کے ہیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی نامحرم پر لذت لینے کے لئے نگاہ ڈالنے کو دل چاہ رہا ہے، اور بہت شدید تقاضا ہو رہا ہے کہ میں اس پر نگاہ ڈال کر لذت حاصل کرلوں، لیکن اگر تم نے اللہ کے حکم کا خیال کر کے اللہ کے ڈر سے اس نگاہ کو بچالیا، اور نظر نہیں ڈالی، اور نظر ہٹانے کی تکلیف اپنے نفس پر برداشت کر لی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایمان کی ایسی لذت عطا فرمائیں گے کہ گناہوں کی لذت اس کے سامنے ہیچ در ہیچ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتے ہیں کہ اے بندے! میں نے تیرے اوپر صبح سے لے کر شام تک کتنے انعامات کر رکھے ہیں، تیرے اوپر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے، تجھ سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ میری خاطر ناجائز خواہشات سے اپنے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے بچالے، اور جب تو اپنے آپ کو اس سے بچائے گا تو میں تجھ سے یہ وعدہ کر رہا ہوں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾(۱)

یعنی جو لوگ ہمارے راستے میں تھوڑی سی کوشش کریں گے تو ہم ضرور بالضرور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستوں پر لے جائیں گے۔

خواہشات کو روکنے کے لئے یہ تصور مفید ہے

لہٰذا تھوڑی سی قربانی دینی ہوگی، یہ جنت اتنی سستی نہیں ہے، اور یہ محبت اتنی سستی نہیں ہے، اور وہ قربانی یہ ہے کہ نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنے کی عادت ڈالو، اور اس کام میں آسانی پیدا کرنے کے لئے یہ تصور کرو کہ یہ دنیا ہے، یہ جنت نہیں ہے، اور اس دنیا کے اندر بڑے سے بڑا انسان چاہے وہ

(۱) العنکبوت:۶۹

بڑے سے بڑا حاکم ہو، بڑے سے بڑا سرمایہ دار ہو، اور دولت مند ہو، کیا وہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ میری مرضی کے موافق ہو رہا ہے، بلکہ اس دنیا میں ہر انسان پر اس کی مرضی کے خلاف حالات پیش آتے ہیں، اور آتے رہیں گے، اس سے بچنا ممکن نہیں۔ آج جن کے ہاتھ میں پوری دنیا کی کمان ہے، جن کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں، نوکر چاکر ہیں، حشم خدم موجود ہیں، اور دنیا بھر کے تمام وسائل ان کو میسر ہیں ان سے جا کر پوچھو کیا تمہاری طبیعت کے خلاف کوئی واقعہ ہوا یا نہیں؟ بسا اوقات ان کی طبیعت کے خلاف اتنی زیادہ باتیں ہوتی ہیں، جتنی ہماری اور آپ کی طبیعت کے خلاف نہیں ہوتیں۔ لہٰذا یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں ہمیشہ خوش رہوں، اور مجھے کبھی کوئی غم اور تکلیف نہ آئے، کبھی کوئی صدمہ نہ پہنچے، اور کبھی کوئی خلاف طبع بات نہ ہو۔ لہٰذا طبیعت کے خلاف تو حالات پیش آئیں گے۔

دو راستے۔ رب چاہی یا من چاہی

اب دو راستے ہیں، ایک راستہ تو یہ ہے کہ طبیعت کے خلاف کرنے کے لئے ایسے کاموں کو اختیار کرلو جس کے نتیجے میں اللہ جل شانہ راضی ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ دیکھو! یہ ہے میرا بندہ، جس نے میری خاطر اپنی طبیعت کے تقاضے کو پامال کر دیا۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو پورا کرتے رہو، اس کی کوشش کرتے رہو، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ساری زندگی خواہشات کو پورا کرنے میں لگے رہو گے، اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے چلے جاؤ گے۔ لہٰذا جب خواہشات کے خلاف کام ہونے ہی ہیں، چاہے تم کچھ بھی کرلو، تو پھر اللہ کے حکم کی خاطر خواہشات کے خلاف کام کیوں نہ کرلو۔

یہ تکلیف لذیذ بن جائے گی

اور جب تم ایک مرتبہ یہ تصور کرو گے کہ میں طبیعت کے خلاف یہ کام اللہ جل شانہ کی اطاعت میں کر رہا ہوں، تو اس صورت میں وہ تکلیف بھی بالآخر لذیذ بن جائے گی، کیوں؟ اس لئے کہ جب یہ تصور آئے گا کہ میں نے الحمد للہ اپنے محبوبِ حقیقی کی خاطر اپنے نفس کو پامال کیا ہے تو اس سے طبیعت کو جو انشراح نصیب ہوگا، اور اس سے جو نور پیدا ہوگا، اس سے جو فرحت اور انبساط پیدا ہوگا، اس کے سامنے دنیا کی ہزاروں لذتیں قربان ہیں۔

اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ تم سے یہ چاہتے ہیں کہ کبھی کبھی میرا بندہ اپنے دل پر چوٹ مارا کرے، مثلاً ایک کام کرنے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن اپنے دل پر چوٹ مار کر رک گیا، اور جب اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے دل پر

چوٹ ماری تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس دل میں آ کر بیٹھوں گا، یہ دل میری تجلی گاہ ہوگا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ))(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اب دل کا ٹوٹنا دو طرح سے ہوتا ہے۔ یا تو غیر اختیاری طور پر دل ٹوٹے ہوئے ہیں، اس لئے کہ ان کے ساتھ مصائب پیش آئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ہوں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ دل میں گناہ کرنے کی خواہش پیدا ہو رہی تھی، لیکن انہوں نے اپنی خواہشات کو پامال کر کے اپنا دل توڑا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

یہ دل ان کی تجلی گاہ ہے

اس بات کو کہنے کے لئے اقبال مرحوم نے بڑا خوبصورت شعر کہا ہے کہ۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

یعنی ایسا نہ کر کہ تیرا دل بچا رہے، اور اس میں جو خواہش پیدا ہو رہی ہے تو اس کو ہمیشہ پورا کرتا رہے، تو ایسا نہ کر، اس لئے کہ جس ذات نے یہ دل کا آئینہ بنایا ہے، اس ذات کا کہنا یہ ہے کہ جتنا یہ دل کا آئینہ ٹوٹے گا اتنا ہی یہ محبوب ہوگا، اتنا ہی میں اس دل کا ساتھی بنوں گا۔ یہ ''دل'' اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے، یہ ''دل'' انہی کی تجلی گاہ ہے، اس میں کسی دوسری چیز کی شمولیت اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں ہے، اور یہ ''دل'' اللہ تعالیٰ کے لئے اس وقت بنتا ہے جب خواہشات کے شیشے توڑے جاتے ہیں۔

ہم اسی گھر میں رہیں گے جسے برباد کیا

میں نے بھی ایک شعر کہا تھا، ہمارے بزرگ حضرت حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم اس شعر کو بہت پسند کرتے ہیں، اور اپنی مجلسوں میں سنایا کرتے ہیں، وہ یہ کہ۔

دردِ دل دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
ہم اسی گھر میں رہیں گے جسے برباد کیا

---

(۱) جامع الأحادیث القدسیة، رقم: ۸۷۷ (۴۸/۱)، الزهد لأحمد بن حنبل، رقم: ۳۹۷ (۴۰۸/۱)، المدخل (۴۸/۳)، الدر المنثور (۵۳۹/۳)، المقاصد الحسنة للسخاوی (۷۵۶/۱)، کشف الخفاء، رقم: ۶۱۴ (۲۳۴/۱)، الزهد الکبیر للبیهقی، رقم: ۳۷۹ (۳۸۳/۱)

دل کو برباد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خواہشات کو اللہ کے لئے پامال کریں۔ دل میں گناہوں کے تقاضے اُٹھ رہے ہیں، دل میں گناہوں کے داعیے پیدا ہو رہے ہیں، اور چاروں طرف سے گناہ کے محرکات گناہ کی طرف بلا رہے ہیں، لیکن میں نے اپنے اللہ کی خاطر اس دل کو توڑ کر برباد کیا، تو پھر اللہ تعالیٰ اس دل میں مقیم ہوتے ہیں، پھر وہ دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ بنتا ہے۔

محبت سے اطاعت، اطاعت سے محبت کا نتیجہ

اسی بات کو حضرت والا یہاں فرما رہے ہیں کہ جب پہلے اطاعت کرنے کے لئے تھوڑی سی قربانی دو گے، تھوڑا سا آگے بڑھو گے، اور خواہشات کو پامال کرنے کی کوشش کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی ''محبت'' عطا فرمائیں گے، یہ ان کا وعدہ ہے، ممکن نہیں ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا نہ ہو، اور جب ''محبت'' پیدا ہو جائے گی تو اس ''محبت'' کے نتیجے میں جو کام پہلے مشکل معلوم ہو رہے تھے، وہ آسان نظر آئیں گے، اور مزید ''طاعت'' ہوگی اور جب مزید ''طاعت'' ہوگی تو ''محبت'' اور بڑھے گی، اور ''محبت'' میں اضافہ ہوگا، اور جب ''محبت'' میں اضافہ ہوگا تو اور ''طاعت'' آئے گی، اور یہ سلسلہ مرتے دم تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام آجائے گا:

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝﴾(۱)

اے اطمینان والی جان، آج اپنے پروردگار کی طرف آجا، جس کی محبت میں تو نے زندگی کے دن رات گزارے ہیں، آج آکر میرے بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ ہے انجام اس سارے تسلسل کا، یعنی طاعت سے محبت، اور محبت سے طاعت، پھر طاعت سے محبت، پھر محبت سے طاعت، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس راستے پر لگا دے۔

اطاعت کا آسان نسخہ، اتباع رسول ﷺ

اسی طاعت کا سب سے آسان اور مختصر نسخہ وہ ہے جو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا بتایا ہے، وہ یہ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾(۲)

(۱) الفجر: ۲۷۔۳۰ (۲) آل عمران: ۱۳

اللہ تعالیٰ حضورِ اقدس ﷺ سے فرمار ہے ہیں کہ ان سے کہہ دو، یعنی تمام ایمان والوں سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو، تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ تم میری اتباع کرو، یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔

حضور ﷺ کی اتباع کرو، اللہ تعالیٰ محبت کریں گے

بظاہر تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی اتباع کرو، جب حضورِ اقدس ﷺ کی اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گی، اور تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگو گے۔ لیکن اس طرح نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کا ارادہ ہے تو میری اتباع کرو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اس طرح کیوں فرمایا؟ دراصل اس سے اشارہ اس طرف فرمادیا کہ ارے تم کیا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو گے، تم کہاں، اللہ میاں کہاں، اس لئے کہ تمہارا وجود ناقص، تمہاری ذات ناقص، تمہاری ذات متناہی، جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود، غیر متناہی، تم کیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کرو گے؟ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی حقیقی محبت اور اس کے اندر کمال کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ البتہ جب تم حضورِ اقدس ﷺ کی اتباع کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، اور پھر اس کی محبت کا عکس تمہارے دلوں پر پڑے گا، اس عکس کو اللہ تعالیٰ کی محبت کہیں گے۔

محبت پہلے محبوب کے دل میں پیدا ہوتی ہے

کسی فارسی شاعر نے اسی بات کو شعر میں کہا ہے کہ ؎

عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود

یعنی پہلے محبوب اور معشوق کے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے، اور پھر محبوب کی محبت کا عکس محبّ کے دل پر پڑتا ہے، اس طرح محبت محبّ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہے، کیونکہ جس ذات کو دیکھا نہ ہو، جس کی معرفت کاملہ حاصل نہ ہو تو اس ذات سے انسان کیسے محبت کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے تصور اور خیال سے ماوراء ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے میں تم سے محبت کروں گا، اور جب میں محبت کروں گا تو میری محبت کا عکس تمہارے دل میں آئے گا، اور پھر تم اللہ سے محبت کرو گے۔

ہر کام میں حضور ﷺ کی اتباع

بہرحال! قرآن کریم نے یہ حقیقت بتادی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا بہترین اور آسان ترین راستہ ''اتباع سنت'' ہے، ہر کام میں نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع ہے، اپنی چال ڈھال میں، اپنی وضع قطع میں، اپنی بول چال میں، اپنی صورت وسیرت میں، اپنے کردار میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، کھانے پینے میں، معاملات میں، معاشرت میں، ایک دوسرے کے ساتھ میل جول میں، اخلاق میں نبی کریم ﷺ کی ''سنت'' اختیار کرلو، جوں جوں ''سنت'' کی اتباع کرتے جاؤ گے، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے گی۔

کوئی ''سنت'' چھوٹی نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ جس کسی وقت بھی کسی سنت پر عمل کررہا ہوتا ہے، چاہے وہ سنت دیکھنے میں چھوٹی نظر آرہی ہو، ویسے تو حضور اقدس ﷺ کی کوئی سنت چھوٹی نہیں، ہر سنت عظیم الشان ہے، اس وقت وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے، مثلاً مسجد میں داخل ہوتے ہوئے تم نے دایاں پاؤں پہلے اندر رکھا یہ سوچتے ہوئے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے، اور مسجد میں داخل ہوتے وقت وہ دعا پڑھی جو مسنون ہے:

((اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ))(۱)

اگر چہ یہ چھوٹا سا عمل ہے، لیکن جب اتباع سنت کی خاطر تم یہ عمل کررہے ہو تو جس وقت یہ عمل کررہے ہو اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو۔

اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو

تم بیت الخلاء میں داخل ہورہے ہو، داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں اس نیت سے داخل کیا کہ یہ حضور ﷺ کی سنت ہے، اور داخل ہونے سے پہلے مسنون دعا پڑھ لی تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ما یقول إذا دخل المسجد، رقم:۱۱۶۵، سنن النسائی، کتاب المساجد، باب القول عند دخول المسجد وعند الخروج منه، رقم:۷۲۱، سنن أبی داود، کتاب الصلاۃ، باب فیما یقوله الرجل عند دخوله المسجد، رقم:۳۹۳، سنن ابن ماجه، کتاب المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد، رقم:۷۶۴، مسند أحمد، رقم:۱۵۴۷۷، سنن الدارمی، کتاب الصلاۃ، باب القول عند دخول المسجد، رقم: ۱۳۵۸، دعا کا ترجمہ یہ ہے: ''اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''

محبوب بن رہے ہو۔ بیت الخلاء سے باہر نکلتے وقت دایاں پاؤں اس نیت سے باہر نکالا کہ یہ حضورِ اقدس ﷺ کی سنت ہے، اور باہر نکل کر مسنون دعا پڑھ لی تو تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو، اس لئے کہ تم اللہ کے محبوب کی سنت پر عمل کر رہے ہو۔ پس جتنا جتنا تم اتباعِ سنت میں بڑھتے چلے جاؤ گے، اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی چلی جائے گی، اور اس کے نتیجے میں دین پر عمل کرنا مزید آسان ہوتا چلا جائے گا۔

وہ سنتیں جن میں کوئی مشقت نہیں

حضورِ اقدس ﷺ کی سنتیں تو بے شمار ہیں، اور ہر شعبۂ زندگی میں ہیں، لیکن بہت سی سنتیں ایسی ہیں کہ ان کو اختیار کرنے میں کچھ خرچ نہیں ہوتا، نہ وقت لگتا ہے، نہ پیسے لگتے ہیں، نہ محنت صرف ہوتی ہے، صرف دھیان کی بات ہے، جیسے ابھی بتایا کہ سنت یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں داخل کرو، اور نکلتے وقت بایاں پاؤں نکالو، بتاؤ! اس پر عمل میں کیا تکلیف ہے؟ کتنا وقت صرف ہوتا ہے؟ کتنے پیسے خرچ ہوتے ہیں؟ کتنی محنت لگتی ہے؟ ارے بھائی! پاؤں تو نکالنا ہی ہے، صرف دھیان کرنے کی بات ہے، دھیان نہ کرنے کے نتیجے میں سنت کی برکت اور رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کوئی اگر یہ سوال کرے کہ کیا دایاں پاؤں مسجد سے نکالنا گناہ ہے؟ یہی جواب دیا جائے کہ گناہ نہیں۔ کیا فرض و واجب ہے کہ بایاں پاؤں ہی پہلے نکالو؟ نہیں، فرض و واجب بھی نہیں، لیکن اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں ایک بڑی رحمت سے محرومی ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کے نتیجے میں جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے، اس نعمت سے محرومی ہے۔ اسی طرح کھانا کھاتے وقت کی سنت یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھانا کھاؤ، اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، اور جب کھانا کھا چکو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور دعا پڑھو، کیا ایسا کرنا فرض و واجب ہے؟ نہیں۔ ایسا نہ کرنا گناہ ہے؟ نہیں، گناہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ کرنے پر کوئی پکڑ بھی نہیں، لیکن نہ کرنے کے نتیجے میں انسان اپنے آپ کو ایک عظیم نعمت سے محروم کر رہا ہے، جو نعمت مفت میں حاصل ہو رہی تھی۔

سنتوں کی ڈائری ''اُسوۂ رسولِ اکرم ﷺ''

لہٰذا ہر انسان اپنی زندگی کا ذرا جائزہ لے، اور یہ دیکھے کہ میں کہاں کہاں حضورِ اقدس ﷺ کی سنتوں کو چھوڑے ہوئے ہوں۔ ہمارے حضرت والا کی کتاب ہے ''اُسوۂ رسولِ اکرم ﷺ''

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمہارے لئے ڈائری بنا دی ہے، اس کتاب کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لیتے رہو کہ کہاں کہاں میں سنت پر عمل کر رہا ہوں، اور کہاں کہاں چھوڑے ہوئے ہوں،

بس، جہاں عمل چھوڑے ہوئے ہو، وہاں عمل کرنا شروع کردو۔ بیشمار سنتیں ایسی ہیں جو صرف تمہارے دھیان کی منتظر ہیں، اس میں نہ محنت، نہ مشقت، نہ پیسہ، نہ وقت کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا، البتہ کچھ سنتیں ایسی ہیں جو کچھ وقت اور محنت کا تقاضا کرتی ہیں تھوڑی سی محنت کرلو گے تو ان پر بھی عمل ہوجائے گا۔

جب تک بازار میں لوکی ملے ضرور لاؤ

ہمارے حضرت والا یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے گھر میں دیکھا کہ دسترخوان پر لوکی کی ترکاری یا سالن ضرور ہوتا تھا۔ کئی دن تک دیکھتا رہا کہ روزانہ لوکی کی ترکاری ضرور ہوتی ہے۔ میں نے ایک دن اہلیہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے آپ کئی روز سے لوکی کی ترکاری مسلسل پکا رہی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی بہت پسند تھی، اس لئے میں نے سودا لانے والے سے کہہ دیا ہے کہ جب تک بازار میں لوکی ملے تو ضرور لوکی لایا کرو، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی کچھ اتباع نصیب ہوجائے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنی اہلیہ کی یہ بات سنی تو مجھے لرزہ سا آگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سنت جو نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محض ایک عادت ہے، اس عورت کو تو اس سنت کا اتنا اہتمام ہے، اور ہم اپنے آپ کو عالم کہلاتے ہیں، لوگ ہمیں عالم کہتے ہیں، سمجھتے ہیں، لیکن ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتنا اہتمام نہیں۔

تین دن تک زندگی کا جائزہ

اس کے بعد میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ جب تک میں اپنی ساری زندگی کا جائزہ لے کر نہیں دیکھوں گا کہ میں کہاں کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہیں کررہا ہوں، اس وقت تک آگے نہیں بڑھوں گا، چنانچہ زندگی کا جائزہ لینے میں تین دن لگائے، اور یہ دیکھا کہ کہاں کہاں میں اتباع سنت سے محروم ہوں، اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راہ عمل واضح ہوگیا، اور جو سنتیں چھوٹی ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔

بہرحال! یہ اتباع سنت ایسی چیز ہے کہ جتنا بھی آپ اس کی طرف بڑھیں گے، اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں سمائے گی۔

یہ طعنے گلے کا ہار ہیں

بسا اوقات جب آدمی اتباع سنت کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اس کو طعنے بھی دیئے جاتے

ہیں، اس پر فقرے بھی کسے جاتے ہیں، بعض اوقات اس کا مذاق بھی اُڑایا جاتا ہے، ان فقروں اور طعنوں کی وجہ سے بعض لوگ کمزور پڑ جاتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے:

﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾(۱)

یعنی یہ لوگ اللہ کے راستے میں محنت کرتے ہیں، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ دنیا والے لوگ جو چاہیں کہا کریں، چاہے وہ ہمیں ''دقیانوس'' کہیں، یا ہمیں ''رجعت پسند'' کہیں، یا ''جاہلانہ اسلام والے'' کہیں، ارے یہ طعنے تو اللہ کے راستے پر چلنے والے کا ہار ہے، یہ طعنے تو انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے، ان کو ''بیوقوف'' کہا گیا، اور ان انبیاء کے متبعین سے کہا گیا:

﴿أَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾(۲)

کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں، جس طرح یہ بیوقوف ایمان لائے۔ یہ سارے طعنے انبیاء علیہم السلام کو بھی ملے ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ملے ہیں۔ ان کو ''پاگل'' کہا گیا، ان کو ''گمراہ'' کہا گیا، لیکن درحقیقت جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ طعنے پڑتے ہیں تو ایک مؤمن کے لئے تمغہ ہے۔ کہاں تک دنیا والوں کی زبانیں روکو گے؟ کب تک ان کی پرواہ کرو گے؟

قیامت کے روز ایمان والے ان پر ہنسیں گے

لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے راستے میں چلو تو طعنوں سے بے نیاز ہو جاؤ، کمر کس کر تیار ہو جاؤ، اور یہ سوچو کہ جو طعنہ ہمیں اس راستے میں ملے گا وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باعثِ اعزاز ہے۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے:

﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾(۳)

کہ آج وہ وقت آگیا کہ آج ایمان والے ان منکرین پر ہنسیں گے۔ وہ وقت آکر رہے گا، اس کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ لہٰذا دنیا والوں کے طعنوں سے بے نیاز ہو جاؤ، اگر تم اللہ کے راستے پر چلنا چاہتے ہو۔

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

جب اس راستے پر چلے ہو تو ان طعنوں کو برداشت کرنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) المائدة: ٥٤ (۲) البقرة: ١٣ (۳) التطفيف: ٣٤

اللہ سے اللہ کی محبت مانگئے ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

گذشتہ چند دنوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے اسباب کا بیان چل رہا ہے، اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے پانچ اسباب بیان فرمائے ہیں، ان میں سے چار اسباب کا بیان الحمدللہ تفصیل سے ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آگے پانچواں سبب یہ بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ سے دعا کرنا۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک مطلب تو وہ ہے جو کل عرض کیا تھا کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ مانگتے رہو، دل ہی دل میں چلتے پھرتے مانگتے رہو، اُٹھتے بیٹھتے مانگتے رہو۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ''محبت بھی انہی سے مانگو'' اور کہو کہ یا اللہ! ہم آپ کی محبت کے محتاج ہیں، آپ ہی اپنی محبت ہمیں دے دیجئے۔ چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ))(۱)

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں کہ میرے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو، اور جس کی محبت آپ کے نزدیک مجھے فائدہ پہنچانے والی ہو، اس کی محبت عطا فرما''

ایک اور دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَیَّ))(۲)

''اے اللہ! اپنی محبت کو دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب بنا دیجئے''

☆ اصلاحی مجالس (۶/۱۸۶ تا ۱۹۶)، بعد از نماز ظہر، رمضان المبارک، جامع مسجد دار العلوم، کراچی۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید، رقم: ۳٤۱۲

(۲) حلیۃ الأولیاء (۸/۲۸۲)، جامع العلوم والحکم (۱٤/۳۸)

اللہ کی محبت ان تین چیزوں سے زیادہ

ایک اور دعا میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَأَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ))(۱)

''اے اللہ! اپنی محبت کو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز بنا دیجئے، اپنے گھر والوں سے زیادہ عزیز بنا دیجئے، اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنا دیجئے''

آپ ﷺ کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا

اس سے حضور اقدس ﷺ کے ٹھنڈے پانی سے محبت اور شوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کو ٹھنڈا پانی اتنا مرغوب تھا کہ ''بئر غرس'' جو مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر کنواں تھا، وہاں سے آپ کے لئے پانی لایا جاتا تھا، چنانچہ کسی اور چیز کے بارے میں احادیث میں یہ منقول نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو فلاں غذا زیادہ مرغوب تھی، اور وہ غذا فلاں جگہ سے لائی جاتی تھی، صرف پانی کے بارے میں یہ منقول ہے کہ ''بئر غرس'' سے آپ کے لئے لایا جاتا تھا، اس لئے کہ اس کا پانی دوسرے کنوؤں کے مقابلے میں زیادہ ٹھنڈا اور شاید زیادہ میٹھا ہوتا تھا، اور آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ وفات کے بعد مجھے غسل بھی اس ''بئر غرس'' کے پانی سے دیا جائے، چنانچہ ''بئر غرس'' کے پانی سے آپ کو غسل دیا گیا۔ (۲)

آپ کو ٹھنڈا پانی اتنا زیادہ پسند تھا، اس لئے آپ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! اپنی ذات کو میری جان سے زیادہ محبوب بنا دیجئے، میرے گھر والوں سے زیادہ محبوب بنا دیجئے، اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنا دیجئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! اپنی محبت عطا فرما، اور اپنی محبت کو تمام محبتوں پر غالب فرما۔

جھولی اور پیالہ بھی انہی سے مانگو

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں یہ مضمون بیان فرما رہے تھے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں دینے میں کوئی کمی نہیں۔ وہی بات جو کسی نے کہی ہے کہ۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللّٰہ، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید، رقم: ۳۴۱۲

(۲) سنن ابن ماجه، کتاب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی غسل النبی، رقم: ۱۴۵۷

کوئی جو ناشناسِ ادا ہو تو کیا علاج
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

حضرت نے فرمایا کہ مانگنے میں نقص رہ جاتا ہے، ورنہ اگر انسان مانگے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں دینے میں کوئی کمی نہیں۔ بس میاں! اللہ تعالیٰ کے سامنے جھولی پھیلانے والا چاہئے، پھر اللہ تعالیٰ اس جھولی کو بھر کر ہی بھیجتے ہیں۔ حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ حضرت! اگر کسی کے پاس جھولی ہی نہ ہو تو پھر کیا کرے؟ حضرت نے فرمایا کہ جھولی بھی انہی سے مانگے، اور یہ کہے کہ یا اللہ! میرے پاس تو جھولی بھی نہیں ہے، اپنی رحمت سے مجھے جھولی بھی عطا فرما دیجئے، میرے اندر مانگنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے، مانگنے کا سلیقہ بھی عطا فرما دیجئے۔

مانگنے کا طریقہ بھی انہی سے مانگو

چنانچہ ایک دعا میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مانگا:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَسْئَلَةِ وَخَيْرَ الدُّعَاءِ وَخَيْرَ الْإِجَابَةِ))(۱)

''اے اللہ! میں آپ سے بہترین سوال کرتا ہوں، یعنی میں آپ سے اچھے سوال کروں، اور اچھی باتیں مانگوں، اے اللہ! میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ مجھے اچھی دعا کرنے کی توفیق ہو، اور اچھی طرح قبول بھی ہو'' (لہٰذا جھولی بھی انہی سے مانگو)

اچھی دعا مانگنے کی توفیق انہی سے مانگو

جب آپ کسی قبولیتِ دعا کے مقام میں جائیں، یا قبولیتِ دعا کا موقع آپ کو مل جائے، جس میں دعا کی قبولیت کی اُمید زیادہ ہوتی ہے، مثلاً افطار کا وقت ہے، یا سحری کا وقت، یا تہجد کا وقت، یا جمعہ کا دن ہے، یا بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کا موقع ہے، یا آپ طواف کر رہے ہیں، وغیرہ، ایسے مواقع پر دعا کرنے سے پہلے یہ مانگو کہ یا اللہ! مجھے اچھی دعا کرنے کی توفیق دیدے، یعنی ایسی دعا

---

(۱) یہ دعا مختلف کتبِ احادیث میں موجود ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ وارد ہوئی ہے لیکن "خير الاجابة" کا لفظ اس دعا میں نہیں مل سکا، دعا کے الفاظ یہ ہیں: "اللّٰهم إنی أسألك خير الدعاء وخير المسألة وخير النجاح وخير العمل وخير الثواب وخير الحياة وخير الممات" مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (٤/٤٢٧)، المعجم الكبير للطبرانی (١٧/١٤٣)، المستدرك للحاكم، رقم: ١٩١١ (٢/١٧٨)، كنز العمال، رقم: ٣٨٢٠ (٢/٢١٤)، جامع الأحاديث، رقم: ٤٩٣٧ (٦/١٦٤)، سبل الهدى والرشاد فی سيرة خير العباد (٨/٥٢٥)

کروں جو میرے دین و دنیا کے لئے فائدہ مند ہو، اور پھر اے اللہ! اس کو میرے حق میں قبول بھی فرمالیجئے۔ لہٰذا ان تمام مواقع قبولیت میں دعا کرنے کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگو۔

بیت اللہ پر پہلی نظر کے وقت دعا

جب آدمی پہلی مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھتا ہے تو آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ موقع آرہا ہے، اس موقع پر کیا مانگوں؟ اللہ کے بندوں کے عجیب عجیب مدارک ہوتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اس موقع پر کیا مانگوں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ میاں دعا مانگ لینا کہ میں ''مستجاب الدعوات'' بن جاؤں کہ ساری عمر میں میری ساری دعائیں قبول ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔

بہرحال! مانگنا بھی ایک ہنر اور ایک فن ہے، جو ہر ایک کو نہیں آتا۔ میرا جب حرمین جانا ہوا، اور بیت اللہ پر نظر پڑی تو میں نے کہا: یا اللہ! میری سمجھ میں تو نہیں آرہا ہے، یا اللہ! جو دعا آپ کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو، وہ دعا میرے دل میں ڈال دیجئے، اور اس طرح دعا کے کرنے کی توفیق دے دیجئے۔ وہی بات جو حضرت والا نے بیان فرمائی کہ جھولی بھی انہی سے مانگو۔ اسی طرح محبت بھی انہی سے مانگو کہ یا اللہ! اپنی محبت میرے دل میں پیدا فرمادیجئے، اور اس محبت کو ساری محبتوں پر غالب فرمادیجئے۔

اسبابِ محبت کا خلاصہ

بہرحال! حضرت والا نے اسبابِ محبت میں چھ باتیں ذکر فرمائیں:

(۱) کثرتِ ذکر اللہ

(۲) اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کرنا

(۳) اپنے برتاؤ کو اور حقیقت کو سوچنا

(۴) کسی اہل اللہ سے تعلق رکھنا

(۵) طاعت پر مواظبت کرنا

(۶) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا

ان چھ باتوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں راسخ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان سب باتوں پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محبت کا کوئی خاص درجہ طلب مت کرو

آگے حضرت والا کی مجددانہ باتیں سنئے، فرمایا:

''اس تدبیر میں تو کوئی غلطی نہیں، صرف ایک غلطی علمی محتمل ہے، وہ قابل تنبیہ ہے، وہ یہ کہ اپنے ذہن سے محبت کا کوئی درجہ تراش کر اس کا منتظر رہے، یہ غلطی ہوگی''(۱)

یعنی جو باتیں اور محبت پیدا کرنے کے جو اسباب بتائے ہیں، ان کے اندر تو کوئی غلطی نہیں ہے، یہ انشاء اللہ بالکل صحیح ہیں، مستند اور معتبر ہیں، اور انشاء اللہ انہی کے ذریعہ محبت پیدا ہوگی، لیکن غلطی اس طرح لگتی ہے کہ ''محبت'' کا کوئی خاص درجہ اپنی طرف سے تراش کر اس کے انتظار میں آدمی بیٹھ جاتا ہے کہ مجھے محبت کا یہ درجہ حاصل ہونا چاہئے، مثلاً دماغ میں یہ تصور لئے بیٹھا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو جو محبت حاصل تھی، وہ مجھے حاصل ہو جائے، یا حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو جو محبت حاصل تھی، وہ مجھے حاصل ہو جائے، اور حضرت شاہ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو جو محبت حاصل تھی، وہ مجھے بھی حاصل ہو جائے، گویا کہ ''محبت'' کا ایک درجہ اپنے ذہن سے تراش کر اپنے لئے اس کو تجویز کر لیا کہ مجھے ''محبت'' کا یہ درجہ ملنا چاہئے، اب اس درجے کے انتظار میں بیٹھا ہے، اور پھر جب وہ درجہ محبت کا حاصل نہیں ہوتا تو پھر وہ شخص یا تو اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے، یا محبت پیدا کرنے کی تدبیروں کے صحیح ہونے پر شک کرتا ہے، یا پھر مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔

محبت اس کے ظرف کے مطابق دی جاتی ہے

اس لئے یہ فیصلہ کہ کس درجہ کی ''محبت'' تمہیں حاصل ہو؟ تمہیں یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں، یہ فیصلہ وہی ذات کرے گی جو ''محبت'' دینے والی ہے کہ تمہیں کس درجہ کی محبت دینی ہے، اور جس درجہ کی محبت تمہیں دینی ہے، وہی ''محبت'' تمہارے حق میں مفید بھی ہے۔

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

''ظرف'' کے حساب سے چیز دی جاتی ہے، تمہارا ''ظرف'' جتنا ہے، اتنی ''محبت'' تمہیں ملے گی، باقی تم اپنی طرف سے محبت کا ایک درجہ تراش کر یہ کہو کہ یہ درجہ محبت کا مجھے ملنا چاہئے، اس کے مطالبے کا تمہیں کوئی حق نہیں، لیکن محبت کا جو درجہ تمہیں ملے گا، انشاء اللہ تمہارے حق میں وہ کافی ہوگا، بشرطیکہ ان تدبیروں پر عمل کر لیا۔

---

(۱) انفاسِ عیسیٰ: ۱۹۴

ناشکری اور مایوسی کا شکار ہو جاؤ گے

ہوتا یہ ہے کہ ہم لوگ ایک طرف تو بزرگوں کی بتائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور دوسری طرف اپنے لئے کوئی اعلیٰ درجہ تجویز کر لیتے ہیں کہ یہ میری منزل ہے، اور مجھے اس منزل پر پہنچنا ہے، ان تدبیروں پر عمل شروع کرنے کے بعد جب وہ مطلوب منزل بہت دور نظر آتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب تک جو کچھ حاصل ہوا ہے اس کی ناقدری اور ناشکری شروع کر دیتے ہیں، اور چونکہ وہ مطلوب منزل حاصل نہیں ہو رہی ہے، اس لئے مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں، اور پھر اس مایوسی کے نتیجے میں ان تدابیر کو چھوڑ دیتے ہیں، اور عمل کرنا ترک کر دیتے ہیں۔ اس لئے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ اپنی طرف سے کوئی درجہ تجویز مت کرو، اگر تدبیریں صحیح ہیں تو انشاء اللہ ان سے نتیجہ ضرور حاصل ہوگا، چاہے اس درجہ کا نتیجہ نہ ہو جو تم نے اپنے لئے تجویز کر رکھا ہے، البتہ تمہارے حق میں جتنا مفید ہے اتنا ضرور حاصل ہوگا، کسی نے خوب کہا ہے کہ

بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

جب اس راستے پر آ گئے تو انشاء اللہ ضرور کامیابی ہوگی، بس اِدھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہیں، جو کچھ تمہیں ملا ہے، اس پر شکر ادا کرو، اور تدبیروں میں لگے رہو، تمہارے لئے اتنا کافی ہے۔

میرے پیمانے میں لیکن حاصلِ میخانہ ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر بڑا عجیب وغریب ہے، کوئی دوسرا شخص اس شعر کو اس وقت تک سمجھ ہی نہیں سکتا جب تک یہ مضمون اس کے سامنے نہ ہو جو میں بیان کر رہا ہوں، فرماتے ہیں کہ۔

مجھ کو اس سے کیا غرض کس جام میں ہے کتنی مے
میرے پیمانے میں لیکن حاصلِ میخانہ ہے

یعنی مجھ کو اس سے کیا غرض کہ دوسرے لوگوں کو کیا ملا، اور کیا نہیں ملا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے، میرے لئے تو مناسب وہی ہے، اور حاصل بھی وہی ہے۔ لہٰذا اپنے لئے کوئی درجہ تجویز کرنا، اور پھر نہ ملنے پر شکایت پیدا ہونا، مایوس ہونا، یہ سب غلط ہے۔ جب تدبیریں سب صحیح ہیں تو انشاء اللہ اس کا نتیجہ بھی یقیناً ظاہر ہو رہا ہے۔

ایک خط اور حضرت والا کا جواب

ایک مرتبہ میں نے حضرت والا کو خط میں لکھا کہ فلاں کام مجھ سے نہیں ہوتا، فلاں کام مجھ سے نہیں ہوتا، فلاں کام مجھ سے نہیں ہوتا، اور جس آدمی سے یہی کام نہیں ہوتے، وہ دنیا میں اور کیا کام کرے گا؟ حضرت والا نے اس آخری عبارت پر لکیر کھینچ کر اس کے سامنے یہ جواب لکھا:

''کیا اپنی ذات سے جلیل القدر امور متوقع ہیں؟''

یعنی تمہارا یہ فقرہ کہ جس سے یہ کام نہیں ہو سکتے، اس سے کیا کام ہوگا، گویا کہ اپنی ذات سے بہت جلیل القدر امور کی توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ ہم تو اس مقام کے آدمی ہیں، لہٰذا اس بلند مقام کے امور ہم سے سرزد ہونے چاہئیں، وہ امور چونکہ نہیں ہو رہے ہیں لہٰذا مایوسی ہو رہی ہے۔

دراصل اس جواب کے ذریعہ یہ تنبیہ فرمادی کہ درحقیقت دل میں اس خیال کے پیدا ہونے کا منشاء کبر ہے، یعنی اپنے لئے بہت جلیل القدر امور تجویز کر رکھے ہیں کہ یہ ہونے چاہئیں، اور جب وہ نہیں ہو رہے ہیں تو اب مایوس ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اس کا منشاء حقیقت میں کبر ہے۔

خلاصہ

بہرحال! خلاصہ یہ ہے کہ ''محبت'' کے حصول کی جو تدبیریں بتائی گئی ہیں، ان پر عمل کرو، اور اپنے لئے ''محبت'' کا کوئی درجہ تجویز مت کرو کہ ''محبت'' کے فلاں درجے تک ہمیں پہنچنا ہے۔ ان تدبیروں کے نتیجے میں ''محبت'' کا جو درجہ تمہیں ملے گا، وہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا، تم اسی کے مستحق ہو گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تدبیروں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نفس کی کشمکش ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ o﴾(۱)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے:

"بَابٌ فِي الْمُجَاهَدَةِ"

"مجاہدہ" کے لفظی معنی ہیں "کوشش کرنا، محنت کرنا"

"جہاد" بھی اسی سے نکلا ہے، اس لئے کہ عربی زبان میں "جہاد" کے معنی لڑنے کے نہیں ہیں، بلکہ محنت اور کوشش کرنے کے ہیں، اور لفظ "مجاہدہ" کے معنی بھی یہی ہیں، یعنی "کوشش کرنا" اور قرآن و سنت اور صوفیاء کی اصطلاح میں "مجاہدہ" اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان اس بات کی کوشش کرے کہ اس کے اعمال درست ہو جائیں، اس کے اخلاق درست ہو جائیں، اور گناہوں سے بچ جائے، اور اپنے نفس کو غلط سمت میں جانے سے بچائے، اس کا نام "مجاہدہ" ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ))(۲)

"اصلی "مجاہد" وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے"

لڑائی کے میدان میں دشمن سے لڑنا بھی "جہاد" ہے، لیکن اصلی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اس طرح جہاد کرے کہ نفس کی خواہشات، نفس کی آرزوئیں، نفس کے تقاضے ایک طرف بلا رہے ہیں اور انسان نفس کے ان تقاضوں اور آرزوؤں کو پامال کر کے دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کا نام "مجاہدہ" ہے، لہٰذا جو شخص بھی اپنی اصلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اللہ جل شانہ کی طرف قدم

☆ اصلاحی خطبات (۲/۲۲۶ تا ۲۴۳)، ۱۰ مئی، ۱۹۹۱ء، بروز جمعہ، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) العنکبوت: ۶۹، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے"

(۲) سنن الترمذي، كتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ما جاء في فضل من مات مرابطًا، رقم: ١٥٤٦، مسند أحمد، رقم: ٢٢٨٣٣

بڑھانا چاہے تو اس کو "مجاہدہ" کرنا ہی پڑتا ہے یعنی اپنے نفس کی مخالفت کرنا اور نفسانی خواہشات کے خلاف زبردستی کرکے محنت کرکے کوشش کرکے کڑوا گھونٹ پی کر عمل کرنا، اور کسی طرح اپنے نفس کی خواہشات کو دبا کر اور کچل کر اس کے خلاف کرنا، اس کا نام "مجاہدہ" ہے۔

انسان کا نفس، لذتوں کا خوگر ہے

ہمارا اور آپ کا نفس یعنی وہ قوت جو انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف اُبھارتی ہے، وہ نفس دنیاوی لذتوں کا عادی بنا ہوا ہے، لہٰذا جس کام میں اس کو ظاہری لذت اور مزہ آتا ہے، اس کی طرف یہ دوڑتا ہے، یہ اس کی جبلت اور خصلت ہے کہ اپنے کاموں کی طرف انسان کو مائل کرے، یہ انسان سے کہتا ہے کہ یہ کام کرلو تو مزہ آجائے گا، یہ کام کرلو تو لذت حاصل ہوجائے گی، لہٰذا یہ نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے، اب اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام اور بے مہار چھوڑ دے، اور جو بھی لذت کے حصول کا تقاضا پیدا ہو، اس پر عمل کرتا جائے، اور نفس کی ہر بات مانتا جائے، تو اس کے نتیجے میں پھر وہ انسان انسان نہیں رہتا، بلکہ جانور بن جاتا ہے۔

خواہشاتِ نفسانی میں سکون نہیں

نفسانی خواہشات کا اصول یہ ہے کہ اگر ان کی پیروی کرتے جاؤ گے، اور ان کے پیچھے چلتے جاؤ گے، اور اس کی باتیں مانتے جاؤ گے، تو پھر کسی حد پر جاکر قرار نہیں آئے گا، انسان کا نفس کبھی یہ نہیں کہے گا کہ اب ساری خواہشات پوری ہوگئیں، اب مجھے کچھ نہیں چاہیے، یہ کبھی زندگی بھر نہیں ہوگا، اس لئے کہ کسی انسان کی ساری خواہشات اس زندگی میں پوری نہیں ہوسکتیں، اور اس کے ذریعہ کبھی قرار اور سکون نصیب نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نفس کے ہر تقاضے پر عمل کرتا جاؤں، اور ہر خواہش پوری کرتا جاؤں تو کبھی اس شخص کو قرار نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ اس نفس کی خاصیت یہ ہے کہ ایک لطف اُٹھانے کے بعد اور ایک مرتبہ لذت حاصل کرلینے کے بعد یہ فوراً دوسری لذت کی طرف بڑھتا ہے، لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل چل کر سکون حاصل کرلیں تو ساری عمر کبھی سکون نہیں ملے گا تجربہ کرکے دیکھ لو۔

لطف اور لذت کی کوئی حد نہیں ہے

آج جن کو ترقی یافتہ اقوام کہا جاتا ہے انہوں نے یہ ہی کہا ہے کہ انسان کی "پرائیویٹ زندگی" میں کوئی دخل اندازی نہ کرو، جس کی مرضی میں جو کچھ آرہا ہے، وہ اس کو کرنے دو، اور جس شخص کو جس

کام میں مزہ آرہا ہے، وہ اسے کرنے دو، نہ اس کا ہاتھ روکو، اور نہ اس پر کوئی پابندی لگاؤ، اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرو، چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج انسان کو لطف حاصل کرنے اور مزہ حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، نہ قانون کی رکاوٹ نہ مذہب کی رکاوٹ، نہ اخلاق کی رکاوٹ، نہ معاشرے کی رکاوٹ ہے، کوئی پابندی نہیں ہے، اور ہر شخص وہ کام کر رہا ہے جو اس کی مرضی میں آرہا ہے، اور اگر اس شخص سے کوئی پوچھے کہ کیا تمہارا مقصد حاصل ہوگیا؟ تم جتنا لطف اس دنیا سے حاصل کرنا چاہتے تھے، کیا لطف کی وہ آخری منزل اور مزے کا وہ آخری درجہ تمہیں حاصل ہوگیا، جس کے بعد تمہیں اور کچھ نہیں چاہئے؟ کوئی شخص بھی اس سوال کا ''ہاں'' میں جواب نہیں دے گا، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ مجھے اور مل جائے، مجھے اور مل جائے، آگے بڑھتا چلا جاؤں، اس لئے کہ ایک خواہش دوسری خواہش کو ابھارتی رہتی ہے۔

مغرب میں علانیہ زنا کاری کی بہتات

مغربی معاشرے میں ایک مرد اور ایک عورت آپس میں ایک دوسرے سے جنسی لذت حاصل کرنا چاہیں تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جاؤ، کوئی رکاوٹ نہیں، کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں، حد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا تھا، وہ آنکھوں نے دیکھ لیا، آپ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ زنا اس قدر عام ہوجائے گا کہ دنیا میں سب سے نیک شخص وہ ہوگا کہ دو آدمی ایک سڑک کے چوراہے پر بدکاری کا ارتکاب کر رہے ہوں گے، وہ شخص آکر ان سے کہے گا کہ اس درخت کی اوٹ میں کرلو، وہ ان کو اس کام سے منع نہیں کرے گا کہ یہ کام برا ہے، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ یہاں سب کے سامنے کرنے کے بجائے اس درخت کی اوٹ میں جاکر کرلو، وہ کہنے والا شخص سب سے نیک آدمی ہوگا(۱)، آج وہ زمانہ تقریباً آچکا ہے، آج کھلم کھلا بغیر کسی رکاوٹ اور پردے کے یہ کام ہو رہا ہے۔

امریکہ میں ''زنا بالجبر'' کی کثرت کیوں؟

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے جنسی جذبات کو تسکین دینے کے لئے حرام طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس کے لئے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود ''زنا بالجبر'' کے واقعات جتنے امریکہ میں ہوتے ہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ہوتے، حالانکہ رضامندی کے ساتھ یہ کام کرنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، جو آدمی جس طرح چاہے، اپنے جذبات کو تسکین دے سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ زنا کر کے دیکھ لیا، اس میں جو مزہ تھا، وہ حاصل کرلیا، لیکن اس کے بعد اس میں بھی

(۱) کنز العمال، رقم: ۳۸۸۸٦ (۱٤/۳٤٥)، تاریخ دمشق (٦٤/٢٦٨)

قرار نہ آیا تو اب با قاعدہ یہ جذبہ پیدا ہوا کہ یہ کام زبردستی کرو، تا کہ زبردستی کرنے کا جو مزہ ہے وہ بھی حاصل ہو جائے۔ لہٰذا یہ انسانی خواہشات کسی مرحلے پر جا کر رکتی نہیں ہیں، بلکہ اور آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں، اور یہ ہوس کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

یہ پیاس بجھنے والی نہیں

آپ نے ایک بیماری کا نام سنا ہوگا جس کو ''جوع البقر'' کہتے ہیں، اس بیماری کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کو بھوک لگتی رہتی ہے، جو دل چاہے کھالے، جتنا چاہے، کھالے، مگر بھوک نہیں مٹتی۔ اسی طرح ایک اور بیماری ہے، جس کو ''استسقاء'' کہا جاتا ہے، اس بیماری میں انسان کو پیاس لگتی رہتی ہے، گھڑے کے گھڑے پی جائے، کنویں بھی ختم کر جائے، مگر پیاس نہیں بجھتی۔ یہی حال انسان کی خواہشات کا ہے، اگر ان کو قابو نہ کیا جائے، اور ان پر کنٹرول نہ کیا جائے، اور جب تک ان کو شریعت اور اخلاق کے بندھن میں نہ باندھا جائے، اس وقت تک اس کو ''استسقاء'' کی بیماری کی طرح لطف و لذت کے کسی بھی مرحلے پر جا کر قرار نصیب نہیں ہوتا، بلکہ لذت کی وہ ہوس بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

تھوڑی سی مشقت برداشت کرلو

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے مت چلو، ان کی اتباع مت کرو، اس لئے کہ یہ تمہیں ہلاکت کے گڑھے میں لے جا کر ڈال دے گی۔ بلکہ اس کو ذرا قابو میں رکھو، اور اس کو کنٹرول کر کے شریعت کی معقول حدود کے اندر رکھو، اور اگر تم رکھنا چاہو گے تو شروع شروع میں یہ نفس تمہیں ذرا تنگ کرے گا، تکلیف ہوگی، صدمہ ہوگا، دکھ ہوگا۔ ایک کام کو دل چاہ رہا ہے، مگر اس کو روک رہے ہیں۔ دل چاہ رہا ہے کہ ٹی وی دیکھیں، اور اس میں جو خراب خراب فلمیں آرہی ہیں، وہ دیکھیں، یہ نفس کا تقاضا ہو رہا ہے۔ اب جو آدمی اس کا عادی ہے، اس سے کہو کہ اس کو مت دیکھ، اور اس نفسانی تقاضا پر عمل نہ کر، اگر وہ نہیں دیکھے گا، اور آنکھ کو اس سے روکے گا، تو شروع میں اس کو دقت ہوگی، اور مشقت ہوگی، برا لگے گا، اس لئے کہ وہ دیکھنے کا عادی ہے، اس کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا، لطف نہیں آتا۔

یہ نفس کمزور پر شیر ہے

لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے اس نفس کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس مشقت اور تکلیف کے باوجود ایک مرتبہ ڈٹ جائے کہ چاہے مشقت ہو، یا تکلیف ہو، چاہے دل پر آرے چل

جائیں، تب بھی یہ کام نہیں کروں گا، جس دن یہ شخص نفس کے سامنے اس طرح ڈٹ گیا، بس اس دن سے یہ نفسانی خواہشات خود بخود ڈھیلی پڑنی شروع ہو جائیں گی۔ یہ نفس اور شیطان کمزور کے اوپر شیر ہیں، جو اس کے سامنے بھیگی بلی بنا رہے، اور اس کے تقاضوں پر چلتا رہے، اس کے اوپر یہ چھا جاتا ہے، اور غالب آ جاتا ہے، اور جو شخص ایک مرتبہ پختہ ارادہ کر کے اس کے سامنے ڈٹ گیا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، چاہے کتنا تقاضا ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، پھر یہ نفس ڈھیلا پڑ جاتا ہے، اور اس کام کے نہ کرنے پر پہلے دن جتنی تکلیف ہوئی تھی، دوسرے دن اس سے کم ہو گی، اور تیسرے دن اس سے کم، اور ہوتے ہوتے وہ تکلیف ایک دن بالکل رفع ہو جائے گی، اور نفس اس کا عادی بن جائے گا۔

نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے

علامہ بوصیریؒ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں جن کا ''قصیدہ بردہ'' بہت مشہور ہے جو حضورِ اقدس ﷺ کی شان میں ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔ اس میں اُنہوں نے ایک عجیب وغریب حکیمانہ شعر کہا ہے۔

اَلنَّفْسُ کَالطِّفْلِ اِنْ تُمْهِلْهُ شَبَّ عَلٰی
حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تُفْطِمْهُ یَنْفَطِمِ

یہ انسان کا نفس ایک چھوٹے بچے کی طرح ہے۔ جو ماں کا دودھ پیتا ہے، اور وہ بچہ دودھ پینے کا عادی بن گیا، اب اگر اس سے دودھ چھڑانے کی کوشش کرو تو وہ بچہ کیا کرے گا؟ روئے گا، چلائے گا، شور کرے گا۔ اب اگر ماں باپ یہ سوچیں کہ دودھ چھڑانے سے بچے کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے، چلو چھوڑو، اسے دودھ پینے دو، دودھ پیتا رہے۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بچے کو اس طرح دودھ پینے کی حالت میں چھوڑ دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جوان ہو جائے گا، اور اس سے دودھ نہیں چھوٹ پائے گا۔ اس لئے کہ تم اس کی تکلیف، اس کی فریاد اور اس کی چیخ پکار سے ڈر گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے دودھ نہیں چھڑا سکے۔ اب اگر اس کے سامنے روٹی لاتے ہیں تو وہ کہتا ہے میں تو نہیں کھاؤں گا۔ میں تو دودھ ہی پیوں گا۔ لیکن دنیا میں کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوں گے جو یہ کہیں کہ چونکہ بچے کو دودھ چھڑانے سے تکلیف ہو رہی ہے، اس لئے دودھ نہیں چھڑاتے۔ ماں باپ جانتے ہیں کہ دودھ چھڑانے سے روئے گا، چلائے گا، رات کو نیند نہیں آئے گی، خود بھی جاگے گا، ہمیں بھی جگائے گا، لیکن پھر بھی دودھ چھڑاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ بچے کی بھلائی اسی میں ہے۔ اگر آج اس کو دودھ نہ چھڑایا گیا تو ساری عمر یہ کبھی روٹی کھانے کے لائق نہیں ہوگا۔

اس کو گناہوں کی چاٹ لگی ہوئی ہے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ انسان کا نفس بھی بچے کی مانند ہے۔ اس کے منہ کو گناہ لگے ہوئے ہیں۔ گناہوں کا ذائقہ اور اس کی چاٹ لگی ہوئی ہے۔ اگر تم نے اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا کہ چلو کرنے دو، گناہ چھڑانے سے تکلیف ہوگی۔ نظر غلط جگہ پر پڑتی ہے اور اس کو ہٹانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ زبان کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اگر جھوٹ بولنا چھوڑیں گے تو بڑی تکلیف ہوگی۔ اور اس زبان کو مجلسوں کے اندر بیٹھ کر غیبت کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اگر اس کو روکیں گے تو بڑی دقت ہوگی۔ نفس ان باتوں کا عادی بن گیا ہے۔ رشوت لینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اللہ بچائے، سود کھانے کی عادت پڑ گئی۔ اور بہت سے گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے۔ اور اب ان عادتوں کو چھڑانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اگر نفس کی اس تکلیف سے گھبرا کر اور ڈر کر بیٹھ گئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری عمر نہ کبھی گناہ چھوٹیں گے، اور نہ قرار ملے گا۔

سکون اللہ کے ذکر میں ہے

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قرار اور سکون نہیں ہے، ساری دنیا کے اسباب و وسائل جمع کر لیے، لیکن اس کے باوجود سکون نصیب نہیں۔ چین نہیں ملتا۔ میں نے آپ کو ابھی مغربی معاشرے کی مثال دی تھی کہ وہاں پیسے کی ریل پیل، تعلیم کا معیار بلند، لذت حاصل کرنے کے سارے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے کہ جس طرح چاہو، لذت حاصل کرلو، لیکن اس کے باوجود یہ حال ہے کہ خواب آور گولیاں کھا کھا کر اس کی مدد سے سو رہے ہیں۔ کیوں! دل میں سکون وقرار نہیں، سکون کیوں نہیں ملا؟ اس لئے کہ گناہوں میں سکون کہاں تلاش کرتے پھر رہے ہو، یاد رکھو! ان گناہوں اور نافرمانیوں میں اور معصیتوں میں سکون نہیں۔ سکون تو صرف ایک چیز میں ہے، اور وہ ہے:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾(۱)

اللہ کی یاد میں اطمینان اور سکون ہے۔ اس واسطے یہ سمجھنا دھوکہ ہے کہ نافرمانیاں کرتے جائیں گے، اور سکون ملتا جائے گا۔ یاد رکھو! زندگی بھر نہیں ملے گا، اس دنیا سے تڑپ تڑپ کر جاؤ گے، اگر نافرمانیوں کو نہ چھوڑا تو سکون کی منزل حاصل نہ ہوگی۔

سکون اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو دیتے ہیں جن کے دل میں اس کی محبت ہو، جن کے دل میں اس کی یاد ہو، جن کا دل اس کے ذکر سے آباد ہو۔ ان کے سکون اور اطمینان کو دیکھو کہ ظاہری طور پر

---

(۱) الرعد: ۲۸

پریشان حال بھی ہیں، فقر ہے، فاقے بھی گزر رہے ہیں، لیکن دل کو سکون اور قرار کی نعمت میسر ہے۔ لہٰذا اگر دنیا کا بھی سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان نافرمانیوں اور گناہوں کو تو چھوڑنا پڑے گا، اور گناہوں کو چھوڑنے کے لئے ذرا سا مجاہدہ کرنا پڑے گا، نفس کے مقابلے میں ذرا سا ڈٹنا پڑے گا۔

اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا

اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بھی فرمالیا:

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾(۱)

جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ ماحول کا، معاشرے کا، نفس کا شیطان کا اور خواہشات کا تقاضا چھوڑ کر وہ ہمارے حکم پر چلنا چاہتے ہیں، تو ہم کیا کرتے ہیں:

﴿لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾(۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ "ہم ان کے ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے" یہ نہیں کہ دور سے دکھا دیا کہ "یہ راستہ ہے" بلکہ فرمایا کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے، لیکن ذرا کوئی قدم تو بڑھائے، ذرا کوئی ارادہ تو کرے، ذرا کوئی اپنے اس نفس کے مقابلے میں ایک مرتبہ ڈٹے تو سہی، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، جو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا "مجاہدہ" اسی کا نام ہے کہ ایک مرتبہ آدمی ڈٹ کر ارادہ کرلے کہ یہ کام نہیں کروں گا، دل پر آرے چل جائیں گے، خواہشات پامال ہو جائیں گی، دل و دماغ پر قیامت گزر جائے گی، لیکن یہ گناہ کا کام نہیں کروں گا، جس دن نفس کے سامنے ڈٹ گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ہمارا محبوب ہو گیا، اب ہم خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے جائیں گے۔

اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

اس لئے اصلاح کے راستے میں سب سے پہلا قدم "مجاہدہ" ہے اس کا عزم کرنا ہوگا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس سرہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

(۱) العنکبوت: ۶۹، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے"

(۲) العنکبوت: ۶۹، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے"

جو آرزوئیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں، وہ چاہے برباد ہو جائیں، چاہے ان کا خون ہو جائے، اب میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے۔ اب اس دل میں اللہ جل جلالہ کے انوار کا نزول ہوگا، اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزیں ہوگی، اب یہ گناہ نہیں ہوں گے، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور آدمی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔

یاد رکھو! کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چاہ رہا ہے، اور اللہ کی خاطر اس کام کو چھوڑنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، لیکن بعد میں اس تکلیف میں ہی مزہ آنے لگتا ہے، اور لطف آنے لگتا ہے۔ جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نفس کو جو کچل رہا ہوں اور آرزوؤں کا جو خون کر رہا ہوں، یہ اپنے مالک اور خالق کی خاطر کر رہا ہوں، اس میں جو مزہ اور کیف ہے آپ ابھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

ماں یہ تکلیف کیوں برداشت کرتی ہے؟

ماں کو دیکھئے کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے کہ سخت سردی کا عالم ہے، اور کڑکڑاتے جاڑے کی رات ہے، لحاف میں لیٹی ہوئی ہے، اور بچہ پاس پڑا ہے۔ اس حالت میں اس بچے نے پیشاب کر دیا، اب نفس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ گرم گرم بستر چھوڑ کر کہاں جاؤں، یہ تو جاڑے کا موسم ہے، گرم گرم بستر چھوڑ کر جانا تو بڑا مشکل کام ہے، لیکن ماں یہ سوچتی ہے کہ اگر میں نہ گئی تو بچہ گیلا پڑا رہے گا، اس کے کپڑے گیلے ہیں۔ اس طرح گیلا پڑا رہے گا، تو کہیں اس کو بخار نہ ہو جائے۔ اس کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ وہ بے چاری اپنے نفس کا تقاضا چھوڑ کر سخت کڑاکے کے جاڑے میں باہر جا کر ٹھنڈے پانی سے اس کے کپڑے دھو رہی ہے، اور اس کے کپڑے بدل رہی ہے، یہ کوئی معمولی مشقت ہے؟ معمولی تکلیف ہے؟ لیکن ماں یہ تکلیف برداشت کر رہی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اپنے بچے کی فلاح اور اس کی صحت ماں کے پیش نظر ہے، اس لئے وہ اس سخت جاڑے میں اپنے نفس کے تقاضے کو پامال کر کے یہ سارے کام کر رہی ہے۔

محبت تکلیف کو ختم کر دیتی ہے

ایک عورت کا کوئی بچہ نہیں ہے، کوئی اولاد نہیں، وہ کہتی ہے، بھائی! کسی طرح میرا علاج کراؤ، تاکہ بچہ ہو جائے، اولاد ہو جائے، اور اس کے لئے دعائیں کراتی پھرتی ہے کہ دعا کرو اللہ میاں سے مجھے اولاد دیدے، اور اس کے لئے تعویذ، گنڈے اور خدا جانے کیا کیا کراتی پھر رہی ہے، ایک دوسری عورت اس سے کہتی ہے کہ ارے! تو کس چکر میں پڑی ہے؟ بچہ پیدا ہوگا تو تجھے بہت سی مشقتیں اُٹھانی

پڑیں گی، جاڑے کی راتوں میں اُٹھ کر ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھونے ہوں گے، تو وہ عورت جواب دیتی ہے کہ میرے ایک بچے پر ہزار جاڑوں کی راتیں قربان ہیں، اس لئے کہ اس بچے کی قدر و قیمت اور اس کے دولت ہونے کا احساس اس کے دل میں ہے، اس واسطے اس ماں کے لئے ساری تکلیفیں راحت بن گئیں، وہ ماں جو اللہ سے مانگ رہی ہے کہ یا اللہ! مجھے اولاد دیدے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اولاد کی جتنی ذمہ داریاں ہیں، جتنی تکلیفیں ہیں، وہ دیدے، لیکن وہ تکلیفیں اس کی نظر میں تکلیفیں ہی نہیں، بلکہ وہ راحت ہیں۔ اب جو ماں جاڑے کی رات میں اُٹھ کر کپڑے دھو رہی ہے اس کو طبعی طور پر تکلیف تو ضرور ہو رہی ہے، لیکن عقلی طور پر اسے اطمینان ہے میں یہ کام اپنے بچے کی بھلائی کی خاطر کر رہی ہوں، جب یہ اطمینان ہوتا ہے تو اس وقت اسے اپنی آرزوؤں کو کچلنے میں بھی لطف آنے لگتا ہے۔ اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں ؎

از محبت تلخہا شیریں شود

کہ جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو کڑوی سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی معلوم ہونے لگتی ہیں، جن کاموں میں تکلیف ہو رہی تھی، محبت کی خاطر ان میں بھی مزہ آنے لگتا ہے، لطف آنے لگتا ہے کہ میں یہ کام محبت کی وجہ سے کر رہا ہوں، محبت کی خاطر کر رہا ہوں۔

مولیٰ کی محبت لیلیٰ سے کم نہ ہو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں محبت کی بڑی عجیب حکایتیں لکھی ہیں، لیلیٰ مجنوں کا قصہ لکھا ہے کہ مجنوں لیلیٰ کی خاطر کس طرح دیوانہ بنا، اور کیا کیا مشقتیں اُٹھائیں، دودھ کی نہر نکالنے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا، اور کام شروع بھی کر دیا، یہ ساری مشقتیں اُٹھا رہا ہے، کوئی اس سے کہے کہ تو یہ جو کام کر رہا ہے، یہ بڑی مشقت کا کام ہے، اسے چھوڑ دے، تو وہ کہتا ہے کہ ہزار مشقتیں قربان، جس کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں، اس کی محبت میں کر رہا ہوں، مجھے تو اسی نہر کے کھودنے میں مزہ آ رہا ہے، اس لئے کہ یہ میں اپنی محبوبہ کی خاطر کر رہا ہوں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولیٰ کا عشق حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے۔ مولیٰ کے لئے گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے، لہٰذا جب آدمی محبت کی خاطر یہ تکلیفیں اُٹھاتا ہے تو پھر بڑا لطف آنے لگتا ہے۔

تنخواہ سے محبت ہے

ایک آدمی ملازمت کرتا ہے، جس کے لئے صبح کو سویرے اُٹھنا پڑتا ہے، اچھی خاصی سردی میں

بستر پر لیٹا ہوا ہے، اور جانے کا وقت آگیا تو بستر چھوڑ کر جا رہا ہے، نفس کا تقاضا تو یہ تھا کہ گرم گرم بستر میں پڑا رہتا، لیکن گھر چھوڑ کر بیوی بچوں کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اور سارا دن محنت کی چکی پینے کے بعد رات کو کسی وقت گھر واپس آتا ہے۔ اور بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو صبح اپنے بچوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر جاتے ہیں، اور رات کو واپس آکر سوتا ہوا پاتے ہیں۔ غرض وہ شخص یہ سب تکلیفیں برداشت کر رہا ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ ارے بھائی! تم ملازمت میں بہت تکلیف اٹھا رہے ہو، چلو میں تمہاری ملازمت چھڑوا دیتا ہوں۔ وہ جواب دے گا، نہیں، بھائی نہیں، بڑی مشکل سے تو یہ ملازمت لگی ہے، اس کو مت چھڑوانا۔ اس کو صبح سویرے اٹھ کر جانے میں ہی مزہ آرہا ہے، اور اولاد کو بیوی کو چھوڑ کر جانے میں بھی مزہ آرہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کو اس تنخواہ سے محبت ہو گئی ہے جو مہینے کے آخر میں ملنے والی ہے، اس محبت کے نتیجے میں یہ ساری تکلیفیں شیریں بن گئیں۔ اب اگر کسی وقت ملازمت چھوٹ گئی تو روتا پھر رہا ہے کہ ہائے وہ دن کہاں گئے، جب صبح کو سویرے اٹھ کر جایا کرتا تھا، اور لوگوں سے سفارشیں کراتا پھر رہا ہے کہ مجھے ملازمت پر دوبارہ بحال کر دیا جائے۔ اگر محبت کسی چیز سے ہو جائے تو اس راستے کی ساری تکلیفیں آسان اور مزیدار ہو جاتی ہیں، اسی میں لطف آنے لگتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف ضرور ہے، شروع میں مشقت ہوگی، لیکن جب ایک مرتبہ ڈٹ گئے، اور اس کے مطابق عمل شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی ہوگی، اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس تکلیف میں مزہ آنے لگے گا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مزہ آنے لگے گا۔

عبادت کی لذت سے آشنا کر دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ بڑی عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسان کے اس نفس کو لذت اور مزہ چاہئے، اس کی خوراک لذت اور مزہ ہے، لیکن لذت اور مزے کی کوئی خاص شکل اس کو مطلوب نہیں کہ فلاں قسم کا مزہ چاہئے، اور فلاں قسم کا نہیں چاہئے، بس اس کو تو مزہ چاہئے۔ اب تم نے اس کو خراب قسم کے مزے کا عادی بنا دیا ہے، خراب قسم کی لذتوں کا عادی بنا دیا ہے، ایک مرتبہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی لذت سے آشنا کر دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کی لذت سے آشنا کر دو پھر یہ نفس اسی میں لذت اور مزہ لینے لگے گا۔

مجھے تو دن رات بے خودی چاہئے

غالب کا ایک مشہور شعر ہے، خدا جانے لوگ اس کا کیا مطلب لیتے ہوں گے، لیکن ہمارے

حضرت مجذوبؒ نے اس کا بڑا اچھا مطلب نکالا ہے، وہ شعر ہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

شراب سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں، مجھے تو دن رات لذت کی بے خودی چاہئے، تم نے مجھے شراب کا عادی بنادیا تو مجھے شراب میں بے خودی حاصل ہوگئی، شراب میں لذت آنے لگی، اگر تم مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر اور اس کی اطاعت کا عادی بنادیتے تو یہ بے خودی مجھے اللہ کے ذکر میں حاصل ہوجاتی، میں تو اسی میں خوش ہوجاتا، لیکن یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم نے مجھے ان چیزوں کے بجائے شراب کا عادی بنادیا۔

نفس کو کچلنے میں مزہ آئے گا

اسی طرح یہ مجاہدہ شروع میں تو بڑا مشکل لگتا ہے کہ بڑا کٹھن سبق دیا جارہا ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرو، اپنے نفس کی خواہشات کی خلاف ورزی کرو۔ نفس تو چاہ رہا ہے کہ غیبت کروں، مجلس میں غیبت کرنے کا موضوع بھی آگیا، اب جی چاہ رہا ہے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں، اب اس وقت اس کو لگام دینا کہ نہیں، یہ کام مت کرو۔ یہ بڑا مشکل کام لگتا ہے، لیکن یاد رکھئے کہ دور دور سے یہ مشکل نظر آتا ہے، جب آدمی نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ یہ کام نہیں کروں گا، تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور فضل وکرم سے مدد بھی ہوگی، اور پھر تم نے اس لذت آرزو اور خواہش کو جو کچلا ہے، اس کچلنے میں جو مزہ آئے گا انشاء اللہ تم انشاء اللہ اس کی حلاوت اس غیبت کی لذت سے کہیں زیادہ ہوگی۔

ایمان کی حلاوت حاصل کرلو

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کے دل میں تقاضا پیدا ہوا کہ نگاہ غلط جگہ پر ڈالوں۔ اور کون شخص ہے جس کے دل میں یہ تقاضا نہیں ہوتا، اب دل بڑا کسمسا رہا ہے کہ اس کو دیکھ ہی لوں، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خشیت کے خیال سے نظر کو بچالیا، اور نگاہِ بد نہیں ڈالی، بڑی تکلیف ہوئی، دل پر آرے چل گئے، لیکن اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے دیکھنے کی لذت ہیچ ہے، یہ نبی کریم ﷺ کا وعدہ ہے، اور حدیث میں موجود ہے۔ (۱)

یہ وعدہ صرف نگاہ کے گناہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر گناہ چھوڑنے پر یہ وعدہ ہے، مثلاً

(۱) مسند أحمد (٥/٢٦٤)

غیبت میں بڑا مزہ آرہا ہے، لیکن ایک مرتبہ آپ نے اللہ جل جلالہ کے خیال سے غیبت چھوڑ دی، اور غیبت کرتے کرتے رک گئے ۔ اللہ کے ڈر کے خیال سے غیبت کا کلمہ زبان پر آتے آتے رک گیا، پھر دیکھو کیسی لذت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان گناہوں کی لذتوں کے مقابلے میں اس لذت کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

حاصلِ تصوف

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی، یاد رکھنے کے لائق ہے، فرمایا:

> ''وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب دل میں کسی اطاعت کے کرنے میں سستی پیدا ہو، مثلاً نماز کا وقت ہو گیا، لیکن نماز کو جانے میں سستی ہو رہی ہے، اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جب گناہ سے بچنے میں دل سستی کرے تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے''

پھر فرمایا:

> ''بس! اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے، اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے، اس کو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں''

لہٰذا نفسانی خواہشات پر آرے چلا چلا کر اور ہتھوڑے مار مار کر جب اس کو کچل دیا تو اب وہ نفس کچلنے کے نتیجے میں اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن گیا۔

دل تو ہے ٹوٹنے کے لئے

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک مثال دیا کرتے تھے۔ اب تو وہ زمانہ چلا گیا، پہلے زمانے میں یونانی حکیم ہوا کرتے تھے، وہ کشتہ بنایا کرتے تھے، سونے کا کشتہ، چاندی کا کشتہ، سنکھیا کا کشتہ، اور نہ جانے کیا کیا کشتے تیار کرتے تھے اور کشتہ بنانے کے لئے وہ سونے کو جلاتے تھے اور اتنا جلاتے تھے کہ وہ سونا راکھ بن جاتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ سونے کو جتنا زیادہ جلایا جائے گا، اتنا ہی اس کی طاقت میں اضافہ ہوگا، اب جلا جلا کر جب کشتہ تیار کیا تو وہ کشتہ طلا تیار ہو گیا، کوئی اس کو ذرا سا کھالے تو پتہ نہیں کہاں کی قوت آجائے گی، تو جب سونے کو جلا جلا کر مٹا مٹا کر پامال کر کر کے راکھ بنا دیا تو اب یہ کشتہ تیار ہو گیا۔

ہمارے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ان خواہشاتِ نفس کو جب کچلو گے، اور کچل کچل کر پیس پیس کر راکھ بنا کر فنا کر دو گے، تب یہ کشتہ بن جائے گا، اس میں اللہ جل جلالہ

کے ساتھ تعلق کی قوت آجائے گی، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت آجائے گی۔ اب دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ بن جائے گا، اس دل کو جتنا توڑو گے، اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب بنے گا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

تم اس پر جتنی چوٹیں لگاؤ گے، اتنا ہی یہ بنانے والے کی نگاہ میں محبوب ہوگا۔ بنانے والے نے اس کو اسی لئے بنایا ہے کہ اسے توڑا جائے، اس کی خاطر اس کی خواہشات کو کچلا جائے۔ اور جب وہ کچل جاتا ہے تو کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کیا اچھا شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

یہ کہہ کے کوزہ گر نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

اور کچھ بنائیں گے، یعنی جو وہ چاہیں گے، وہ بنائیں گے، لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ خواہشاتِ نفس کو کچلنے سے جو چوٹیں لگ رہی ہیں، اور جو تکلیف ہو رہی ہے وہ بیکار جا رہی ہیں بلکہ اس کے بعد جب یہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت کا محل بنے گا، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کا محل بنے گا، اس وقت اس کو جو حلاوت نصیب ہوگی، خدا کی قسم اس کے مقابلے میں گناہوں کی یہ ساری لذتیں خاک در خاک ہیں، انکی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت ہم سب کو نصیب فرمائیں، بس! شروع میں تھوڑی سی محنت اور مشقت اُٹھانی پڑے گی۔ اور اسی کا نام مجاہدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی بات کو حدیث شریف میں اس طرح بیان فرمایا:

((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ))(۱)

''مجاہد درحقیقت وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے''

اپنے نفس کی خواہشات کو اللہ کی خاطر کچلے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اپنے نفس کی خواہشات کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بچائے، اور ان خواہشاتِ نفس کو قابو کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(۱) سنن الترمذی، کتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطًا، رقم: ۱۵٤٦، مسند أحمد، رقم: ۲۲۸۳۳

دل کی بیماریاں
اور
طبیبِ روحانی کی ضرورت ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))(۱)

اخلاق کی درستگی اور اس کو اللہ جل جلالہ کے احکام کے مطابق بنانا اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی اہم اور واجب ہے جتنا کہ عبادات کو بجالانا ضروری ہے، بلکہ اگر ذرا اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ عبادات، معاملات اور معاشرت کے جتنے احکام ہیں، ان میں سے کوئی بھی حکم اس وقت تک صحیح طریقے سے بجا نہیں لایا جاسکتا، جب تک اخلاق درست نہ ہوں۔ اگر اخلاق درست نہ ہوں تو بعض اوقات یہ نماز روزہ بھی بیکار ہوجاتا ہے۔ نہ صرف بیکار، بلکہ اُلٹا وبال بن جاتا ہے، اسی لئے اخلاق کی درستگی اور ان کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق بنانا عملی زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ بنیاد نہ ہو تو عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔

اخلاق کی حقیقت واہمیت

اخلاق کا مطلب آج کل عرفِ عام میں کچھ اور سمجھا جاتا ہے اور جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں وہ کچھ اور ہے۔ عرفِ عام میں اخلاق اس کو کہتے ہیں کہ ذرا مسکرا کر کسی آدمی سے مل لیے، اس

☆ اصلاحی خطبات (۳/۷۶ تا ۹۲)، ۱۸ دسمبر ۱۹۹۱ء، بروز جمعہ، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) سنن البیھقی الکبری، رقم: ۱۰۱۸۰ (۵/۲۶۵)، صحیح ابن حبان، رقم: ۲۹۷ (۱/۵۳۳)، الزواجر عن اقتراف الکبائر (۱/۱۹۸)، اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ (۷/۱۳٤)، مستخرج أبي عوانۃ، رقم: ٤٤٤٣ (۱۱/۱٤۳)، الزھد الکبیر للبیھقی، رقم: ۸۷۲ (۲/۳۷۸)، الأربعون للفسوی، رقم: ۳۸ (۱/٦۳)

کے ساتھ خندہ پیشانی سے، نرمی سے بات کرلی، اس کو کہتے ہیں کہ یہ بہت خوش اخلاق آدمی ہے، اس کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ لیکن جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں اور جس اخلاق کا مطالبہ دین نے ہم سے کیا ہے اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ صرف اتنی بات نہیں ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے مل لیے۔ یہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے لیکن اصل اخلاق یہ نہیں ہے۔ بلکہ اصل اخلاق انسان کے باطن کی، اس کے دل کی، اس کی روح کی ایک صفت ہے۔ انسان کے باطن کے اندر مختلف قسم کے جذبات، خیالات، خواہشات پروان چڑھتے ہیں، ان کو اخلاق کہتے ہیں اور ان کو درست کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

روح کی اہمیت

اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کس کو کہتے ہیں؟ انسان نام ہے جسم اور روح کے مجموعے کا۔ صرف جسم کا نام انسان نہیں بلکہ انسان وہ جسم ہے جس میں روح موجود ہو۔ فرض کرو کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ بتایئے کہ اس کے ظاہری جسم میں کیا فرق واقع ہوا؟ آنکھ اسی طرح موجود ہے، ناک اسی طرح موجود ہے، کان اسی طرح موجود ہیں، زبان اسی طرح موجود ہے، چہرہ ویسا ہی ہے، ہاتھ پاؤں ویسے ہی ہیں۔ سارا جسم جوں کا توں ہے لیکن کیا فرق پیدا ہوا؟ فرق یہ ہوا کہ پہلے اس جسم کے اندر روح سمائی ہوئی تھی، اب وہ روح نکل گئی۔ اور روح کے نکل جانے سے انسان، انسان نہیں رہتا، لاش بن جاتا ہے، جمادات میں داخل ہو جاتا ہے۔

جلدی سے دفن کردو

وہی انسان جو روح نکلنے سے پہلے دیکھنے والوں کی نگاہوں کا پیارا تھا، عزیز تھا، لوگ اس سے محبت کرتے تھے، زمین جائداد کا مالک تھا، بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا تھا، دوست احباب کا عزیز تھا، سبھی کچھ تھا، لیکن ادھر روح جسم سے نکلی، ادھر نہ تو زمین جائداد اس کی رہی، نہ وہ بیوی کا شوہر رہا اور نہ بچوں کا خبر گیری کرنے والا رہا۔ جو لوگ اس سے محبت کرتے تھے، اس کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، اب وہ اس فکر میں ہیں کہ جلد از جلد اس کو اُٹھا کر قبر میں پہنچا کر ٹھکانے لگائیں۔ کوئی کہے کہ بھئی یہ تمہارا عزیز ہے اس کو ذرا اپنے گھر میں رکھ لو، تو کوئی اس کو رکھنے کو تیار نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو دن رکھے گا، بہت کوئی رکھ لے گا تو برف وغیرہ لگا کر ہفتہ بھر رکھ لے گا، لیکن اس سے زیادہ کوئی نہیں رکھے گا۔ اب سب اس فکر میں ہیں کہ جلد سے جلد اُٹھا کر اس کو قبر میں ڈالو اور دفن کرو۔ وہی محبت کرنے والے جو دن رات اس کی چشم و آبرو کو دیکھتے تھے، اس کے اشاروں

پر ناچتے تھے، روح کے نکلنے کے بعد اب یہ حالت ہوگئی کہ بیٹا اپنے ہاتھ سے باپ کو قبر میں رکھنا چاہتا ہے اور مٹی دے کر جلد از جلد اس کو دفن کر دینا چاہتا ہے، بلکہ کسی نے قصہ بتایا کہ اخبار میں چھپا تھا کہ ایک آدمی کو، جسے شاید سکتہ ہوگیا تھا، لوگوں نے غلطی سے مردہ سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب سکتہ ختم ہوا تو وہ بیچارہ قبر پھاڑ کر کسی طرح گھر پہنچا۔ جب اس نے دستک دی تو باپ نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے۔ جب اس نے اپنا نام بتایا تو باپ گھر سے لاٹھی لے کر نکلا اور لاٹھی سے اس کو مارا کہ یہ اس کا بھوت کہاں سے آگیا۔ جو غریب پہلے نہیں مرا تھا، اب لاٹھی سے مر گیا۔

آخر یہ کیا انقلابِ عظیم واقع ہوا کہ سارا جسم اسی طرح ہے جیسے پہلے تھا مگر اب کوئی اس کو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں۔ فرق یہ واقع ہوا کہ اس کے جسم سے روح نکل گئی۔ معلوم یہ ہوا کہ انسان کے جسم کے اندر اصل چیز اس کی روح ہے۔ جب تک یہ روح انسان کے اندر موجود ہے اس وقت تک انسان انسان ہے، لیکن جب یہ روح نکل جائے تو پھر وہ انسان نہیں ہے، محض ایک لاش ہے جس سے کسی کو کوئی تعلق نہیں، سب اس فکر میں ہیں کہ اس کو جلد سے جلد قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیں۔

روح کی بیماریاں

جس طرح انسان کے جسم کے اندر بہت سی صفات ہوتی ہیں کہ بعض اوقات جسم صحتمند ہے، خوبصورت ہے، طاقتور ہے، توانا ہے اور بعض دفعہ جسم نحیف کمزور، دبلا پتلا، بیمار، بدصورت ہے، اسی طرح انسان کی روح کی بھی کچھ صفات ہوتی ہیں۔ بعض اوقات روح طاقتور ہوتی ہے اور بعض اوقات کمزور ہوتی ہے۔ بعض اوقات روح اچھی صفات کی مالک ہوتی ہے اور بعض اوقات خراب صفات کی مالک ہوتی ہے۔ جس طرح انسان کے جسم کو بیماریاں لگتی ہیں کہ کبھی بخار ہوگیا، کبھی پیٹ خراب ہوگیا، کبھی قبض ہوگیا، کبھی دست آگئے، اسی طرح روح کو بھی بیماریاں لگتی ہیں۔ روح کو کیا بیماریاں لگتی ہیں؟ روح کو یہ بیماریاں لگتی ہیں کہ کبھی اس میں تکبر پیدا ہوگیا، کبھی اس میں حسد پرورش پانے لگا، کبھی اس میں بغض پیدا ہوگیا، کبھی اس میں ناشکری پیدا ہوگئی۔ یہ ساری کی ساری روح کی بیماریاں ہیں۔

روح کا حسن وجمال

اسی طرح جیسے انسان کے جسم کی خوبصورتی ہے مثلاً کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ بہت خوبصورت ہے، اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں، اس کا جسم بہت خوبصورت ہے۔ اسی طرح روح کی بھی کچھ خوبصورتی ہے، اس کا بھی کچھ جمال ہے، اس کا بھی کچھ حسن ہے۔ روح کا حسن کیا ہے؟ روح کا حسن یہ ہے کہ انسان کے اندر تواضع ہو، صبر وشکر ہو، اخلاص ہو، خود پسندی نہ ہو، ریاکاری نہ ہو۔ یہ سب روح

کا حسن و جمال ہے۔

جسمانی عبادات

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو بہت سے احکام دیئے ہیں۔ جن کا تعلق ہمارے ظاہری جسم سے ہے، مثلاً نماز ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے؟ جسم کو کبھی کھڑا کیا جاتا ہے، کبھی رکوع میں چلے جاتے ہیں، کبھی سجدے میں چلے جاتے ہیں، کبھی سلام پھیرتے ہیں۔ یہ ساری حرکات جسم کے ذریعے انجام پاتی ہیں۔ تو یہ ایک جسمانی عبادت ہے۔ روزہ کس طرح رکھتے ہیں؟ ایک مقررہ وقت تک بھوکے پیاسے رہتے ہیں، یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے۔ مال کی ایک خاص مقدار محتاج کو دینا فرض کیا گیا ہے، جس کو زکوٰۃ کہتے ہیں، یہ بھی اپنے ہاتھ سے دی جاتی ہے۔ اور حج بھی ایک جسمانی اور مالی عبادت ہے۔ حج کے اندر محنت کرنی پڑتی ہے، سفر کرنا پڑتا ہے، خاص ارکان انجام دینے پڑتے ہیں۔ یہ سارے کام جسم سے ادا کیے جاتے ہیں، اس لئے یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے۔

تواضع دل کا فعل ہے

جس طرح یہ ساری عبادتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے جسم سے متعلق رکھی ہیں، اسی طرح بہت سے فرائض ہماری روح اور باطن سے متعلق رکھے ہیں، مثلاً یہ حکم دیا کہ ہر انسان کو تواضع اختیار کرنی چاہئے۔ اب یہ تواضع جسم کا فعل نہیں ہے۔ یہ دل کا فعل ہے، باطن کا فعل ہے، روح کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ صفت اپنے دل میں پیدا کی جائے۔

بہت سے بے پڑھے لکھے لوگ تواضع کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ کوئی مہمان آیا تو اس کی خاطر تواضع کردو، کچھ کھانا وغیرہ اس کو کھلا دو، اس کو تواضع کہتے ہیں۔ تواضع کا مطلب یہ نہیں ہے۔ جو کچھ پڑھے لکھے ہیں، وہ بھی تواضع کا مطلب سمجھتے ہیں انکسار، دوسروں سے انکساری کے ساتھ پیش آنا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی کی ذرا گردن جھکی ہوئی ہو، کچھ سینہ مڑا ہوا ہو، تو جو آدمی اس طرح لوگوں سے ملتا ہے، اس کو کہتے ہیں بڑا منکسر المزاج آدمی ہے، بہت متواضع ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ تواضع کا کوئی تعلق جسم سے نہیں ہے۔ تواضع کا تعلق قلب اور روح سے ہے۔ انسان اپنے دل میں اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھے کہ میری کوئی حقیقت نہیں ہے، میری کوئی قدرت نہیں ہے، میں تو ایک بیکس، بے بس بندہ ہوں۔ یہ خیال دل کے اندر پیدا ہو جائے، اس کو کہتے ہیں تواضع، اور اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

اخلاص دل کی ایک کیفیت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخلاص کا حکم دیا ہے کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کرو۔ عبادتوں میں اخلاص پیدا کرو، جو کام کرو اللہ جل جلالہ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے کرو، یہ ہے اخلاص۔ اخلاص زبان سے کہنے سے نہیں حاصل ہوتا۔ یہ دل کی ایک کیفیت ہے، باطن کی ایک صفت ہے، جس کو حاصل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

شکر دل کا عمل ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے شکر کا حکم دیا ہے کہ جب کوئی نعمت تمہیں حاصل ہو تو اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرو۔ یہ شکر بھی انسان کے قلب کا فعل ہے، انسان کی روح کا فعل ہے۔ جتنا شکر ادا کرے گا، روح اتنی ہی زیادہ طاقتور ہوگی۔

صبر کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے کہ اگر کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو سمجھو کہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ہے، جو کچھ بھی ہوا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت سے ہوا ہے، اس کی مشیت کے مطابق ہے۔ چاہے یہ مجھ کو کتنا ہی ناگوار ہو لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی مصلحت اسی میں تھی۔ انسان ہر ناگوار واقعے کے وقت یہ سوچے اور اس کا احساس دل میں پیدا کرے، اس کو صبر کہتے ہیں۔

اخلاقِ باطنہ کا حصول فرض ہے

لہٰذا بہت سے احکام ایسے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری روح اور ہمارے باطن سے متعلق ہم کو عطا فرمائے ہیں۔ یاد رکھئے کہ صبر کے موقع پر صبر کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے، شکر کے موقع پر شکر کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ روزہ رکھنا فرض ہے، اخلاص کے موقع پر اخلاص کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ یہ سب بھی فرائض ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے ہیں۔

باطنی بیماریاں حرام ہیں

بہت سے کام ظاہری اور جسمانی اعتبار سے گناہ قرار دیئے گئے ہیں، مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت

کرنا، رشوت لینا، سود کھانا، شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا۔ یہ سارے کے سارے کام گناہ ہیں جو ہمارے ظاہری جسم سے متعلق ہیں، ہمارے اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے باطنی کاموں کو بھی گناہ قرار دیا ہے، مثلاً تکبر ایک باطنی بیماری ہے جو ہاتھ پاؤں سے انجام نہیں دی جاتی، یہ انسان کے باطن کا ایک روگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور یہ اتنا ہی حرام ہے جتنا شراب پینا حرام ہے، جتنا سور کھانا حرام ہے، جتنا زنا اور بدکاری کرنا حرام ہے۔ اسی طرح حسد بھی ایک باطنی بیماری ہے اور اس کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور یہ بھی اتنا ہی حرام ہے جتنے وہ گناہ حرام ہیں جن کا میں نے پہلے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے باطن اور روح سے متعلق بھی کچھ احکام رکھے ہیں۔ کچھ صفات کو پیدا کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ صفات سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ جن صفات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کرنے کا حکم دیا ہے، وہ صفات اپنے باطن کے اندر پیدا کرلے اور جن صفات سے بچنے کا حکم دیا ہے وہ صفات اپنے باطن سے الگ کرلے تو کہیں گے کہ اس کے اخلاق درست ہوگئے۔ اخلاق انہی باطنی کیفیات اور روح کی صفات کا نام ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اچھے اخلاق جن کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے، ان کو اخلاقِ فاضلہ اور برے اخلاق جن کو دور کرنا چاہئے، ان کو اخلاقِ رذیلہ کہتے ہیں۔

اُمید ہے کہ اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اخلاق کا مطلب ایک دوسرے سے اچھی طرح بات کرلینا یا اچھی طرح مسکرا دینا نہیں ہے۔ یہ اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ جب اخلاق درست ہوجاتے ہیں تو انسان کا رویہ ہر دوسرے انسان کے ساتھ بہتر ہوجاتا ہے، لیکن بنیادی طور پر اس کو اخلاق نہیں کہتے۔ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا باطن درست ہوجائے، اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوجائیں، اخلاقِ رذیلہ دور ہوجائیں اور انسان کا باطن اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق ڈھل جائے۔

غصہ کی حقیقت

اخلاق کی اصلاح کیسے ہوتی ہے؟ یہ بات ایک مثال کے ذریعے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائے گی، مثلاً غصہ انسان کے باطن کی ایک صفت ہے۔ یہ غصہ انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے، پھر اس کا مظاہرہ بعض اوقات ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے، بعض اوقات زبان سے۔ جب غصہ آگیا اور غصے سے مغلوب ہوگیا تو چہرہ سرخ ہوگیا، رگیں تن گئیں، زبان بے قابو ہوکر اول فول بکنے لگی، ہاتھ پاؤں چلنے لگے۔ یہ غصہ کا نتیجہ ہے لیکن اصل غصہ اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

یہ غصہ ایسی چیز ہے کہ بے شمار باطنی رذائل کی بنیاد اور جڑ ہے، اس کی وجہ سے بہت سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور بہت سی باطنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

غصہ نہ آنا ایک بیماری ہے

اگر یہ غصہ انسان میں بالکل بھی نہ ہو، کوئی کچھ بھی کرتا رہے، لیکن اس کو کبھی غصہ آتا ہی نہیں، یہ بھی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو غصہ اس مقصد کے لئے دیا ہے کہ انسان اپنا، اپنی جان کا، اپنی آبرو کا، اپنے دین کا دفاع کر سکے۔ اب اگر کوئی شخص پستول تانے کھڑا ہے اور اس کی جان لینا چاہتا ہے اور ان صاحب کو غصہ آتا ہی نہیں، یہ بیماری ہے۔ اگر کوئی آدمی نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو اس وقت ایک آدمی کو غصہ آتا ہی نہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ یہ بیمار ہے۔ یہ مواقع ایسے تھے کہ غصہ آنا چاہئے تھا، اگر نہیں آرہا تو یہ بیماری ہے۔

غصہ میں بھی اعتدال مطلوب ہے

اور اگر غصہ حدِ اعتدال سے زیادہ ہے تو یہ بھی بیماری ہے۔ غصہ اس لئے آئے تاکہ دوسرے آدمی کے شر سے اپنی حفاظت کر سکے۔ اس حد تک تو غصہ صحیح ہے۔ اب اگر غصہ کرنے کی جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ کر رہا ہے۔ مثلاً ایک تھپڑ مار دینے سے کام چل سکتا تھا لیکن اب یہ غصہ میں آکر ایک تھپڑ کے بجائے مارے چلا جا رہا ہے۔ یہ غصہ حدِ اعتدال سے زیادہ ہے اور گناہ ہے۔ لہٰذا غصہ اگر کم ہو تو یہ بھی باطن کی بیماری اور زیادہ ہو تو یہ بھی باطن کی بیماری۔ غصہ اعتدال کی حد میں ہونا چاہئے کہ ضرورت کے موقع پر آئے اور بلا ضرورت نہ آئے اور اگر بلا ضرورت آئے بھی تو آدمی اس کو استعمال نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غصہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ کہہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں سننے والے تھے۔ وہ اس یہودی کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ یہودی نے جب دیکھا کہ اب کچھ اور نہیں کر سکتا تو اس نے وہیں زمین پر لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ اب تو اس نے مزید گستاخی کی۔ اس کو اور مارنا چاہئے تھا۔ فرمایا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ پہلے میں نے اس کو اس لئے سزا دی تھی کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔

اس وقت میرا غصہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا، بلکہ نبی کریم ﷺ کی ناموس کی حفاظت کے لئے تھا۔ اس واسطے میں اس پر چڑھ بیٹھا۔ جب اس نے مجھ پر تھوکا تو میرے دل میں اپنی ذات کے لئے غصہ پیدا ہوا کہ اس نے میرے منہ پر کیوں تھوکا۔ اپنی ذات کا انتقام لینے کا جذبہ میرے دل میں پیدا ہوا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ اپنی ذات کے لئے انتقام لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اس لئے میں اسے چھوڑ کر الگ کھڑا ہو گیا۔ یہ ہے غصے میں اعتدال کہ پہلے غصے کا صحیح موقع تھا تو غصہ آیا اور اس پہ عمل بھی کیا اور دوسرا غصے کا صحیح موقع نہیں تھا اس لئے اس پر عمل نہیں کیا اور اس یہودی کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔

اعتدال کی ضرورت

انسان کے باطن کے جتنے بھی اخلاق ہیں ان سب کا یہی حال ہے کہ اپنی ذات میں وہ برے نہیں ہوتے۔ جب تک وہ حدِ اعتدال میں رہیں اس وقت تک وہ صحیح ہیں لیکن اگر اعتدال سے کم ہو گئے تو وہ بھی بیماری اور اعتدال سے زیادہ ہو گئے تو وہ بھی بیماری، اصلاحِ نفس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان اخلاق کو اعتدال پر رکھا جائے، نہ کم ہوں نہ زیادہ ہوں۔

دل کی اہمیت

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))

یعنی خوب یاد رکھو کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا جس کی وجہ سے سارا جسم صحیح ہوتا ہے یا خراب ہوتا ہے وہ انسان کا دل ہے۔ مگر اس لوتھڑے سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں ہے، اس لئے کہ اگر دل کو چیر کر دیکھو تو اس میں یہ بیماریاں نظر نہیں آئیں گی، نہ تکبر نظر آئے گا، نہ حسد نظر آئے گا، نہ بغض نظر آئے گا، اور اگر ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو وہ دل کی ظاہری بیماریاں چیک کر کے بتادے گا کہ اس کی دھڑکن صحیح ہے یا نہیں ہے، رگیں صحیح کام کر رہی ہیں یا نہیں، اس میں خون کی سپلائی صحیح ہو رہی ہے یا نہیں۔ لیکن یہ تمام چیزیں جو چیک اپ اور آلات کے ذریعے معلوم کی جا سکتی ہیں، یہ دل کے صرف ظاہری عمل کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔

یہ ان دیکھی بیماریاں ہیں

لیکن انسان کے قلب کے ساتھ کچھ چیزیں ایسی وابستہ ہیں جو ان دیکھی ہیں، آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ وہ یہ ہیں جن کا میں نے اُوپر ذکر کیا، یعنی یہ کہ دل میں شکر ہے یا نہیں؟ حسد ہے یا نہیں؟ بغض ہے یا نہیں؟ صبر وشکر کی کیفیات ہیں یا نہیں؟ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ظاہری امراض کا ڈاکٹر دیکھ کر نہیں بتا سکتا اور کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی ہے جس کے ذریعے چیک کر کے بتا دیا جائے کہ اس کو یہ باطنی بیماری ہے۔

دل کے ڈاکٹر، صوفیاء کرام

اس بیماری کے ڈاکٹر، اس کی تشخیص کرنے والے، اس کا علاج کرنے والی کوئی اور ہی قوم ہے۔ یہی وہ قوم ہے جن کو "حضرات صوفیاء کرام" کہتے ہیں۔ جو علم الاخلاق کے ماہر ہوتے ہیں، باطن کی بیماریوں کی تشخیص اور ان کا علاج کرتے ہیں۔ یہ ایک مستقل فن ہے، ایک مستقل علم ہے، اس کو بھی اسی طریقے سے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جس طرح ڈاکٹری پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔

پھر آپ نے ظاہری بیماری میں دیکھا ہوگا کہ بہت سی ظاہری بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کا انسان کو خود پتہ لگ جاتا ہے۔ بخار ہو گیا تو معلوم ہوگا کہ گرمی لگ رہی ہے، بدن میں درد ہے، معلوم ہوگا کہ بخار ہے، بیمار خود بھی پہچان لے گا کہ بخار ہے اور اگر خود نہیں پہچان سکے گا تو تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لے گا، اس سے پتہ چل جائے گا کہ بخار ہے۔ اگر خود بھی نہیں پہچان سکا، اس کے گھر والے ذاتی آلات سے بھی نہیں پہچان سکے تو ڈاکٹر کے پاس چلا جائے گا، وہ ڈاکٹر بتا دے گا کہ فلاں بیماری ہے۔

لیکن باطن کی بیماریاں ایسی ہیں کہ نہ تو بسا اوقات مریض کو خود پتہ لگتا ہے کہ میرے اندر یہ بیماری ہے اور نہ کوئی آلہ ایسا انسان کے پاس موجود ہے جس سے پتہ لگ جائے کہ تکبر کا ٹمپریچر کیا ہے؟ اور ظاہری ڈاکٹر کے پاس جائے تو وہ بے بیچارہ نہیں بتا سکتا کہ اس کے اندر یہ بیماری ہے یا نہیں؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کسی باطن کے معالج کے پاس جا کر تشخیص کرائے کہ میرے اندر تکبر ہے یا نہیں؟

تواضع یا تواضع کا دکھاوا

تواضع کا مطلب آپ کی سمجھ میں آ گیا کہ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھنا۔ اس کو عرفِ عام میں انکساری بھی کہتے ہیں۔ اب سنئے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی

تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات لوگ کہتے ہیں کہ میں تو بڑا بیکار آدمی ہوں، میں تو بے حقیقت ہوں، جاہل ہوں، بہت گناہ گار ہوں، بڑا ناچیز آدمی ہوں میری کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس سے بظاہر شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بیچارہ بہت تواضع کر رہا ہے کہ اپنے آپ کو بے حقیقت، ناکارہ، ناچیز، جاہل اور گناہ گار سمجھ رہا ہے۔

بظاہر دیکھنے میں یہ تواضع معلوم ہو رہی ہے لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص یہ الفاظ کہہ رہا ہوتا ہے حقیقت میں وہ متواضع نہیں ہوتا بلکہ اس میں دو بیماریاں ہوتی ہیں، ایک تکبر اور دوسری تواضع کا دکھاوا۔ یعنی یہ جو کہہ رہا ہے کہ میں بڑا بے حقیقت آدمی ہوں، جاہل آدمی ہوں، یہ سچے دل سے نہیں کہہ رہا، بلکہ اس لئے کہہ رہا ہے تاکہ دیکھنے والے اس کو متواضع سمجھیں اور کہیں کہ یہ تو بڑا منکسر المزاج ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہو کہ میں بڑا گناہگار، جاہل، ناکارہ اور ناچیز ہوں، اس کے امتحان کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اگر اس وقت دوسرا آدمی یہ کہہ دے کہ بیشک آپ ناکارہ بھی ہیں اور ناچیز بھی، گناہ گار بھی، جاہل بھی اور بے حقیقت بھی، پھر دیکھو کہ اس وقت اس کے دل پر کیا گزرے گی؟ کیا اس کا شکر گزار ہو گا کہ آپ نے بڑی اچھی بات کہی۔ میرے خیال میں تقریباً سو فیصد معاملات میں اگر دوسرا کہہ دے گا کہ بیشک آپ ایسے ہی ہیں، تو طبیعت کو بڑی ناگواری ہو گی کہ دیکھو اس نے مجھے ناچیز، ناکارہ اور جاہل کہہ دیا۔

معلوم ہوا کہ صرف زبان سے کہہ رہا تھا کہ ناکارہ ہے، ناچیز ہے، جاہل ہے، لیکن دل میں یہ خیال نہیں تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ جب میں اپنی زبان سے کہوں گا کہ جاہل ہوں، ناکارہ ناچیز ہوں، تو سامنے والا یہ کہے گا کہ نہیں حضرت! یہ تو آپ کی تواضع ہے۔ آپ تو حقیقت میں بڑے عالم و فاضل آدمی ہیں۔ بڑے متقی و پارسا ہیں۔ یہ کہلوانے کے لئے یہ سب کچھ کہہ رہا ہے اور دکھاوا کر رہا ہے کہ میں بڑا متواضع ہوں۔ حقیقت میں دل میں تکبر بھرا ہوا ہے، دکھاوا بھرا ہوا ہے اور ظاہر یہ کر رہا ہے کہ میں بہت متواضع ہوں۔

آپ اندازہ لگایئے کہ اس کو کون پہچانے گا کہ یہ الفاظ سچے دل سے کہے جا رہے ہیں یا اندر بیماری بھری ہوئی ہے۔ اس کو تو وہی پہچان سکتا ہے جو باطنی امراض کا ماہر اور معالج ہو۔ اسی لئے ضرورت ہوتی ہے معالج کے پاس جانے کی کہ اکثر اوقات انسان خود اپنے باطنی امراض کو نہیں پہچان سکتا۔

دوسروں کی جوتیاں سیدھی کرنا

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن والد صاحب نے دیکھا کہ انہوں نے خود اپنی مرضی سے مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد سے ہر دفعہ وہ آکر پہلے مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کرتے اور پھر مجلس میں بیٹھتے۔ والد صاحب نے کئی دفعہ ان کو یہ کام کرتے دیکھا تو ایک دن ان کو منع کر دیا کہ یہ کام مت کیا کرو۔ پھر بعد میں بتایا کہ بات دراصل یہ تھی کہ یہ بیچارہ یہ سمجھا تھا کہ میرے اندر تکبر ہے اور اس تکبر کا علاج اپنی رائے سے تجویز کر لیا کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کروں گا تو اس سے میرا تکبر دور ہوگا۔ تو والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس علاج سے فائدہ ہونے کے بجائے اس کو اُلٹا نقصان ہوتا، تکبر اور عجب میں اضافہ ہوتا۔ اس لئے کہ جب جوتے سیدھے کرنے شروع کیے، تو دل و دماغ میں یہ بات پیدا ہوتی کہ میں نے تو اپنے آپ کو مٹا دیا، میں نے تو تواضع کی حد کر دی کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیئے۔ اس سے مزید خود پسندی پیدا ہوتی، اس لئے اسے روک دیا کہ تمہارا کام یہ نہیں، اور اس کے لئے دوسرا علاج تجویز فرمایا۔

اب بتایئے! بظاہر دیکھنے میں جو شخص دوسروں کے جوتے سیدھے کر رہا ہے وہ متواضع معلوم ہو رہا ہے لیکن جاننے والا جانتا ہے کہ یہ کام حقیقت میں تکبر پیدا کر رہا ہے تواضع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا نفس کے اندر اتنے باریک نکتے ہوتے ہیں کہ آدمی خود سے اندازہ نہیں لگا سکتا، جب تک کہ کسی باطنی امراض کے ماہر سے رجوع نہ کرے اور وہ نہ بتائے کہ تمہارا یہ عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کی ہوئی حد کے اندر ہے یا نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے کہ اس حد تک درست ہے اور اس حد سے باہر یہ عمل درست نہیں ہے۔

تصوف کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ آج تصوف نام ہو گیا اس بات کا کہ کسی پیر صاحب کے پاس چلے گئے، ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا، بیعت کر لی اور بیعت کرنے کے بعد انہوں نے کچھ وظیفے بتا دیئے، کچھ اوراد سکھا دیئے کہ صبح کو یہ پڑھا کرو، شام کو یہ پڑھا کرو اور بس اللہ اللہ خیر سلا۔ اب نہ باطن کی فکر، نہ اخلاق کے درست کرنے کا اہتمام، نہ اخلاقِ فاضلہ کو حاصل کرنے کا شوق، نہ اخلاقِ رذیلہ کو ختم کرنے کی فکر۔ یہ سب کچھ نہیں بس بیٹھے ہوئے وظیفے پڑھ رہے ہیں اور بعض اوقات یہ وظیفے پڑھنا ان بیماریوں کے اندر اور زیادہ شدت پیدا کر دیتا ہے۔

وظائف ومعمولات کی حقیقت

ان وظائف، اذکار، معمولات کی مثال ایسی ہے جیسے مقویات۔ اور مقویات کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی کے اندر بیماری موجود ہے اور بیماری کی حالت میں وہ مقویات کھاتا رہے تو بسا اوقات نہ صرف یہ کہ اس کو قوت حاصل نہیں ہوتی بلکہ بیماری کو قوت حاصل ہوتی ہے، بیماری بڑھ جاتی ہے۔ اگر دل میں تکبر بھرا ہوا ہے، عجب بھرا ہوا ہے اور بیٹھ کر وظیفے گھونٹ رہا ہے اور ذکر بہت کر رہا ہے تو بعض اوقات اس کے نتیجے میں اصلاح ہونے کے بجائے تکبر اور بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے یہ جو بتایا جاتا ہے کہ جب بھی کوئی وظیفہ کرو یا ذکر کرو کسی شیخ کی رہنمائی میں کرو اس لئے کہ شیخ جانتا ہے کہ اس سے زیادہ اگر بتاؤں گا تو وہ اس کے اندر بیماری پیدا کرے گا۔ اس واسطے وہ اس کو روک دیتا ہے کہ بس، اب مزید ذکر کی ضرورت نہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے کتنے آدمیوں کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ تمام وظائف واذکار ترک کر دیں۔ حضرت نے ان کے تمام معمولات چھڑوا دیئے۔ خاص حالات میں جب دیکھا کہ اس کے لئے یہ وظیفہ مضر ثابت ہو رہا ہے تو وہ چھڑوا دیا۔

مجاہدات کا اصل مقصد

لیکن آج کل تصوف کا اور پیری مریدی کا سارا زور اس پر ہے کہ معمولات بتا دیئے گئے کہ فلاں وقت یہ ذکر کرنا ہے، فلاں وقت یہ ذکر کرنا ہے۔ بس، وہ محض ذکر کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، چاہے باطن کے اندر کتنی ہی بیماریاں جوش مار رہی ہوں۔ پہلے زمانے میں صوفیائے کرام کے ہاں معمول تھا کہ کسی شخص کی اصلاح کا پہلا قدم یہ ہوتا تھا کہ اس کے اخلاق کی اصلاح کرنے کی فکر کرتے، اس کے لئے مجاہدات کروائے جاتے تھے، ریاضتیں ہوتی تھیں، رگڑا جاتا تھا، تب جا کر اندر کی اصلاح ہوتی تھی اور اس کے بعد انسان کسی قابل ہوتا تھا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ کے بڑے اُونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کے شجرے کے اندر ان کا اعلیٰ درجے کا واسطہ ہے۔ ان کے ایک پوتے تھے۔ جب تک شیخ حیات تھے، پوتے کو فکر نہ ہوئی۔ ساری دنیا آ کر دادا سے فیض حاصل کرتی رہی لیکن وہ صاحب زادگی کی موج میں رہے اور دادا کی طرف اس نقطۂ نظر سے رجوع نہ کیا کہ اپنی اصلاح کرائیں۔ جب شیخ کا انتقال ہو گیا تب ان کو حسرت ہوئی کہ یا اللہ! میں کتنا محروم رہ گیا۔ کہاں کہاں

سے آکر ساری دنیا فیض اُٹھا گئی، اور میں گھر میں ہوتے ہوئے کچھ بھی حاصل نہ کرسکا، اور چراغ تلے اندھیرا۔ اب حسرت ہوئی تو سوچا کہ کیا کروں، تلافی کیسے ہو۔ خیال آیا کہ میرے دادا سے جن لوگوں نے اصلاحِ نفس کی یہ دولت حاصل کی ہے ان میں سے کسی کی طرف رجوع کروں۔ معلوم کیا کہ میرے دادا کے خلفاء میں سے کون اُونچے مقام کا بزرگ ہے۔ معلوم ہوا کہ بلخ میں ایک اُونچے مقام کے بزرگ ہیں۔ اب کہاں گنگوہ، کہاں بلخ۔ کہاں یہ کہ گھر میں دولت موجود تھی اور ہر وقت ان سے رجوع کرسکتے تھے وہ نہ کیا۔ آخر کار اس کی نوبت آئی کہ بلخ تک اتنا لمبا چوڑا مشقت کا سفر کریں اب چونکہ طلب صادق تھی اس لئے سفر پر روانہ ہوگئے۔

شیخ کے پوتے کا استقبال

ادھر جب شیخ کے خلیفہ کو جو بلخ میں مقیم تھے معلوم ہوا کہ میرے شیخ کے پوتے آرہے ہیں تو اپنے شہر سے باہر نکل کر انہوں نے بڑا شاہانہ استقبال کیا۔ اکرام کے ساتھ گھر لے کر آئے، شاندار کھانے پکوائے، اعلیٰ درجے کی دعوت کی، بہت اعلیٰ درجے کی رہائش کا انتظام کیا، قالین بچھوائے اور خدا جانے کیا کچھ کیا۔

جب ایک دو دن گزر گئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت آپ نے میرے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ کیا، بڑا اکرام فرمایا، لیکن درحقیقت میں کسی اور مقصد سے آیا تھا۔ پوچھا کیا مقصد؟ کہا کہ مقصد یہ تھا کہ آپ میرے گھر سے جو دولت لے کر آئے تھے اس دولت کا کچھ حصہ مجھے بھی عنایت فرمادیں۔ اس لئے حاضر ہوا تھا۔ شیخ نے کہا: ''اچھا! وہ دولت لینے آئے ہو؟'' کہا کہ ''جی ہاں!''، کہا کہ ''اگر وہ دولت لینے آئے ہو تو یہ غالیچے، یہ قالین، یہ اعزاز و اکرام، یہ کھانے پینے کا انتظام، سب ختم کردیا جائے۔ رہائش کا انتظام جو اعلیٰ درجے کا کیا گیا تھا وہ بھی ختم کردیا جائے'' انہوں نے پوچھا کہ ''اب کیا کروں؟'' فرمایا ''ہماری مسجد کے پاس ایک حمام ہے، اس میں وضو کرنے والوں کے لئے لکڑیاں جلا کر پانی گرم کیا جاتا ہے۔ تم وہاں حمام کے پاس بیٹھا کرو اور لکڑیاں جھونک کر وضو کرنے والوں کے لئے پانی گرم کیا کرو۔ بس تمہارا یہی کام ہے'' نہ بیعت، نہ وظیفہ، نہ ذکر، نہ معمولات، نہ کچھ اور۔ انہوں نے پوچھا ''رہائش کہاں؟'' فرمایا ''رات کو جب سونا ہو تو وہیں حمام کے پاس سوجایا کرو'' کہاں تو یہ اعزاز و اکرام، استقبال ہو رہا ہے، قالین بچھ رہے ہیں، کھانے پک رہے ہیں، دعوتیں ہو رہی ہیں، اور کہاں اب حمام جھونکنے پر لگا دیئے گئے۔ اب حمام میں بیٹھے ہیں اور آگ میں لکڑیاں جھونک رہے ہیں۔

ابھی کسر باقی ہے

لکڑیاں جھونکتے جھونکتے شیخ نے ایک دن جمعدارنی کو ہدایت کی کہ ایسا کرنا کہ حمام کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوگا، یہ کچرے کا ٹوکرا لے کر اس کے قریب سے گزر جانا اور اس طرح گزرنا کہ اس ٹوکرے کی بو ان کی ناک میں پہنچ جائے۔ اب وہ ٹوکرا لے کر حمام کے پاس سے جو گزری تو چونکہ یہ تو صاحب زادے تھے، نواب زادگی کی زندگی گزاری تھی۔ ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی اور کہا "تیری یہ مجال کہ تو یہ ٹوکرا لے کر میرے پاس سے گزرے، نہ ہوا گنگوہ، ورنہ میں تجھے بتاتا" شیخ نے جمعدارنی کو بلا کر پوچھا کہ جب تو ٹوکرا لے کر گزری تو کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ "جی وہ تو بہت غصے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ گنگوہ ہوتا تو تجھے بہت سخت سزا دیتا" کہا کہ "اوہو! ابھی بہت کسر ہے۔ ابھی چاول گلا نہیں"

پھر کچھ دن گزرے تو شیخ نے جمعدارنی سے کہا کہ "اب کے نہ صرف وہ ٹوکرا لے کر ان کے قریب سے گزرنا بلکہ اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا ان کے جسم سے لگ جائے اور پھر مجھے بتانا کہ کیا ہوا" اس نے یہی کیا۔ شیخ نے پوچھا کہ "کیا ہوا؟" اس نے کہا کہ "جی ہوا یہ کہ جب میں ٹوکرا لے کر گزری اور ٹوکرا بالکل ان کے جسم سے رگڑ کھاتا ہوا گزرا تو انہوں نے نہایت ترش نگاہ سے میری طرف دیکھا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا" شیخ نے کہا "الحمد للہ، فائدہ ہو رہا ہے"

اب دل کا طاغوت ٹوٹ گیا

پھر کچھ دن بعد شیخ نے کہا کہ "اب کے اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا گر جائے اور اس طرح گرے کہ تھوڑا سا کچرا ان کے اوپر بھی پڑ جائے اور پھر مجھے بتا دینا کہ انہوں نے کیا کہا" اس نے ایسا ہی کیا۔ شیخ نے پوچھا کہ "اب کیسا ہوا؟" اس نے کہا "جی! اب تو عجیب معاملہ ہوا۔ میں نے جو ٹوکرا گرایا تو تھوڑا سا کوڑا ان کے اوپر بھی پڑا اور میں بھی گر گئی۔ میں جو گری تو ان کو اپنے کپڑوں کا تو ہوش نہیں تھا، مجھ سے پوچھنے لگے کہ چوٹ تو نہیں لگی؟" فرمایا کہ "الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دل میں جو طاغوت تھا، وہ ٹوٹ گیا"

اب ان کو بلا کر ڈیوٹی بدل دی۔ کہا کہ "اب تمہارا وہ حمام کا کام ختم۔ اب تم ہمارے ساتھ رہا کرو۔ وہ اس طرح کہ ہم کبھی کبھی شکار کے لئے جاتے ہیں تو تم ہمارے شکاری کتوں کی زنجیر پکڑ کر ہمارے ساتھ چلا کرو" اب ذرا اونچا درجہ عطا ہوا کہ شیخ کے ساتھ صحبت اور ہم رکابی کا شرف بھی عطا ہو رہا ہے، لیکن کتے کی زنجیر تھام کر ساتھ چلنے کا حکم ہے۔ شکار کے دوران کتوں نے کوئی شکار دیکھ لیا اور اس کی طرف جو دوڑے تو چونکہ شیخ کا حکم تھا کہ زنجیر نہ چھوڑنا اس لئے انہوں نے زنجیر نہیں چھوڑی۔

کتے تیز بھاگے جارہے ہیں اور یہ زنجیر چھوڑتے نہیں۔ اسی حالت میں زمین پر گر گئے اور کتوں کے پیچھے زمین پر گھسٹتے ہوئے چلے جارہے ہیں، جسم پر کئی زخم لگ گئے اور لہولہان ہو گئے۔

وہ دولت آپ کے حوالے کردی

رات کو شیخ نے اپنے شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ "میاں! ہم نے تو تم سے ایسی محنتیں نہیں لی تھیں" اس وقت ان کو تنبیہ ہوئی، بلایا، اور بلاکر گلے سے لگایا اور فرمایا "آپ جو دولت لینے آئے تھے اور جو دولت آپ کے گھر سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی تھی، الحمدللہ میں نے وہ ساری دولت آپ کے حوالے کردی۔ دادا کی وراثت آپ کی طرف منتقل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب آپ اطمینان سے وطن واپس تشریف لے جائیں"

اصلاح کا اصل مقصد

عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرات صوفیائے کرام کا اصل کام اندر کی بیماریوں کا علاج تھا۔ محض وظیفے، ذکر، تسبیح، معمولات نہیں تھیں۔ یہ ذکر، وظیفے، تسبیح معمولات، یہ سب بطور مقویات کے ہیں۔ یہ اصلاح کے عمل میں معاونت کرنے کے لئے کروائے جاتے تھے لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ باطن کی بیماریاں دور ہوں۔ تکبر دل سے نکلے، حسد دل سے نکلے، بغض دل سے نکلے، عجب دل سے نکلے، منافقت دل سے نکلے، دکھاوے کا شوق دل سے نکلے، حبِ جاہ دل سے نکلے، حبِ دنیا دل سے نکلے، قلب کو ان چیزوں سے صاف کرنا اصل مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو، اللہ تعالیٰ سے اُمید وابستہ ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو، توکل ہو، استقامت ہو، اخلاص ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے تواضع ہو، یہ چیزیں پیدا کرنا تصوف کا اصل مقصود ہے۔

اصلاحِ باطن ضروری کیوں؟

لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف شریعت سے کوئی الگ چیز ہے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ شریعت ہی کا ایک حصہ ہے۔ شریعت، انسان کے ظاہری اعمال وافعال سے متعلق جتنے احکام ہیں ان کے مجموعے کا نام ہے اور طریقت یا تصوف باطن کے اعمال وافعال سے متعلق احکام کے مجموعے کا نام ہے، اور باطن کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے اگر یہ درست نہ ہو تو ظاہری اعمال بھی بیکار ہو جاتے ہیں۔ فرض کرو کہ اخلاص نہیں ہے۔ اخلاص کے کیا معنی ہیں؟ اخلاص کے معنی یہ ہیں ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی فکر کہ انسان جو کام بھی کرے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرے۔ یہ ہے اخلاص۔ یہ

اخلاص ایک باطنی فعل ہے۔ ایک شخص کو اخلاص حاصل نہیں ہے تو اگر وہ نماز بغیر اخلاص کے پڑھ رہا ہے اور اس لئے پڑھ رہا ہے کہ لوگ مجھے متقی، پرہیزگار سمجھیں، عبادت گزار سمجھیں۔ اب ظاہری اعمال تو درست ہیں، لیکن چونکہ باطن میں اخلاص کی روح نہیں ہے اس واسطے وہ ظاہری اعمال بیکار ہیں، بے مصرف ہیں، گناہ ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ))(۱)

''یعنی جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھ رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے''

گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ کے بجائے مخلوق کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے باطن کی اصلاح ظاہری اعمال کو درست کرنے کے لئے بھی لازمی ہے۔ اگر یہ نہیں ہوگی تو ظاہری اعمال بھی بیکار ہو جائیں گے۔

اپنا معالج تلاش کیجئے

ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ بتلایا کہ چونکہ انسان ان چیزوں کی اصلاح خود نہیں کرسکتا، لہٰذا کوئی معالج تلاش کرنا چاہئے۔ اس معالج کو چاہے پیر کہہ لو، چاہے شیخ کہہ لو، چاہے استاد کہہ لو، لیکن اصل میں وہ معالج ہے، باطن کی بیماریوں کا ڈاکٹر ہے۔ جب تک انسان یہ نہیں کرے گا، اس وقت تک اسی طرح بیماریوں میں مبتلا رہے گا اور اس کے اعمال خراب ہوتے چلے جائیں گے۔

جو باب آگے شروع ہو رہا ہے یہ اس کا تھوڑا سا تعارف تھا۔ اب آگے اخلاق کے جتنے شعبے ہیں، ایک ایک کا بیان اس میں آئے گا کہ اچھے اخلاق کو حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے اور برے اخلاق کو دور کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل، رقم: ۱۶۵۱۷

دنیا کو دل سے نکال دیجئے ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،
﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ ۝﴾ (۱)

ہر مسلمان کے لئے اخلاقِ باطنہ کی تحصیل ضروری ہے جن کے حاصل کیے بغیر نہ دین درست ہوسکتا ہے، اور نہ دنیا درست ہوسکتی ہے۔ کیونکہ حقیقت میں دنیا کی درستگی بھی دین کی درستگی پر موقوف ہے۔ یہ شیطانی دھوکہ ہے کہ دین کے بغیر بھی دنیا اچھی، پُرسکون اور راحت و آرام والی ہوجاتی ہے۔ دنیا کے اسباب و وسائل کا حاصل ہوجانا اور بات ہے، اور دنیا میں پُرسکون زندگی، اطمینان، راحت و آرام اور مسرت کی زندگی حاصل ہوجانا اور بات ہے۔ دنیا کے وسائل واسباب تو دین کو چھوڑ کر حاصل ہوجائیں گے، پیسوں کا ڈھیر لگ جائے گا، بنگلے کھڑے ہوجائیں گے، کارخانے قائم ہوجائیں گے، کاریں حاصل ہوجائیں گی، لیکن جس کو ''دل کا سکون'' کہا جاتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ وہ دین کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور اسی وجہ سے دنیا کی حقیقی راحت بھی انہی اللہ والوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی زندگی کو اللہ جل شانہ کے احکام کے تابع بناتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان اخلاق کی اصلاح نہ ہو، نہ دین درست ہوسکتا ہے، اور نہ دنیا درست ہوسکتی ہے۔ ان اخلاق میں سے دو کا بیان پچھلے جمعہ ہوچکا، ایک خوف اور ایک رجا (اُمید)، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

''زہد'' کی حقیقت

آج بھی ایک بہت بنیادی اخلاق کا بیان ہے، جس کو ''زہد'' کہا جاتا ہے۔ آپ حضرات نے

☆ اصلاحی خطبات (۳/ ۹۸تا۹۹)، ۱۱؍اکتوبر ۱۹۹۲ء، بروز جمعہ، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) الفاطر: ۵، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اے لوگو! یقین جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لہٰذا تمہیں یہ دنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ اللہ کے معاملہ میں تمہیں وہ (شیطان) دھوکے میں ڈالنے پائے جو بڑا دھوکے باز ہے''

یہ لفظ بہت سنا ہوگا کہ فلاں شخص بڑا عابد اور زاہد ہے۔ زاہد اس شخص کو کہتے ہیں جس میں ''زہد'' ہو، اور ''زہد'' ایک باطنی اخلاق ہے۔ جسے ہر مسلمان کو حاصل کرنا ضروری ہے، اور ''زہد'' کے معنی ہیں، ''دنیا سے بے رغبتی'' اور ''دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہونا'' دل دنیا میں اٹکا ہوا نہ ہو، اس کی محبت اس طرح دل میں پیوست نہ ہو کہ ہر وقت اسی کا دھیان اور اسی کا خیال اسی کی فکر ہے اور اسی کے لئے دوڑ دھوپ ہو رہی ہے، اس کا نام ''زہد'' ہے۔

گناہوں کی جڑ ''دنیا کی محبت''

ہر مسلمان کو اس کا حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر دنیا کی محبت دل میں سمائی ہوئی ہو تو پھر صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں نہیں آسکتی اور جب اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہوتی وہ محبت غلط رخ پر چل پڑتی ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ))(۱)

''دنیا کی محبت ہر گناہ اور معصیت کی جڑ ہے''

جتنے جرائم اور گناہ ہیں اگر انسان ان کی حقیقت میں غور کرے گا تو اس کو یہی نظر آئے گا کہ ان سب میں دنیا کی محبت کارفرما ہے۔ چور کیوں چوری کر رہا ہے؟ اس لئے کہ دنیا کی محبت ہے۔ اگر کوئی شخص بدکاری کر رہا ہے، تو کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ دنیا کی لذتوں کی محبت دل میں جمی ہوئی ہے۔ شرابی اس لئے شراب نوشی کر رہا ہے کہ وہ دنیاوی لذتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کسی بھی گناہ کو لے لیجئے۔ اس کے پیچھے دنیا کی محبت کارفرما نظر آئے گی۔ اور جب دنیا کی محبت دل میں سمائی ہوئی ہے تو پھر اللہ کی محبت کیسے داخل ہو سکتی ہے۔

حضور ﷺ کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے محبت

یہ دل اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس میں حقیقی محبت تو صرف ایک ہی کی سما سکتی ہے۔ ضرورت کے وقت تعلقات تو بہت سے لوگوں سے قائم ہو جائیں گے۔ لیکن حقیقی محبت ایک ہی کی سما سکتی ہے۔ جب ایک کی محبت آگئی تو پھر دوسرے کی محبت اس درجے میں نہیں آسکے گی۔ اس واسطے حضور اقدس ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

(۱) کنزالعمال، رقم: ٦١١٤ (٣٥٤/٣)، جامع الأحاديث، رقم: ٤٥٠٣٠ (٣٢٥/٤١)، جامع العلوم والحكم (٣٤/٣١)، الدرالمنثرة (٩/١)، جامع الأصول من أحاديث الرسول، رقم: ٢٦٠٣ (٢٦٤٢/١)، الدر المنثور (٤٨٨/٨)

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا))(۱)

''اگر میں اس دنیا میں کسی کو اپنا محبوب بناتا تو ''ابوبکر'' (رضی اللہ عنہ) کو بناتا''

حضور ﷺ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس درجہ تعلق تھا کہ دنیا میں ایسا تعلق کسی اور سے نہیں ہوا، یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال حضور اقدس ﷺ کے سامنے ایسی ہے، جیسے کہ ایک آئینہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے رکھا جائے۔ اور اس آئینے میں حضور اقدس ﷺ کا عکس نظر آئے، اور پھر کہا جائے کہ یہ حضور اقدس ﷺ ہیں۔ اور آئینے میں جو عکس ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مقام تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کو اپنا محبوب بناتا ہوں، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا محبوب بناتا تو ان کو بناتا، لیکن میرے محبوبِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں، اور جب وہ محبوب بن گئے تو دوسرے کے ساتھ حقیقی محبت کے لئے دل میں جگہ نہ رہی۔ البتہ تعلقات دوسروں سے ہو سکتے ہیں۔ اور وہ ہوتے بھی ہیں، مثلاً بیوی سے تعلق، بچوں سے تعلق، ماں سے تعلق، باپ سے تعلق، بھائی سے تعلق، بہن سے تعلق، مگر یہ تعلقات اس محبت کے تابع ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حقیقی محبت دل میں ہوتی ہے۔

دل میں صرف ایک کی محبت سما سکتی ہے

لہٰذا دل میں حقیقی محبت یا تو اللہ تعالیٰ کی ہوگی، یا دنیا کی ہوگی، دونوں محبتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اسی وجہ سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

یعنی دنیا کی محبت بھی دل میں سمائی ہوئی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی محبت بھی سمائی ہوئی ہو، یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں، اس لئے کہ یہ صرف خیال ہے اور محال ہے اور جنون ہے، اس واسطے اگر دل میں دنیا کی محبت سما گئی تو پھر اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ جب اللہ کی محبت نہیں ہوگی تو پھر دین کے جتنے کام ہیں، وہ سب محبت کے بغیر بے روح ہیں، بے حقیقت ہیں، ان کے ادا کرنے میں پریشانی دشواری اور مشقت ہوگی اور صحیح معنی میں وہ دین کے کام انجام نہیں پا سکیں گے۔ بلکہ قدم قدم پر آدمی ٹھوکریں

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب قول النبي لو كنت متخذا خليلا، رقم: ۳۳۸٤، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق، رقم: ٤۳۹۰، سنن الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله، باب مناقب أبي بكر الصديق، رقم: ۳۵۸۸، سنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب فضل أبي بكر الصديق، رقم: ۹۰، مسند أحمد، رقم: ۳۳۹۹

کھائے گا، اس لئے کہا گیا کہ انسان دل میں دنیا کی محبت کو جگہ نہ دے۔ اسی کا نام ''زہد'' ہے اور ''زہد'' کو حاصل کرنا ضروری ہے۔

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں

لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے کہ دنیا کے بغیر گزارا بھی نہیں ہے، دنیا کے اندر بھی رہنا ہے، جب بھوک لگتی ہے تو کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب پیاس لگتی ہے تو پانی کی ضرورت پیش آتی ہے، سر چھپانے اور رہنے کے لئے گھر کی بھی ضرورت ہے، کسب معاش کی بھی ضرورت ہے، لیکن اب سوال یہ ہے کہ جب یہ سب کام بھی انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان دنیا کے اندر بھی رہے، اور دنیا کی ضروریات بھی پوری کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دل میں دنیا نہ آئے، دل میں دنیا سے بے رغبتی پائی جائے۔ ان دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ یہی وہ کام ہے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین آکر سکھاتے ہیں کہ کس طرح تم دنیا میں رہو، اور دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہ دو۔ ایک حقیقی مسلمان دنیا کے اندر بھی رہے گا، دنیا والوں سے تعلق بھی قائم کرے گا، حقوق بھی ادا کرے گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی محبت سے بھی پرہیز کرے گا۔ حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

یہ کیفیت کیسے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی دنیا میں رہے، دنیا سے گزرے، دنیا کو برتے، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ آئے۔

دنیا کی مثال

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال سے سمجھایا ہے اور بڑی پیاری مثال دی ہے، فرماتے ہیں کہ دنیا کے بغیر انسان کا گزارہ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے بے شمار ضرورتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور انسان کی مثال کشتی جیسی ہے، اور دنیا کی مثال پانی جیسی ہے، جیسے پانی کے بغیر کشتی نہیں چل سکتی، اس لئے کہ اگر کوئی شخص خشکی پر کشتی چلانا چاہے تو نہیں چلے گی، اسی طرح انسان کو زندہ رہنے کے لئے دنیا ضروری ہے، انسان کو زندہ رہنے کے لئے پیسہ چاہئے، کھانا چاہئے، پانی چاہئے، مکان چاہئے، کپڑا چاہئے، اور ان سب چیزوں کی اس کو ضرورت ہے، اور یہ سب چیزیں دنیا ہیں لیکن جس طرح پانی کشتی کے لئے اس وقت تک فائدہ مند ہے جب

تک پانی کشتی کے نیچے ہے اور اس کے دائیں طرف اور بائیں طرف ہے، اس کے آگے اور پیچھے ہے پانی اس کشتی کو چلائے گا۔ لیکن اگر وہ پانی دائیں بائیں کے بجائے کشتی کے اندر داخل ہوگیا تو وہ کشتی کو ڈبو دے گا، تباہ کر دے گا۔

اسی طرح دنیا کا یہ اسباب اور دنیا کا یہ ساز و سامان جب تک تمہارے چاروں طرف ہے تو پھر کوئی ڈر نہیں ہے اس لئے کہ یہ ساز و سامان تمہاری زندگی کی کشتی کو چلائے گا۔ لیکن جس دن دنیا کا یہ ساز و سامان تمہارے اردگرد سے ہٹ کر تمہارے دل کی کشتی میں داخل ہوگیا، اس دن تمہیں ڈبو دے گا، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی جب تک پانی کشتی کے اردگرد ہو تو وہ کشتی کو چلاتا ہے، اور دھکا دیتا ہے، لیکن اگر وہ پانی کشتی کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو وہ کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔

دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں

لہٰذا ''زہد'' اسی کا نام ہے کہ یہ دنیا تمہارے چاروں طرف اور اردگرد رہے، لیکن اس کی محبت تمہارے دل میں داخل نہ ہو، اس لئے کہ اگر دنیا کی محبت دل میں داخل ہوگئی، تو پھر اللہ کی محبت کے لئے دل میں جگہ نہیں چھوڑے گی، اور اللہ کی محبت دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک شعر سنایا کرتے تھے، غالباً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ شعر منسوب فرماتے تھے وہ انہی کے مقام کا شعر ہے، فرماتے کہ:

بھر رہا ہے دل میں حب جاہ و مال
کب سماوے اس میں حب ذوالجلال

یعنی جب مال و جاہ اور منصب کی محبت دل میں بھری ہوئی ہے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے سما سکتی ہے، اس لئے حکم یہ ہے کہ اس دنیا کی محبت کو دل سے نکال دو، دنیا کو نکالنا ضروری نہیں، دنیا کو ترک کرنا ضروری نہیں، لیکن دنیا کی محبت نکالنا ضروری ہے، اگر دنیا ہو، لیکن بغیر محبت کی ہو تو وہ دنیا نقصان دہ نہیں ہے۔

دنیا کی مثال ''بیت الخلاء'' کی سی ہے

عام طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک طرف تو انسان اس دنیا کو ضروری بھی سمجھے اور اس کی اہمیت بھی ہو، لیکن دل میں اس کی محبت نہ ہو، اس بات کو ایک مثال سے سمجھ لیں۔ آپ جب ایک مکان بناتے ہیں، تو اس مکان کے مختلف حصے ہوتے ہیں، ایک سونے کا کمرہ ہوتا ہے، ایک ملاقات کا کمرہ ہوتا ہے، ایک کھانے کا کمرہ ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، اور اسی مکان میں آپ ایک بیت الخلاء بھی بناتے ہیں اور بیت الخلاء کے بغیر وہ مکان نامکمل ہے۔ اگر ایک مکان بڑا شاندار بنا ہوا ہے، کمرے اچھے ہیں، بیڈروم بڑا اچھا ہے، ڈرائنگ روم بہت اعلیٰ ہے، کھانے کا کمرہ اچھا ہے اور پورے گھر میں بڑا شاندار اور قیمتی قسم کا فرنیچر لگا ہوا ہے۔ مگر اس میں بیت الخلاء نہیں ہے، بتایئے کہ وہ مکان مکمل ہے یا ادھورا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ مکان ناقص ہے، اس لئے کہ بیت الخلاء کے بغیر کوئی مکان مکمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ بتایئے کہ کیا کوئی انسان ایسا ہوگا کہ اس کا دل بیت الخلاء سے اس طرح اٹکا ہوا ہو کہ ہر وقت اس کے دماغ میں یہی خیال رہے کہ کب میں بیت الخلاء جاؤں گا، اور کب اس میں بیٹھوں گا اور کس طرح بیٹھوں گا، اور کتنی دیر بیٹھوں گا، اور کب واپس نکلوں گا، ہر وقت اس کے دل و دماغ پر بیت الخلاء چھایا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی انسان بھی بیت الخلاء کو اپنے دل و دماغ پر اس طرح سوار نہیں کرے گا اور کبھی اس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے گا۔ اگرچہ وہ جانتا ہے کہ بیت الخلاء ضروری چیز ہے، اس کے بغیر چارہ کار نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اسکے بارے میں ہر وقت یہ نہیں سوچے گا کہ میں بیت الخلاء کو کس طرح آراستہ کروں، اور آرام دہ بناؤں، اس لئے کہ اس بیت الخلاء کی محبت دل میں نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے

دین کی تعلیم بھی درحقیقت یہ ہے کہ یہ سارے مال و اسباب کا بھی یہ حال ہے کہ وہ سب ضروری تو ہیں، اور ایسے ہی ضروری ہیں جیسے بیت الخلاء ضروری ہوتا ہے، لیکن اس کی فکر، اس کی محبت، اس کا خیال دل و دماغ پر سوار نہ ہو جائے، بس دنیا کی حقیقت یہ ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اس بات کا استحضار بار بار کرے کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ یہ آیت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وقفه وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo﴾(۱)

---

(۱) الفاطر: ۵، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اے لوگو! یقین جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لہٰذا تمہیں یہ دنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ اللہ کے معاملہ میں تمہیں وہ (شیطان) دھوکے میں ڈالنے پائے جو بڑا دھوکے باز ہے''

اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے، کیا وعدہ ہے؟ وہ وعدہ یہ ہے کہ ایک دن مروگے، اور اس کے سامنے پیشی ہوگی، اور پھر تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا، لہٰذا دنیاوی زندگی تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور وہ دھوکے باز یعنی شیطان تمہیں اللہ سے دھوکے میں نہ ڈالے شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہو، مگر اس سے دھوکہ نہ کھاؤ، اس لئے کہ یہ دارالامتحان ہے، جس میں بہت سے مناظر ایسے ہیں جو انسان کا دل لبھاتے ہیں اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، اس لئے ان دل لبھانے والے مناظر کی محبت کو خاطر میں نہ لاؤ، اگر دنیا کا سازوسامان جمع ہو بھی گیا تو کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ دل اس کے ساتھ اٹکا ہوا نہ ہو۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کچھ لطیف قوتیں ان کے پاس بھیج دیتے ہیں، اور ان لطیف قوتوں کے بھیجنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کو دنیا کی محبت سے نکال کر اپنی محبت کی طرف بلایا جائے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور بزرگ گزرے ہیں، ان کا واقعہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ سے سنا، فرمایا کہ شیخ فریدالدین عطار یونانی دواؤں اور عطر کے بہت بڑے تاجر تھے، اور اسی وجہ سے ان کو "عطار" کہا جاتا ہے، دواؤں اور عطر کی بہت بڑی دکان تھی۔ کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا، اور اس وقت وہ ایک عام قسم کے دنیادار تاجر تھے، ایک دن دکان پر بیٹھے ہوئے تھے، اور دکان دواؤں اور عطر کی شیشیوں سے بھری ہوئی تھی، اتنے میں ایک مجذوب قسم کا درویش اور ملنگ آدمی دکان پر آ گیا۔ اور دکان میں داخل ہو گیا، اور کھڑا ہو کر پوری دکان میں کبھی اوپر سے نیچے کی طرف دیکھتا، اور کبھی دائیں سے بائیں طرف دیکھتا، اور دواؤں کا معائنہ کرتا رہا۔ کبھی ایک شیشی کو دیکھتا، کبھی دوسری شیشی کو دیکھتا۔ جب کافی دیر اس طرح دیکھتے ہوئے گزر گئی تو شیخ فریدالدین نے اس سے پوچھا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا چیز تلاش کر رہے ہو؟ اس درویش نے جواب دیا کہ بس ویسے ہی یہ شیشیاں دیکھ رہا ہوں۔ شیخ فریدالدین نے پوچھا کہ تمہیں کچھ خریدنا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے کچھ خریدنا تو نہیں ہے۔ بس ویسے ہی دیکھ رہا ہوں، اور پھر اِدھر اُدھر الماری میں رکھی شیشیوں کی طرف نظر دوڑاتا رہا، بار بار دیکھتا رہا۔ پھر شیخ فریدالدین نے پوچھا کہ بھائی! آخر تم کیا دیکھ رہے ہو؟ اس درویش نے کہا کہ میں اصل میں یہ دیکھ رہا ہوں جب آپ مریں گے تو آپ کی جان کیسے نکلے گی؟ اس لئے کہ آپ نے یہاں اتنی ساری شیشیاں رکھی ہوئی ہیں۔ جب آپ مرنے لگیں گے اور آپ کی روح نکلنے لگے گی تو اس وقت آپ کی روح کبھی ایک شیشی میں داخل ہو جائے گی کبھی دوسری شیشی میں داخل ہو جائے گی، اور اس کو باہر نکلنے کا راستہ کیسے ملے گا؟

اب ظاہر ہے کہ شیخ فرید الدین عطار اس وقت چونکہ ایک دنیا دار تاجر تھے، یہ باتیں سن کر غصہ آگیا۔ اور اس سے کہا کہ تو میری جان کی فکر کر رہا ہے۔ تیری جان کیسے نکلے گی؟ جیسے تیری جان نکلے گی، ویسے میری بھی نکل جائے گی۔ اس درویش نے جواب دیا کہ میری جان نکلنے میں کیا پریشانی ہے۔ اس لئے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ میرے پاس تجارت ہے نہ دکان ہے اور نہ شیشیاں ہیں، نہ ساز و سامان ہے، میری جان تو اس طرح نکلے گی بس اتنا کہہ کر وہ درویش دکان کے باہر نیچے زمین پر لیٹ گیا اور کلمہ شہادت ''اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمدا رسول اللہ'' کہا، اور روح پرواز کر گئی۔

بس! یہ واقعہ دیکھنا تھا کہ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ایک چوٹ لگی کہ واقعتاً میں تو دن رات اسی دنیا کے کاروبار میں منہمک ہوں، اور اسی میں لگا ہوا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف دھیان نہیں ہے، اور یہ ایک اللہ کا بندہ سبک سیر طریقے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلا گیا۔ بہر حال، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ غیبی تھا، جوان کی ہدایت کا سبب بن گیا، بس! اسی دن اپنا سب کاروبار چھوڑ کر دوسروں کے حوالے کیا، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور اسی راستے پر لگ کر اتنے بڑے شیخ بن گئے کہ دنیا کی ہدایت کا سامان بن گئے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک علاقے کے بادشاہ تھے۔ رات کو دیکھا کہ ان کے محل کی چھت پر ایک آدمی ٹہل رہا ہے۔ یہ سمجھے کہ شاید یہ کوئی چور ہے، اور چوری کی نیت سے یہاں آیا ہے۔ پکڑ کر اس سے پوچھا کہ تم اس وقت یہاں کہاں سے آگئے؟ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا کہ اصل میں میرا ایک اُونٹ گم ہو گیا ہے، اُونٹ تلاش کر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارا دماغ صحیح ہے؟ اُونٹ کہاں، اور محل کی چھت کہاں۔ اگر تیرا اُونٹ گم ہو گیا ہے تو پھر جنگل میں جا کر تلاش کر، یہاں محل کی چھت پر اُونٹ تلاش کرنا بڑی حماقت ہے، تم احمق انسان ہو۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر اس محل کی چھت پر اُونٹ نہیں مل سکتا، تو پھر اس محل میں خدا بھی نہیں مل سکتا۔ اگر میں احمق ہوں تو تم مجھ سے زیادہ احمق ہو۔ اس لئے کہ اس محل میں رہ کر خدا کو تلاش کرنا اس سے بڑی حماقت ہے، بس اس کا یہ کہنا تھا کہ دل پر ایک چوٹ لگی، اور سب بادشاہت وغیرہ چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ بہر حال! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ غیبی تھا۔

اس سے سبق حاصل کریں

ہم جیسے لوگوں کے لئے اس واقعہ سے یہ سبق لینا تو درست نہیں ہے کہ جس طرح وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے نکل پڑے، ہم بھی ان کی طرح نکل جائیں، ہم جیسے کم ظرف لوگوں کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں، لیکن اس واقعہ سے جو بات سبق لینے کی ہے وہ یہ کہ اگر انسان کا دل دنیا کے ساز و سامان میں، دنیا کے راحت و آرام میں اٹکا ہوا ہو، اور صبح سے شام تک دنیا حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگا ہوا ہو، ایسے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں آتی۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آجاتی ہے تو دنیا کا یہ ساز و سامان انسان کے پاس ضرور ہوتا ہے، لیکن دل اس کے ساتھ اٹکا نہیں ہوتا۔

میرے والد ماجد اور دنیا کی محبت

میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی ذات میں شریعت اور طریقت کے بے شمار نمونے دکھادیئے۔ اگر ہم ان کو نہ دیکھتے تو یہ بات سمجھ میں نہ آتی کہ سنت کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ انہوں نے دنیا میں رہ کر سب کام کیے، درس و تدریس انہوں نے کی، فتوے انہوں نے لکھے، تصنیف انہوں نے کی، وعظ و تبلیغ انہوں نے کی، پیری مریدی انہوں نے کی، اور ساتھ ساتھ اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے عیالداری کے حقوق ادا کرنے کے لئے تجارت بھی کی، لیکن یہ سب ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ان کے دل میں دنیا کی محبت ایک رائی کے دانے کے برابر بھی داخل نہیں ہوئی۔

وہ باغ میرے دل سے نکل گیا

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کو چمن کاری کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پاکستان بننے سے پہلے دیوبند ہی میں بڑے شوق سے ایک باغ لگایا۔ دارالعلوم دیوبند میں ملازمت کے دوران تنخواہ کم اور عیال زیادہ تھے۔ اس تنخواہ سے گزارا بھی بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ لیکن تنخواہ سے بڑی مشکل سے کچھ انتظام کر کے آم کا باغ لگایا اور اس باغ میں پہلی مرتبہ پھل آرہا تھا کہ اسی سال پاکستان بننے کا اعلان ہوگیا اور آپ نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور اس باغ اور مکان پر ہندوؤں نے قبضہ کرلیا۔ بعد میں حضرت والد صاحب کی زبان سے اکثر یہ جملہ سنا کہ "جس دن میں نے اس گھر اور باغ سے قدم نکالا، اس دن سے وہ باغ اور گھر میرے دل سے نکل گئے، ایک مرتبہ بھی

بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے کیسا باغ لگایا تھا، اور کیسا گھر بنایا تھا'' وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ سارے کام ضرور کیے تھے، لیکن ان کا مقصد اداء حق تھا، اور دل ان کے ساتھ اٹکا ہوا نہیں تھا۔

دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے

ساری عمر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول دیکھا کہ جب کبھی کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں بلاوجہ آپ سے جھگڑا شروع کرتا تو والد صاحب اگرچہ حق پر ہوتے، لیکن ہمیشہ آپ کا یہ معمول دیکھا کہ آپ اس سے فرماتے کہ ارے بھائی جھگڑا چھوڑو اور یہ چیز لے جاؤ۔ اپنا حق چھوڑ دیتے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کرتے تھے:

((وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ)) (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو جنت کے اطراف میں گھر دلانے کا ذمہ دار ہوں، جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے حضرت والد صاحب کو ساری عمر اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے دیکھا بعض اوقات ہمیں یہ تردد ہوتا کہ آپ حق پر تھے۔ اگر اصرار کرتے تو حق مل بھی جاتا۔ لیکن آپ چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا عطا فرمائی، اور ایسے لوگوں کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

((أَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ))(۲)

یعنی جو شخص ایک مرتبہ اس دنیا کی طلب سے منہ پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دنیا ذلیل کر کے لاتے ہیں۔ وہ دنیا اس کے پاؤں سے لگی پھرتی ہے، لیکن اس کے دل میں اس کی محبت نہیں ہوتی۔

دنیا مثل سائے کے ہے

کسی شخص نے دنیا کی بڑی اچھی مثال دی ہے، فرمایا کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کا سایا، اگر کوئی شخص چاہے کہ میں اپنے سائے کا تعاقب کروں، اور اس کو پکڑ لوں، تو نتیجہ یہ ہوگا وہ اپنے

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول الله، باب ما جاء فی المراء، رقم: ۱۹۱۶، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، رقم: ۵۰

(۲) سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول الله، باب منه، رقم: ۲۳۸۹، سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الهم بالدنیا، رقم: ۴۰۹۵، مسند أحمد، رقم: ۲۰۶۰۸، سنن الدارمی، المقدمة، باب الإقتداء بالعلماء، رقم: ۲۳۱

سائے کے پیچھے جتنا دوڑے گا، وہ سایہ اور آگے دوڑتا چلا جائے گا۔ کبھی اس کو پکڑ نہیں سکے گا۔ لیکن اگر انسان اپنے سائے سے منہ موڑ کر اس کی مخالف سمت میں دوڑنا شروع کر دے تو پھر سایہ اس کے پیچھے پیچھے آئے گا اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بھی ایسا ہی بنایا ہے کہ اگر دنیا کے طالب بن کر اور اس کی محبت دل میں لے کر اس کے پیچھے بھاگو گے تو وہ دنیا تم سے آگے آگے بھاگے گی۔ تم کبھی اس کو پکڑ نہیں سکو گے۔ لیکن جس دن ایک مرتبہ تم نے اس کی طلب سے منہ موڑ لیا، تو پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح ذلیل کر کے لاتے ہیں۔ بے شمار مثالیں ایسی ہوئی ہیں کہ دنیا اس کے پاس آتی ہے۔ اور وہ اس کو ٹھوکر مار دیتا ہے۔ لیکن وہ دنیا پھر بھی پاؤں میں پڑتی ہے۔ اس کے لئے ایک مرتبہ سچے دل سے اس دنیا کی طلب سے منہ موڑنا ضروری ہے۔ اور یہ بات دنیا کی حقیقت سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور دنیا کی حقیقت حضور اقدس ﷺ نے ان احادیث میں بیان فرما دی۔ ان احادیث کو پڑھ کر دنیا کی محبت دل سے نکالنے کی فکر کرنی چاہئے۔

بحرین سے مال کی آمد

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفِ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَى الْبَحْرَيْنِ وَسَمِعَتِ الْاَنْصَارُ بِقُدُوْمِ اَبِيْ عُبَيْدَةَ فَوَافَوْا صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوْا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ رَآهُمْ ثُمَّ قَالَ اَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ اَنَّ اَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ قَالُوْا اَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاَبْشِرُوْا وَاَمِّلُوْا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنِّيْ اَخْشٰى اَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ))(۱)

حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا اور ان کو یہ کام بھی سپرد کیا کہ وہاں کے کفار اور مشرکین پر جو جزیہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب شهود الملائكة بدرا، رقم: ۳۷۱۲، صحیح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب، رقم: ۵۲۶۱، سنن الترمذی، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللّٰه، باب منه، رقم: ۲۳۸۶، سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب فتنة المال، رقم: ۳۹۸۷، مسند أحمد، رقم: ۱۶۵۹۹

اور ٹیکس واجب ہے وہ ان سے وصول کر کے لایا کریں، چنانچہ ایک مرتبہ یہ بحرین سے ٹیکس اور جزیہ کا مال لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، وہ مال نقدی کی شکل میں بھی ہوتا تھا، کپڑے کی شکل میں بھی ہوتا تھا۔حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ وہ جزیہ کا مال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب کچھ انصاری صحابہ کو پتہ چلا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لائے ہیں تو وہ انصاری صحابہ فجر کی نماز میں مسجد نبوی میں حاضر ہوگئے۔حضور ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر واپس گھر کی طرف تشریف لے جانے لگے تو وہ انصاری صحابہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے آگئے،اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔سامنے آنے کا مقصد یہ تھا کہ جو مال بحرین سے آیا ہوا ہے وہ ہمارے درمیان تقسیم فرمادیں یہ وہ زمانہ تھا جس میں صحابہ کرام تنگ دستی کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے، کئی کئی وقتوں کے فاقے گزرتے تھے، پہننے کو کپڑا موجود نہیں تھا۔انتہائی تنگی کا زمانہ تھا جب حضور اقدس ﷺ نے ان صحابہ کو دیکھا کہ اس طرح سامنے آگئے ہیں تو آپ نے تبسم فرمایا،اور سمجھ گئے کہ یہ حضرات اس مال کی تقسیم کا مطالبہ کررہے ہیں پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم کو یہ معلوم ہوگیا کہ ابوعبیدہ بن جراح بحرین سے کچھ سامان لے کر آئے ہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں! یا رسول اللہ! حضور ﷺ نے پہلے تو ان سے یہ فرمایا کہ خوشخبری سن لو کہ تمہیں خوش کرنے والی چیز ملنے والی ہے،وہ مال تمہیں مل جائے گا۔

تم پر فقر وفاقے کا اندیشہ نہیں ہے

لیکن آپ ﷺ نے یہ محسوس فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طرح آنا،اور اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کرنا،اور اس بات کا انتظار کرنا یہ مال ہمیں ملنے والا ہے، یہ عمل کہیں ان کے دل میں دنیا کی محبت پیدا نہ کردے،اس لئے آپ نے ان کو خوشخبری سنانے کے فوراً بعد فرمادیا:

((فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنِّيْ أَخْشٰى أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ))

''خدا کی قسم، مجھے تمہارے اوپر فقر وفاقے کا اندیشہ نہیں ہے، یعنی اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تمہارے اوپر فقر وفاقہ گزرے گا،اور تم تنگ عیشی کے اندر مبتلا ہوجاؤ گے،اور مشقت اور پریشانی ہوگی، اس لئے کہ اب تو ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ انشاءاللہ مسلمانوں میں کشادگی اور فراخی ہوجائے گی''

حقیقت ـ ہے کہ اُمت ے حصے کا سارا فقر وفاقہ خود حضور اقدس ﷺ جھیل گئے۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔اور اس وقت

ہمارا کھانا صرف دو چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا، ایک کھجور اور ایک پانی۔ (۱)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے کبھی دو وقت پیٹ بھر کر روٹی تناول نہیں فرمائی۔ گندم تو میسر ہی نہیں تھی، جو کی روٹی کا یہ حال تھا، لہٰذا فقر و فاقہ تو خود سرکارِ دو عالم ﷺ جھیل گئے۔

صحابہ کے زمانے میں تنگ عیشی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس زمانے میں ہمارا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں چھینٹ کا کپڑا کہیں سے تحفے میں آ گیا۔ یہ ایک خاص قسم کا نقش و نگار والا سوتی کپڑا تھا۔ اور کوئی بہت زیادہ قیمتی کپڑا نہیں تھا۔ لیکن پورے مدینہ منورہ میں جب بھی کسی کی شادی ہوتی، اور کسی عورت کو دلہن بنایا جاتا تو اس وقت میرے پاس یہ فرمائش آتی کہ وہ چھینٹ کا کپڑا عاریۃً ہمیں دے دیں، تاکہ ہم اپنی دلہن کو پہنائیں۔ چنانچہ شادیوں کے موقع پر وہ کپڑا دلہنوں کو پہنایا جاتا تھا، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آج اس جیسے بہت سے کپڑے بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں۔ اور وہی کپڑا آج اگر میں اپنی باندی کو بھی دیتی ہوں تو وہ بھی ناک منہ چڑھاتی ہے کہ میں تو یہ کپڑا نہیں پہنتی۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں کتنی تنگ عیشی تھی اور اب کتنی فراوانی ہے۔

یہ دنیا تمہیں ہلاک نہ کر دے

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ زمانے میں اولاً تو اُمت پر عام فقر و فاقہ نہیں آئے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پوری تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کے زمانے کے بعد عام فقر و فاقہ نہیں آیا، بلکہ کشادگی کا دور آتا چلا گیا، اور آپ نے فرمادیا کہ اگر مسلمانوں پر فقر و فاقہ آ بھی گیا تو اس فقر و فاقہ سے مجھے نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دنیاوی تکلیف ہوگی، لیکن اس سے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ البتہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ تمہارے اُوپر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح پچھلی اُمتوں پر پھیلا دی گئی اور تمہارے چاروں طرف دنیا کے ساز و سامان اور مال و دولت کے انبار لگے ہوں گے اور اس وقت تم ایک دوسرے سے ریس کرو گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو گے اور یہ سوچو گے کہ فلاں شخص کا جیسا بنگلہ ہے میرا بھی ویسا ہی ہو جائے، فلاں شخص کی جیسی کار ہے، میرے پاس بھی ویسی ہو جائے، فلاں شخص کے جیسے کپڑے ہیں، میرے بھی ویسے ہو جائیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھنے کی خواہش ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ دنیا تمہیں اس طرح

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی وأصحابه وتخلیهم من الدنیا، رقم: ۵۹۷۸، صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقاق، باب، رقم: ۵۲۸۲

ہلاک کردے گی جس طرح پچھلی اُمتوں کو ہلاک کردیا۔

جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کی اس بات پر بہت تعجب ہوا کہ قالین تو بہت دور کی بات ہے ہمیں تو بیٹھنے کے لئے کھجور کے پتوں کی چٹائی بھی میسر نہیں ہے، ننگے فرش پر سونا پڑتا ہے، لہٰذا قالین کہاں اور ہم کہاں؟ چنانچہ حضور ﷺ سے سوال کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنّٰى لَنَا أَنْمَاطٌ"

''قالین ہمارے پاس کہاں سے آئیں گے''

حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا:

((أَنَّهَا سَتَكُوْنُ))

''اگرچہ آج تو تمہارے پاس قالین نہیں ہیں، لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب تمہارے پاس قالین ہوں گے''(۱)

اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم پر فقر کا اندیشہ نہیں ہے لیکن مجھے اس وقت کا ڈر ہے جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے اور دنیاوی ساز و سامان کی ریل پیل ہوگی اور تمہارے چاروں طرف دنیا پھیلی ہوئی ہوگی، اس وقت تم کہیں اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کردو، اور اس وقت تم پر کہیں دنیا غالب نہ آجائے۔

جنت کے رومال اس سے بہتر ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس شام سے ریشمی کپڑا آگیا، ایسا کپڑا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لئے صحابہ کرام اُٹھ اُٹھ کر ہاتھ لگا کر اس کو دیکھنے لگے۔ حضور اقدس ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کپڑے کو اس طرح دیکھ رہے ہیں تو آپ نے فوراً ارشاد فرمایا:

((لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا))(۲)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الأنماط ونحوها للنساء، رقم: ٤٧٦٤، سنن النسائی، کتاب النکاح، باب الأنماط، رقم: ٣٣٣٣ (۲) حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

''کیا اس کپڑے کو دیکھ کر تمہیں تعجب ہو رہا ہے اور کیا یہ کپڑا تمہیں بہت پسند آ رہا ہے؟ ارے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں جو رومال عطا فرمائے ہیں وہ اس کپڑے سے کہیں زیادہ بہتر ہیں''

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دنیا سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توجہ ہٹا کر آخرت کی طرف متوجہ فرمایا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی محبت تمہیں دھوکے میں ڈال دے اور تم آخرت کی نعمتوں سے غافل ہو جاؤ۔ قدم قدم پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی گھٹی میں یہ بات ڈال دی کہ یہ دنیا بے حقیقت ہے، یہ دنیا ناپائیدار ہے، اس دنیا کی لذتیں، اس کی نعمتیں سب فانی ہیں اور یہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں۔

پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شُرْبَةً))(۱)

''اگر اس دنیا کی حقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا''

لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا کی دولت کافروں کو خوب مل رہی ہے اور وہ خوب مزے اُڑا رہے ہیں باوجود یہ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، مگر پھر بھی دنیا ان کو ملی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حقیقت ہے، پوری دنیا کی حیثیت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں ہے، اگر اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا جاتا۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہے تھے، راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک بکری کا مرا ہوا کان کٹا بچہ پڑا ہے، اور اس کی بدبو پھیل رہی ہے۔ آپ نے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة، رقم: ۳۰۱۰، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل سعد بن معاذ، رقم: ٤٥١٤، سنن الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله، باب مناقب سعد بن معاذ، رقم: ۳۷۸۲، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل سعد بن معاذ، رقم: ۱۵۳، مسند أحمد، رقم: ۱۱۷۷٦

(۱) سنن الترمذي، كتاب الزهد عن رسول الله، باب ما جاء في هوان الدنيا على الله عزوجلّ، رقم: ۲۲٤۲، سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب مثل الدنيا، رقم: ٤١٠٠

بکری کے اس مردہ بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ بچہ اگر زندہ بھی ہوتا تب بھی کوئی شخص اس کو ایک درہم میں لینے کے لئے تیار نہ ہوتا، اس لئے کہ یہ عیب دار بچہ تھا۔ اور اب تو یہ مردہ ہے۔ اس لاش کو لے کر ہم کیا کریں گے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ساری دنیا اور اس کے مال و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے حقیقت اور بے حیثیت ہے، جتنا بکری کا یہ مردہ بچہ تمہارے نزدیک بے حقیقت ہے۔ (۱)

ساری دنیا ان کی غلام ہو گئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات صحابہ کرام کے دلوں میں بٹھا دی کہ دنیا سے دل مت لگالو، دنیا کی طرف رغبت کا اظہار مت کرو، ضرورت کے وقت دنیا کو استعمال ضرور کرو، لیکن محبت نہ کرو۔ یہی وجہ ہے کہ جب دنیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل سے نکل گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو ان کا غلام بنا دیا، کسریٰ ان کے قدموں میں آ کر ڈھیر ہوا، قیصر ان کے قدموں میں آ کر ڈھیر ہوا، اور انہوں نے ان کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھی۔

شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنا دیا گیا، اس لئے کہ شام کا اکثر علاقہ انہوں نے ہی فتح کیا تھا، اس وقت شام ایک بہت بڑا علاقہ تھا۔ آج اس شام کے علاقے میں چار ممالک ہیں یعنی شام، اُردن، فلسطین، لبنان، اور اس وقت یہ چاروں مل کر اسلامی ریاست کا ایک صوبہ تھا اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس کے گورنر تھے۔ اور شام کا صوبہ بڑا زرخیز تھا۔ مال و دولت کی ریل پیل تھی۔ اور روم کا پسندیدہ اور چہیتا علاقہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر سارے عالمِ اسلام کی کمان کر رہے تھے، چنانچہ وہ ایک مرتبہ معائنہ کے لئے شام کے دورہ پر تشریف لائے۔ شام کے دورہ کے دوران ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو عبیدہ! میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائی کا گھر دیکھوں، جہاں تم رہتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ تھا کہ ابو عبیدہ اتنے بڑے صوبے کے گورنر بن گئے ہیں اور یہاں مال و دولت کی ریل پیل ہے، اس لئے ان کا گھر دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے کیا کچھ جمع کیا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب، رقم: ٥٢٥٧، سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من مس الميتة، رقم: ١٥٨، مسند أحمد، رقم: ١٤٤٠٢

شام کے گورنر کی رہائش

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین! آپ میرے گھر کو دیکھ کر کیا کریں گے، اس لئے کہ جب آپ میرے گھر کو دیکھیں گے تو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ امیر المؤمنین کو لے کر چلے، شہر کے اندر سے گزر رہے تھے، جاتے جاتے جب شہر کی آبادی ختم ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کہاں لے جارہے ہو؟ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بس اب تو قریب ہے۔ چنانچہ پورا دمشق شہر جو دنیا کے مال و اسباب سے جگ مگ کر رہا تھا، گزر گیا تو آخر میں لے جا کر کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک جھونپڑا دکھایا، اور فرمایا کہ امیر المؤمنین، میں اس میں رہتا ہوں۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا تو وہاں سوائے ایک مصلے کے کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے ابوعبیدہ! تم اس میں رہتے ہو؟ یہاں تو کوئی سازو سامان، کوئی برتن، کوئی کھانے پینے اور سونے کا انتظام کچھ بھی نہیں ہے، تم یہاں کیسے رہتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین! الحمدللہ میری ضرورت کے سارے سامان میسر ہیں، یہ مصلی ہے، اس پر نماز پڑھ لیتا ہوں، اور رات کو اس پر سو جاتا ہوں، اور پھر اپنا ہاتھ اوپر چھپر کی طرف بڑھایا اور وہاں سے ایک پیالہ نکالا، جو نظر نہیں آرہا تھا، اور وہ پیالہ نکال کر دکھایا کہ امیر المؤمنین، برتن یہ ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس برتن کو دیکھا تو اس میں پانی بھرا ہوا تھا اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھیگے ہوئے تھے، اور پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین، میں دن رات تو حکومت کے سرکاری کاموں میں مصروف رہتا ہوں، کھانے وغیرہ کے انتظام کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ ایک خاتون میرے لئے دو تین دن کی روٹی ایک وقت میں پکا دیتی ہے۔ میں اس روٹی کو رکھ لیتا ہوں اور جب وہ سوکھ جاتی ہے تو میں اس کو پانی میں ڈبو دیتا ہوں اور رات کو سوتے وقت کھا لیتا ہوں۔ (۱)

بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المؤمنین، میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میرا مکان دیکھنے کے بعد آپ کو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوعبیدہ! اس

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۱/۷)

دنیا کی ریل پیل نے ہم سب کو بدل دیا، مگر خدا کی قسم تم ویسے ہی ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے، اس دنیا نے تم پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ حقیقت میں یہی لوگ اس کے مصداق ہیں کہ ع

بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

ساری دنیا آنکھوں کے سامنے ہے، اس کی دلکشیاں بھی سامنے ہیں اور اس کی رعنائیاں بھی سامنے ہیں اور دوسرے لوگ جو دنیا کی ریل پیل میں گھرے ہوئے ہیں وہ سب سامنے ہیں لیکن آنکھوں میں کوئی جچتا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ کی محبت اس طرح دل پر چھائی ہوئی ہے کہ ساری دنیا کے جگ مگ کرتے ہوئے مناظر دھوکہ نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ کی محبت ہر وقت دل و دماغ پر مسلط اور طاری ہے، ہمارے حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا (مجذوبؒ)

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کے قدموں میں دنیا ذلیل ہو کر آئی۔ لیکن دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہیں دی۔ حقیقت میں یہ نبی کریم ﷺ کی تربیت تھی۔ آپ ﷺ نے بار بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا کی حقیقت کی طرف متوجہ کیا۔ اور بار بار دنیا کی بے ثباتی کی طرف اور آخرت کی ابدی اور دائمی نعمتوں اور عذابوں کی طرف متوجہ کیا جس سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں۔

ایک دن مرنا ہے

انسان ذرا سوچے تو سہی کہ یہ دنیا کس وقت تک کی ہے، ایک دن کی، دو دن کی، تین دن کی، کسی کو پتہ ہے کہ کب تک اس دنیا میں رہوں گا؟ کیا اس کو یقین ہے کہ میں اگلے گھنٹے بلکہ اگلے لمحے زندہ رہوں گا؟ بڑے سے بڑا سائنس دان، بڑے سے بڑا فلسفی، بڑے سے بڑا صاحبِ اقتدار یہ نہیں بتا سکتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کتنی ہے؟ لیکن اس کے باوجود انسان دنیا کا ساز و سامان اکٹھا کرنے میں لگا ہوا ہے اور دن رات دنیا کی دوڑ دھوپ لگی ہے اور صبح سے شام تک اسی کا چکر چل رہا ہے اور جس دن بلاوا آئے گا سب کچھ چھوڑ کر چلا جائے گا، کوئی چیز ساتھ نہیں جائے گی۔

''دنیا'' دھوکے کا سامان ہے

لہٰذا قرآن کریم کی یہ آیت:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾(۱)

(۱) الحدید: ۲۰

یہ بتا رہی ہے کہ دنیاوی زندگی دھوکے کا سودا ہے، اس دھوکے کے سودے میں اس طرح نہ پڑ جانا کہ وہ تمہیں آخرت سے غافل کر دے۔ اس دنیا سے ضرور گزرو مگر اس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر یہ بات دل میں اُتر جائے تو پھر چاہے تمہاری کوٹھیاں کھڑی ہوں یا بنگلے ہوں یا مل ہوں، یا دنیا کا ساز وسامان ہو یا مال و دولت ہو اور بینک بیلنس ہو لیکن ان کی محبت دل میں نہیں ہے تو پھر زاہد ہو، الحمدللہ، پھر تمہیں زہد کی نعمت حاصل ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ خسارے کا سودا اس شخص کا ہے جس نے دنیا میں کمایا تو کچھ بھی نہیں اور قلاش ہے مگر دل میں دنیا کی محبت بھری ہے، تو اس شخص کو زہد حاصل نہیں ہے، اس کو زاہد نہیں کہیں گے، اس لئے کہ دنیا کی عشق ومحبت میں مبتلا ہے اور ایسا شخص بڑے خسارے میں ہے۔

''زہد'' کیسے حاصل ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیز کیسے حاصل ہو؟ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان قرآن وحدیث کے ان ارشادات پر غور کرے اور موت کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا مراقبہ کرے اور آخرت کی نعمتوں کا، آخرت کے عذاب کا، دنیا کی بے ثباتی کا مراقبہ کرے اور اس کے لئے روزانہ پانچ دس منٹ کا وقت نکالے۔ اس سے رفتہ رفتہ دنیا کی محبت دل سے زائل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مال وجاہ کی محبت، ایک باطنی بیماری ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ))(۱)

یہ حدیث حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو بھوکے بھیڑیے کسی بکریوں کے گلہ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس بکریوں کے گلہ میں اتنا فساد نہیں مچائیں گے جتنا مال اور جاہ کی محبت انسان کے دین میں پیدا کرتی ہے'' پہلی چیز مال کی محبت ہے جس سے اکثر حضرات واقف ہیں، دوسری چیز شرف کی محبت ہے جس میں دو چیزیں داخل ہیں، ایک وہ جسے عام طور پر حب جاہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور دوسری وہ جسے دکھاوا اور نام ونمود سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں چیزیں ملتی جلتی ہیں لیکن ان میں تھوڑا سا فرق ہے۔

حبِ جاہ کا مطلب

حب جاہ کا معنی یہ ہے کہ اس بات کی حرص اور طلب ہو کہ لوگوں پر میرا اثر قائم ہو جائے، کوئی ایسا عہدہ اور منصب حاصل کرلوں جو بااثر ہو، جس سے لوگ میری عزت کرنے لگیں اور مجھے اپنا قائد اور لیڈر ماننے لگیں۔ تو یہ شوق کہ لوگ میری بات مانیں اور لوگوں پر میرا اثر ہو اس کا نام حب جاہ ہے۔

نام ونمود اور تعریف پسندی

یہ خواہش کہ لوگ مجھے بلند سمجھیں اور میری ہر ادا کو پسند کریں۔ اس کو خواہ تعریف پسندی کہیں

☆ اصلاحی مواعظ (۱/۱۴۳ تا ۱۶۵)، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) سنن الترمذي، كتاب الزهد عن رسول الله، باب ما جاء في أخذ المال بحقه، رقم: ۲۲۹۸، مسند أحمد، رقم: ۱۵۲۲٤، سنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب ما ذئبان جائعان، رقم: ۲٦۱٤

یا دکھاوا، یہ بھی حبِ جاہ کا ایک حصہ ہے۔ حضور ﷺ اس حدیث مبارک میں ہمیں اسی طرف متوجہ فرمارہے ہیں کہ یہ جاہ کی محبت خواہ منصب کے ذریعے ہو یا تعریف پسندی کے ذریعے یہ انسان کے دین میں بڑا فساد پھیلاتی ہیں۔ جس طرح بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلے میں فساد پھیلاتے ہیں اس سے زیادہ فساد یہ چیزیں پھیلاتی ہیں۔ ان دونوں چیزوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بڑے نازک مقامات ہیں، اور ان سے بچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا شراب پینے اور خنزیر کھانے سے بچنا چاہئے۔ پہلا حصہ جو میں نے عرض کیا کہ بڑا منصب یا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش اور فکر کرنا تاکہ لوگوں کو متاثر کیا جاسکے اور رعب ڈالا جاسکے، یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔

جاہ کا کچھ حصہ شرعاً بھی مطلوب ہے

جاہ کا کچھ حصہ شرعاً مطلوب بھی ہے اور جائز بھی، یعنی لوگوں کے دلوں پر اتنا اثر قائم ہو جائے جس کے نتیجے میں انسان دوسروں کی ایذا ہی اور نقصان سے اپنے آپ کو بچا سکے، گویا اگر کوئی شخص بالکل بے حیثیت اور بے عزت ہے، دوسروں کی ایذا رسانی سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا تو اتنے جاہ کا حصہ کہ جس کے ذریعے انسان اپنے آپ کو تکلیف سے بچا سکے یہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ مثلاً ایک آدمی کی کسی کی نگاہ میں کوئی وقعت اور عزت نہیں ہے، کوئی آکر اُس کو مار گیا، کوئی اُس کا مال لوٹ گیا یا کوئی اُس کی جان پر حملہ آور ہو گیا، اب اگر کہیں جا کر وہ شکایت کرتا ہے تو کوئی اُس کی بات نہیں سنتا۔ تھانے میں جاتا ہے تو پولیس والے رپورٹ درج نہیں کرتے۔ آج کی دنیا ایسے بے وقعت آدمی کو مار ڈالے گی۔ لہٰذا اتنی جاہ کہ جس سے تکلیف کو دور کر سکے جائز بھی ہے اور ضروری بھی۔ اتنی جاہ اگر کوئی طلب کرے تو شریعت میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔

ضرورت سے زائد جاہ کی طلب

لیکن اگر جاہ اس لئے طلب کر رہا ہے تاکہ اپنی ضرورت سے زائد منافع حاصل کروں، کیونکہ اگر یہ منصب مجھے مل جائے گا تو میں اس سے لوگوں پر اثر ڈالوں گا اور اپنے لئے منافع حاصل کروں گا، یہ حبِ جاہ ہے جو کہ حرام ہے۔

عہدہ کی طلب، حدیثِ نبوی ﷺ کے آئینہ میں

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حکومت کے جتنے بھی عہدے اور منصب ہیں، اگر کسی شخص کو بے مانگے عطا ہو جائیں اور انسان اس کو اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کے مطابق استعمال کرے تو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اور انشاء اللہ اس کی مدد ہوگی، لیکن جو شخص اُس عہدے کے پیچھے بھاگتا ہے، لوگوں سے سفارشیں اور درخواستیں کراتا ہے، تو حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی کوئی مدد نہیں ہوتی۔ (۱)

اس لئے شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ انسان کوئی بھی عہدہ، منصب، وزارت یا حکمرانی خود سے بڑھ کر طلب نہ کرے مگر یہ کہ قومی مفاد کے لئے بہت ہی شدید حاجت ہو۔

شدید حاجت کیا ہے؟

منصب کی طلب میں شدید حاجت یہ ہے کہ اگر میں آگے بڑھ کر قبول نہیں کروں گا تو ظالم لوگ اس پر قابض ہوکر مخلوقِ خدا کو نقصان پہنچائیں گے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا کہ جب بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور اپنا مقرب بنایا تو بادشاہ مصر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام نے خود فرمایا:

﴿اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ (۲)

''مجھے آپ حکومت کے خزانے کا محکمہ حوالے کردیں تاکہ میں اس کی نگرانی ٹھیک سے کروں''

کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ اگر میں نہیں جاؤں گا تو کچھ لوگ دوسروں کے حقوق غصب کرکے کھاجائیں گے اور ظلم وستم کا نشانہ بنائیں گے۔ لہٰذا مخلوقِ خدا کو ظلم سے بچانے کی خاطر انہوں نے اس عہدے کو طلب کرلیا، چنانچہ یہ ایک استثنائی صورت ہے، اگر کہیں پیش آجائے تو جائز ہے کہ اُس عہدے کو طلب کرلیا جائے، لیکن اصل حکم یہ ہے کہ خود سے آگے بڑھ کر عہدہ طلب نہ کرے۔

وعظ وتقریر میں احتیاط

علماء نے یہاں تک فرمایا کہ خود سے آگے بڑھ کر واعظ بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ ایسا کرنے میں برکت نہیں ہوتی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأحکام، من لم یسأل الإمارة أعانه الله علیه، رقم: ٦٦١٣، صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب النهی عن طلب الإمارة والحرص علیها، رقم: ٣٤٠١، سنن الترمذی، کتاب الأحکام عن رسول الله، باب ما جاء عن رسول الله فی القاضی، رقم: ١٢٤٦، سنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب النهی عن مسألة الإمارة، رقم: ٥٢٨٩، سنن أبی داود، کتاب الخراج والإمارة والفیء، باب ما جاء فی طلب الإمارة، رقم: ٢٥٤٠، سنن ابن ماجه، کتاب الأحکام، باب ذکر القضاة، رقم: ٢٣٠٠

(۲) یوسف: ٥٥

((لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَأْمُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ))(۱)

''وعظ یا تو وہ کہے جو دینی امور میں امیر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسے امارت کا منصب عطا کیا ہو، یا وعظ کا حق اس کو ہے جسے امیر کی طرف سے حکم دیا گیا ہو''

مثلاً کسی اللہ والے نے وعظ کے لئے بٹھا دیا کہ تم یہ خدمت انجام دو تو اُس کے لئے وعظ کہنا جائز ہے۔ تیسرا جو شخص بھی وعظ کہے گا تو آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ ''مختال'' یعنی دکھاوا کرنے والا ہے، اور اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر وعظ کہہ رہا ہے۔ بعض لوگ خود اپنی طرف سے بغیر کسی کے کہے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے وعظ ونصیحت میں برکت نہیں ہوتی، اُلٹے تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی اللہ والا بزرگ کسی منصب پر نہ بٹھا دے اُس وقت تک خود سے اُس منصب پر نہ بیٹھے۔

مقبول واعظ کے لئے احتیاط

ہم لوگوں کی مثال کچھ ایسی ہے کہ جب وعظ کرنا شروع کیا اور کچھ لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے تعظیم وتکریم کرتے ہوئے بات سننا شروع کر دی، تو دماغ میں یہ خیال آتا ہے کہ اتنے سارے لوگ جو میری بات سن رہے ہیں یقیناً کچھ نہ کچھ میرے اندر ضرور موجود ہے، تو اس سے انسان کا نفس خراب ہو جاتا ہے اور انسان تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خرابیٔ نفس کا عجیب واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اس کی مثال میں ایک قصہ لکھا ہے۔ عرب میں ایک مشہور لالچی شخص گزرا ہے، جس کا نام اشعب تھا۔ ایک مرتبہ کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں کچھ لوگوں کو برتن بناتے دیکھا۔ اُس نے اُن سے کہا کہ تم لوگ اتنے چھوٹے چھوٹے تھال کیوں بنا رہے ہو؟ بڑے بڑے تھال بناؤ۔ لوگوں نے اُس سے کہا: ہم خواہ چھوٹے چھوٹے تھال بنائیں یا بڑے تمہیں کیا مطلب؟ کہنے لگا: ہو سکتا ہے کہ جو تھال تم بنا رہے ہو کسی ایسے شخص کے پاس پہنچے جو میرے پاس اُس تھال میں تحفہ لے کر آئے، اس لئے تم بڑا تھال بناؤ۔

اسی کے لالچ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بعض اوقات گھر سے نکلتا اور بچوں کو کھیلتا دیکھ کر جھوٹ موٹ کہتا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو فلاں جگہ جاؤ وہاں مٹھائی بٹ رہی ہے۔ چونکہ بچوں کو مٹھائی

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب في القصص، رقم: ۳۱۸۰، مسند أحمد، رقم: ۱۷۳۵۸، سنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب في النهي عن القصص، رقم: ۲٦٦٠

کا شوق ہوتا ہے لہٰذا وہ کھیل کو چھوڑ کر اُس طرف بھاگے۔ جب سب بچے بھاگنے لگے تو خود بھی اُن کے پیچھے بھاگنے لگا۔ کسی نے پوچھا: تم کیوں بھاگ رہے ہو؟ اُس نے کہا: میں اس لئے پیچھے بھاگ رہا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ مٹھائی بٹ رہی ہو۔[1]

ایک غلط سوچ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کچھ لوگ بعض اوقات اپنے تقدس، بزرگی اور علم وفضل سے لوگوں کو خود دھوکہ دیتے ہیں، اور جب کچھ لوگ مائل ہو گئے تو پھر سوچتے ہیں کہ اتنی ساری مخلوق جو مائل ہو رہی ہے آخر کوئی بات ہے جو سارے لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں۔ یہ سوچ غلط ہے جو کہ بعض اوقات انسان کو تکبر میں مبتلا کر دیتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یقیناً ایک عظیم کام ہے، لیکن اس کا فائدہ اُسی وقت ہوتا ہے کہ جب بندہ اس کام کو تعریف کروانے، مشہور ہونے یا پرہیزگار کہلوانے کے لئے نہ کرے، بلکہ اس کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی اور اُس کی رضامندی ہو۔

شیخ کی نگرانی میں کام کیجئے

اس لئے یہ بڑا خطرناک اور نازک معاملہ ہے کہ جب تک کوئی بزرگ کسی منصب پر نہ بٹھادے یا کسی کی باقاعدہ نگرانی نہ ہو، تو بعض اوقات انسان حبِ جاہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ کام کرنے سے پہلے اور کام کرنے کے ساتھ ساتھ کسی اللہ والے سے تعلق قائم رکھو، تاکہ انسان کا نفس حب جاہ کی بیماری سے محفوظ رہے۔

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے بزرگ تھے، اُن کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ سمندر کے کنارے کشتیوں سے کچھ مٹکے اُتر رہے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ شراب کے مٹکے ہیں جو حاکمِ وقت کے لئے کسی دوسرے ملک سے آئے ہیں، اور اب ایک بڑے جہاز میں لاد کر اُس کے پاس جانے ہیں۔ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو بہت صدمہ ہوا کہ ایک مسلمان ملک کا حاکم شراب کے مٹکے منگوا رہا ہے۔ آپ کو نہی عن المنکر کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور آپ نے اُن بیس مٹکوں کو ایک ایک کرکے توڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اُنیس مٹکے توڑ

(۱) نفحة العرب، ص:۱۵

ڈالے۔ جب بیسواں مٹکا توڑنے کے لئے ہاتھ بلند کیا تو اچانک دل میں کچھ خیال کر کے اس آخری مٹکے کو چھوڑ دیا اور واپس چلے آئے۔ کسی طرح یہ خبر حاکم تک پہنچ گئی کہ فلاں شخص نے اُنیس مٹکے توڑ ڈالے۔ بادشاہ نے طلب کرلیا اور پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ دراصل قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو اور اس کے نتیجے میں جو کچھ تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو“ چنانچہ جب میں نے دیکھا کہ یہ برائی آپ تک پہنچے گی اور پھر مخلوق کے اندر پھیلے گی تو ان کو توڑنا چاہا لیکن خیال آیا کہ تو بڑا بہادر ہے کہ بادشاہ کی قید وسزا کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی، جب لوگوں کو پتا چلے گا کہ ابوالحسن نے بادشاہ کے مٹکے توڑ دیئے ہیں تو لوگوں میں تیری شہرت ہوگی۔ جب مجھے یہ خیال آیا تو اب میرا توڑنا اللہ کے لئے نہ رہتا بلکہ مخلوق کی تعریف طلبی کے لئے ہوتا۔ اب تک جتنے مٹکے توڑے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے اور اُس کی رضا کے لئے توڑے تھے، اور اگر آخری مٹکے کو بھی توڑ دیتا تو وہ اپنے نفس اور دکھاوے کے لئے توڑتا لہٰذا آخری مٹکے کو چھوڑ آیا۔

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کا بادشاہ پر اثر

روایات میں آتا ہے کہ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا بادشاہ پر ایسا اثر پڑا کہ اُس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مستقل طور پر آپ کو محتسب مقرر کردیا کہ اب آپ شہر کی نگرانی کریں اور جتنی برائیاں نظر آئیں اُن کو دور کریں۔ غرض کسی کو نیکی کی بات بتانا اور برائی سے روکنا یہ اُس وقت قابلِ تعریف ہے جب اُس کا مقصد سوائے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے اور کچھ نہ ہو، کیونکہ اگر یہی کام شہرت، نام اور متقی کہلوانے کے لئے ہو تو ساری محنت اکارت ہوجاتی ہے اور انسان اُلٹا گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بھی تھے اور بڑے درجے کے بزرگ بھی تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کانپور مدرسے میں پڑھانے لگے۔ کانپور کے لوگوں میں بدعات کا بہت زور تھا۔ لوگوں کا التفات قرآن وحدیث کی طرف کم اور منطق وفلسفہ کی طرف زیادہ تھا جبکہ علماء دیوبند کا التفات قرآن و سنت کی طرف زیادہ تھا، اس لئے وہ لوگ علمائے دیوبند کو کمتر سمجھتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو کانپور بلاؤں اور آپ کا یہاں وعظ کراؤں تاکہ لوگوں کو دین کی حقیقت بھی معلوم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ علمائے دیوبند ہر فن کو جاننے والے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد کیا گیا اور حضرت شیخ الہند کو بلایا گیا۔ جلسے کے دوران حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو اشارۃً یہ بتادیا کہ حضرت فلاں مسئلہ پر ذرا خاص طور پر بیان فرما دیجئے کیونکہ یہاں اُس مسئلے کے بارے میں بہت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مسئلے کا تعلق بھی منطق اور فلسفے سے تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے جب بیان شروع کیا تو اُس وقت تو وہ لوگ نہیں پہنچے تھے جن کو وعظ سنانا مقصود تھا، لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ آئے۔ حضرت شیخ الہند نے اُس مسئلے پر بیان کرنا شروع کر دیا جس میں حضرت نے بڑے اُونچے درجے کے علوم بیان فرمائے۔ بیان ابھی جاری تھا کہ اچانک شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں آگے بیان کرنے سے معذرت خواہ ہوں اور ”وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین“ کہہ کر بیٹھ گئے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی تشویش ہوئی کہ جب بیان کا اصل وقت آیا تو حضرت بیٹھ گئے، چنانچہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ اب تو اصل موقع تھا لیکن آپ نے وعظ ختم فرمادیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دراصل مجھے اس چیز کا خیال آگیا کہ اب میں ان لوگوں کے سامنے اپنی علمیت کا اظہار کر رہا ہوں۔ اب اگر میں وعظ جاری رکھتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کو نمایاں کرنے اور اپنی علمیت کو جتانے کے لئے ہوتا، اور ایسا وعظ بیکار ہے جس کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ اپنی علمیت ظاہر کرنا مقصود ہو۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ انسان مجمع عام میں تقریر کے دوران یہ سوچ کر بیٹھ جائے کہ اب تک جو کہا تھا وہ اللہ کے لئے تھا لیکن اب جو کہوں گا وہ علمیت کے اظہار کے لئے ہوگا۔ دراصل حبِ جاہ سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ پس کوئی بھی منصب، کوئی بھی عہدہ اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے حاصل کرنا برا ہے۔ البتہ مخلوق کو فائدہ یا راحت پہنچانے کے لئے عہدہ حاصل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔

تمام بزرگ تواضع سے اولیاء اللہ بنتے ہیں

بعض اوقات جاہ و منصب یا اثر و رسوخ بغیر مانگے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ عام طور پر یہ اُن اللہ والوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو تواضع سے مٹاتے چلے جاتے ہیں اور دنیا اُن کے قدموں میں آتی چلی جاتی ہے۔ حدیث میں سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ))(۱)

”جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ بلند مقام عطا فرمادیتے ہیں“

(۱) الترغیب والترهیب، رقم: ٤٣٩٥ (٣٥١/٣)، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (٤٠٤/٣)، کنزالعمال، رقم: ٦٣٤٩ (٢٤١/٣)، الزواجر عن اقتراف الکبائر (١٩١/١)، شعب الإیمان، رقم: ٨١٤٠ (٢٧٦/٦)، مصنف ابن ابی شیبه (١٧٩/٨)، جامع الأحادیث، رقم: ٣٦٢٨١ (٢٩١/٣٣)

جتنے بھی بزرگ اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں وہ خود چاہتے ہیں کہ کسی کو میری خبر نہ ہو، میں گمنام رہوں، لیکن وہ خوشبو جو مہکتی ہے وہ دیوانہ وار لوگوں کو کھینچ لاتی ہے۔ اگر چہ وہ اپنے اردگرد حصار قائم کر لیتے ہیں لیکن مخلوق اُن کے قدموں پر نچھاور ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی خوشبو عطا فرمائی ہے جو بغیر مانگے اُن کو حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

جائز منصب کے استعمال میں غلطیاں

لیکن ایسی جاہ جو جائز طریقے سے اور بے مانگے حاصل ہو جائے، اس کے استعمال میں بڑی زبردست غلطیاں اور غفلتیں ہوتی ہیں جن کی طرف انسان کا ذہن نہیں جاتا اور انسان اُس میں مبتلا رہتا ہے، اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس جاہ کا استعمال بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص سے اُس کی مرضی اور خوشنودی کے خلاف کوئی کام محض اپنی شخصیت اور عہدے کا دباؤ ڈال کر کرایا جاتا ہے جو سراسر ناجائز ہے۔

دباؤ ڈال کر چندہ کرنا

مثلاً کسی نیک کام کے لئے چندہ کے لئے دو چار با اثر لوگوں کو ساتھ لے لیا جائے اور اُن کے ذریعے لوگوں سے چندہ کروایا جائے تاکہ اُن لوگوں کی وجہ سے وہ چندہ دینے سے انکار نہ کریں۔ کیونکہ اگر تنہا جائے اور با اثر لوگ ساتھ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اُن لوگوں کے دلوں میں چندہ دینے کا داعیہ پیدا ہوتا یا نہ ہوتا، یا چندہ دیتا مگر کم دیتا۔ لیکن جب کسی بھاری شخصیت کا رعب ڈال دیا گیا تو اُس سے انکار نہیں ہوا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے وہ چندہ اُس کی شخصیت کے رعب کی بناء پر دیا ہے ورنہ دل سے وہ چندہ دینے پر راضی نہ تھا۔ ایسا کرنا جاہ کا غلط استعمال ہے۔ حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِہٖ مِنْہُ))(۱)

''کسی کا مال اس کی خوشنودی کے بغیر حلال نہیں''

مہر بھی خوشدلی کے بغیر معاف نہیں ہوتا

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب عورت مہر معاف کرے تو صرف زبانی معافی کافی نہیں بلکہ عورت اگر دل سے معاف کرے تو مہر معاف ہوتا ہے۔ یہ مفہوم قرآن مجید میں اس طرح مذکور ہے:

(۱) مسند أحمد، أول مسند البصريين، رقم: ۱۹۷۷٤

﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾(۱)
یعنی اگر بیویاں خوشی سے تمہیں کچھ دے دیں تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

مہر کی معافی، ایک بُرا رواج

عام طور پر لوگوں میں یہ رواج پڑ گیا ہے کہ ساری زندگی ساتھ گزاری لیکن کبھی بھی نہ مہر دینے کا خیال آیا اور نہ ہی ارادہ کیا۔ جب بسترِ مرگ پر پہنچ گئے اُس وقت بیوی سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے ذمہ تمہارا مہر ہے اُسے معاف کردو۔ اب ایسے وقت میں اُس بیچاری کی زبان سے اس کے سوا کیا نکلے گا کہ میں معاف کرتی ہوں۔ جبکہ قرآن کہتا ہے ایسی معافی معتبر نہیں۔ معافی وہی معتبر ہے جو خوشدلی سے ہو۔ حالات سے مجبور ہو کر معاف کردینا معتبر نہیں۔ چندہ کا بھی یہ حال ہے، حالات یا شخصیات کے دباؤ میں آکر دیا ہوا چندہ حلال نہیں بلکہ یہ شخصیت کا غلط استعمال ہے۔

چندہ کی ایک جائز صورت

اور اگر ایک آدمی چندہ دینا تو چاہتا ہے لیکن اگر آپ خود جائیں تو اُس کو یہ اعتماد نہیں ہوتا کہ یہ چندہ لینے والا اس چندہ کو صحیح مصرف پر خرچ بھی کرے گا یا نہیں۔ لہٰذا آپ ایک ایسے شخص کو ساتھ لے گئے جس کی وجہ سے چندہ دینے والے کو اس بات کا اعتماد ہو جائے کہ چندہ لینے والا غلط آدمی نہیں ہے۔ تو یہ طریقہ جائز ہے۔ لیکن اگر کسی اہم شخص کو اس لئے ساتھ لے گیا کہ چندہ دینے والا دباؤ اور رعب میں آکر کچھ نہ کچھ دے ہی دے گا تو یہ بالکل حرام ہے اور اپنے منصب کا غلط استعمال ہے۔

سفارش کا معنی

اسی طرح آج کل سفارش کا بھی بہت رواج ہو گیا ہے۔ کسی بڑے آدمی کی سفارش اس لئے کرائی جاتی ہے تاکہ دوسرا آدمی شخصیت کا دباؤ محسوس کر کے کام کر ہی دے۔ یہ بھی جاہ کا ناجائز استعمال ہے۔ سفارش کا مطلب یہ نہیں کہ کسی پر دباؤ ڈال کر کوئی کام کرایا جائے بلکہ سفارش کا مطلب توجہ دلانا اور مشورہ دینا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی کے نام سفارشی خط لکھ دیا کہ اس کو فلاں جگہ ملازم رکھ لیں۔ اب جس کے نام خط لکھا گیا ہے وہ سوچتا ہے کہ میں اتنی بڑی شخصیت کی سفارش کو کیسے رد کروں جبکہ جس کی سفارش کی جارہی ہے وہ اُس منصب کا اہل نہیں ہے۔ آج کل میرے پاس بہت سے لوگ

---

(۱) النساء: ٤، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''ہاں اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھالو''

آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے نام زوردار الفاظ میں سفارش لکھ دیں۔ جبکہ زوردار الفاظ میں سفارش لکھنا ہی ناجائز ہے۔ سفارش کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو یہ لکھا جائے کہ فلاں شخص میرے خیال کے مطابق حاجتمند بھی ہے اور اہل بھی۔ اگر آپ کے حالات اجازت دیں اور مصلحت کے مطابق ہو تو اس کا کام کر دیجئے، میں اس کی سفارش کرتا ہوں۔ پھر اگر وہ سفارش قبول نہ کرے تو دل پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ جبکہ زوردار الفاظ میں یوں کہنا کہ آپ نے ہر حالت میں اور ہر قیمت پر یہ کام کرنا ہے، یہ سفارش ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح کسی دوسرے پر اپنی شخصیت، مال و دولت اور منصب کا دباؤ ڈالنا بھی شریعت میں ممنوع ہے۔ صرف عبادات کی بات نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں دین کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے اور انہیں چیزوں کو فراموش کر کے ہمارا معاشرہ بگڑ رہا ہے اور ہماری زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ اب تو کچھ اندازہ ہوا ہوگا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ مال و جاہ کی محبت انسان کے دین میں کتنا فساد مچاتی ہیں۔ ہم لوگ جاہ و منصب کو حاصل کر کے باقاعدہ اُس کا استعمال کر رہے ہیں۔

عہدے کا غلط استعمال

ہمارے ہاں جو انتخابات ہوتے ہیں اُس میں ہر اُمیدوار یہ کہتا ہے کہ ''ہمچوں ما دیگرے نیست'' خود اپنے فضائل بیان کرنا اور دوسرے پر تنقید کرنا انتخابات کا لازمی حصہ ہے۔ اور ویسے بھی لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کیے بغیر کوئی انتخابات نہیں لڑسکتا۔ لاکھوں کروڑوں خرچ کر کے اسمبلی کا ممبر بن گیا، یا وزارت کے عہدے پر فائز ہوگیا تو کیا اپنی خرچ کی ہوئی ساری رقم اللہ کے راستے میں لٹادی؟ بلکہ یہ تو پوری سرمایہ کاری ہے کہ جب تک صرف کی ہوئی رقم کا دگنا یا چوگنا وصول نہ کرے اُس وقت تک اُس کا عہدہ بیکار ہے۔ یہ سب جاہ کا حصول اس لئے ہو رہا ہے تاکہ جو ایک کروڑ روپے خرچ کیے تھے اُس کا دس کروڑ بنائے۔ اور اگر دس کروڑ نہ بنائے تو گویا ممبری لے کر حماقت کا ارتکاب کیا۔ آپ دیکھ لیں اس کا فساد معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو حضور ﷺ ان الفاظ کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ جاہ کی محبت انسان کے دین میں اتنا فساد مچاتی ہے کہ جو بھوکا بھیڑیا بھی بکریوں کے گلے میں نہیں مچاتا۔

تعریف پسندی کا وبال

حب جاہ کا دوسرا حصہ تعریف پسندی ہے۔ اس بات کا شوق کہ لوگ میری تعریف کریں یہ شوق ایک زبردست بیماری ہے جو حب جاہ کی بنیاد ہے خواہ کوئی کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو لیکن اُسے اپنی تعریف سننے کا شوق ہوتا ہے جس کی وجہ سے اچھے خاصے نیکی کے کام برباد ہو جاتے ہیں۔

مثلاً ایک کا مسلمان بھائی کو ہدیہ یا تحفہ دینا بہت ثواب کا کام ہے اور حضور ﷺ نے اس کے بہت فضائل بیان فرمائے ہیں، لیکن وہی تحفہ اگر اس لئے دیا جائے کہ اس کے ذریعے میری تعریف اور نام مشہور ہو جائے تو وہ سارا اجر وثواب اکارت ہو جاتا ہے بلکہ اُلٹا گناہ لکھا جاتا ہے۔

تحفے کے بارے میں ایک غلط رواج

ہمارے معاشرے میں ایک عام سی بات ہے کہ رشتے داروں کے ہاں تحفہ لے جانے کا اتنا رواج نہیں۔ کوئی اگر تحفہ دینا بھی چاہے تو اُس کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس وقت چھوڑو، فلاں تقریب آنے والی ہے اُس موقع پر دوگے تو تمہارے تحفے کا نام بھی ہوگا اور تعریف بھی ہوگی کہ فلاں شخص نے یہ تحفہ دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دیا جارہا ہے وہ صرف نام ونمود اور دکھاوا ہے۔ جبکہ عام حالات میں اگر سادگی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور ایک مسلمان کو خوش کرنے کے لئے تحفہ دیا جائے تو اُس کا بہت بڑا اجر ہے۔ لیکن اگر تعریف کروانا مقصود ہو تو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔

تعریف پسندی کی کوئی حقیقت نہیں

میرے مرشد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ ایک بات بڑے کام کی فرمایا کرتے تھے کہ تعریف پسندی ایسی بے حقیقت چیز ہے کہ اس کا مدار دوسرے پر ہے کہ دوسرا تعریف کرے، پھر دوسرا اپنے اختیار میں کب ہے؟ تعریف کرے یا نہ کرے! اگر کر بھی دی تو کب تک کرے گا؟ مثلاً آپ نے کسی کو تحفہ دیا، اُس نے کہا: آپ بہت سخی ہیں۔ دو تین مرتبہ کہہ کر وہ رک گیا۔ آپ نے اُس سے پھر کہا کہ آپ کی تعریف مجھے بہت اچھی لگی ذرا ایک مرتبہ پھر فرمادیجئے۔ اُس نے پھر تعریف کردی۔ اب اس سے سارا ثواب ضائع ہو جائے گا۔ اور اگر یہ سب کچھ صرف اللہ کے لئے ہوتا تو اس کا اجر ضرور آخرت میں ملتا۔ میرے مرشد ایک شعر پڑھا کرتے تھے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اگر اُس پر عمل کرلیا جائے تو حبِ جاہ کی بیماری دور ہو جائے۔

ختم ہو جاتی ہے حبِ جاہ دنیا جس کے پاس
اک ذرا سی بات ہے اے دل پھر کیا اُس کے پاس

ذرا تصور کریں جس نے کئی مرتبہ تعریف کردی پھر اُس کے پاس کیا رہا؟ اس بات پر اگر غور کیا جائے تو حبِ جاہ و دنیا ختم ہو جائے۔ اگر کوئی تعریف کے بجائے صرف رضائے الٰہی کی خاطر کوئی کام کرے تو اُس کا اجر ابدی اور سرمدی ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جب انسان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو، تعریف وتوصیف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اُس کی تعریف کرواتے ہیں۔ آپ ذرا

غور کریں کیا آپ کو زندگی میں کوئی ایسا شخص ملا جس کی کسی نے بھی برائی نہ کی ہو؟ کوئی نہ کوئی برائی ضرور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبروں کی بھی برائی کی گئی، لیکن جب تک تعریف اور برائی سے بے پرواہ ہو کر اللہ جل شانہ کی تعریف نہیں کرے گا اُس وقت تک حب جاہ ہے۔ میرے والد صاحب ﷫ فرماتے تھے کہ تعریف بھی ایسے کی معتبر ہونی چاہئے جس کی تعریف کوئی وقعت رکھتی ہو، مثلاً آپ نے کوئی بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن آپ کی تعریف کوئی جمعدار کر رہا ہے تو آپ کو اُس کی تعریف کی کیا خوشی ہوگی؟ خوشی تو اُس کی تعریف کی ہوگی جو اُس کو بہتر طریقہ پر جانتا ہے۔

ایک حجام کا واقعہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک حجام کو بادشاہ نے حجامت بنوانے کے لئے بلوایا۔ جب حجام پہنچا اُس وقت بادشاہ کی آنکھ لگ گئی۔ حجام نے اتنی مہارت سے حجامت بنائی کہ بادشاہ سوتا رہا اُس کو معلوم بھی نہ ہوسکا۔ بیدار ہونے کے بعد دیکھا کہ بڑی شاندار حجامت بنی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا: یہ کس طرح بن گئی؟ کسی نے کہا کہ حجام آیا تھا، اُس نے سوتے ہوئے حجامت بنادی۔ بادشاہ نے کہا کہ بڑا کاریگر حجام تھا جو اتنی نفاست سے کام کیا کہ مجھ کو خبر تک نہ ہوسکی۔ لہٰذا اُس کو بلوایا جائے۔ جب وہ حجام آیا تو بادشاہ نے کہا کہ ہم تمہاری اس مہارت کی وجہ سے تمہیں ''رئیس الحلاقین'' یعنی حجاموں کے سردار کا خطاب دیتے ہیں۔ جب حجام کو یہ خطاب ملا تو حجام نے کوئی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ہم نے تمہیں اتنا بڑا خطاب دیا اور تم نے کسی بھی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کیا؟ حجام نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت آپ کا کرم ہے کہ آپ نے مجھے یہ خطاب دیا۔ لیکن اگر سب حجام مل کر مجھے یہ خطاب دیتے تو مجھے خوشی ہوتی کیونکہ وہ میرے ہم پیشہ اور میرے ہنر کو جاننے والے تھے اور آپ کو اس فن کی نزاکتوں سے واقفیت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی غیر ماہر خطاب دے تو کوئی خاص خوشی کی بات نہیں ہے۔ بلکہ خوشی تو اس وقت ہوتی جب میرے فن کے آدمی مجھے یہ خطاب دیتے۔ میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ اس حجام نے بڑی حکیمانہ بات کہی کیونکہ جتنی بھی مخلوق ہے یہ اعمالِ صالحہ کی قدر جاننے والی نہیں ہے۔ اُن کی قدر اگر کوئی جاننے والا ہے تو وہ ایک ہی اللہ کی ذات ہے۔ اگر وہ تعریف کرے اور خوش ہو جائے تو پھر خوشی کی بات ہے ورنہ مخلوق کی تعریف کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ہندی زبان کی ایک کہاوت

ہندی زبان کی ایک کہاوت ہے ''سہاگن وہ جسے پیا چاہے'' اس کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک

عورت کو دلہن بنایا جارہا تھا۔ دلہن بناتے وقت جو عورت بھی اُس سے ملتی تو کہتی کہ تو آج بہت خوبصورت لگ رہی ہے، تیرے بال بڑے خوبصورت لگ رہے ہیں، تیرا چہرہ بہت حسین لگ رہا ہے، غرض ہر عورت اُس کی تعریف کر رہی تھی۔ اور وہ ہر عورت کو ایک ہی جواب دے رہی تھی کہ مجھے تمہاری تعریف کرنے سے خوشی نہیں ہوگی مجھے تو فکر اس کی ہے کہ جہاں جارہی ہوں اگر وہ تعریف کرے تو میرے لئے خوشی کی بات ہے۔ کیونکہ تم تو تعریف کرکے واپس چلی جاؤ گی لیکن میرا جس سے ہمیشہ کے لئے واسطہ پڑنے والا ہے وہ میری تعریف کرے تو بات ہے۔ یہ نماز، روزے، صدقات وغیرہ جو ادا کیے جارہے ہیں مخلوق خواہ کتنی ہی اس پر تعریف کرے وہ تعریف بے حقیقت ہے جب تک اللہ جل شانہ نہ فرمادیں کہ میرے بندے میں تجھ سے راضی ہوگیا۔

ہر کام اللہ کی خاطر کریں

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی بھی کام لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کی خاطر نہ کرو بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں سے تمام شکوے اور شکایات ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ آج کل یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نے فلاں کو اتنے پیسے دیئے تھے لیکن اُس کے منہ سے تعریف کا ایک لفظ نہیں سنا، ہم نے فلاں کے ساتھ اتنی ہمدردی کی تھی لیکن اُس اللہ کے بندے نے شکریہ کا لفظ تک نہ بولا جس سے دلوں میں شکوے اور شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے پیدا ہو رہا ہے کہ ہمدردی کرتے وقت اس بات کی طرف دھیان تھا کہ اگر میں اس کے ساتھ بھلائی کروں گا تو یہ میری تعریف کرے گا اور میرا شکریہ ادا کرے گا، اور اگر اس طرف دھیان نہ ہوتا بلکہ دل میں یہ ہوتا کہ میں تو اللہ کے لئے دے رہا ہوں خواہ یہ شکریہ ادا کرے یا نہ کرے تو پھر دل میں کسی قسم کی کوئی شکایت پیدا نہ ہوتی۔ اگرچہ اُس کا فرض تھا کہ وہ شکریہ ادا کرتا کیونکہ حدیث کے مطابق جو انسان کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کام صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جاتا تو دل میں اس قسم کی کوئی بات پیدا نہ ہوتی۔ لہٰذا اس مخلوق کی بے حقیقت رضامندی کو چھوڑ کر خالقِ حقیقی کی رضا کی فکر کرنی چاہئے۔

حبِ جاہ کا علاج

حبِ جاہ کا علاج حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی ایسا کام کرو جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس کی وجہ سے لوگ میری تعریف کریں گے تو ایک مرتبہ دل میں یہ سوچ لو کہ یا اللہ میرا یہ کام آنے والا ہے جس کے بارے میں لوگ میری تعریف کریں گے، اس

تعریف کے ذریعے میرا نفس خراب نہ کیجئے گا۔ کیونکہ یہ تعریف حقیقت میں آپ کی تعریف ہے۔ آپ نے توفیق عطا فرمائی ہے، اس لئے میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ لوگوں نے تعریف کی۔ آپ نے اُن کے دلوں سے میرے عیوب چھپادیئے، اور اچھائی ظاہر کردی۔ اگر آپ یہ نہ کرتے اور میری اندرونی حقیقت سامنے آجاتی تو لوگ نفرت کرتے اور میرے پاس بیٹھنے کو تیار نہ ہوتے۔ اے اللہ یہ تیری ستاری ہے کہ تو نے میرے عیوب پر پردہ ڈال کر میرے ایک عمل کو اس طرح ظاہر کردیا کہ جس کی وجہ سے لوگ میری تعریف کررہے ہیں۔ یا اللہ آپ اس تعریف سے میرے نفس کو خراب نہ کیجئے۔ بس اللہ تعالیٰ سے ہر ایسے موقع پر یہ دعا کرلو۔ پھر دیکھو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ضرور محفوظ رکھیں گے۔

جب کوئی اچھا کام ہو جائے

جب کوئی اچھا کام ہوجائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ یہ کام تو نے کرادیا ورنہ یہ میرے بس میں نہیں تھا۔ یہ صرف آپ کا کرم ہے۔ یہ صرف آپ کا کرم ہے۔ اب اس کے ذریعے میرے دل کو خراب نہ کیجئے گا۔ باقی اپنی نیتوں کو درست کرنے کی فکر ہو یعنی اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی فکر ہونی چاہئے۔ مخلوق کی رضامندی کی فکر نہ ہو۔ اس لئے کہ مخلوق کی رضامندی بے حقیقت ہے۔ لہٰذا جب بھی مخلوق کی رضامندی کا خیال آئے تو فوراً اس بات کا تصور کریں کہ مخلوق تو ساری فنا ہونے والی ہے لہٰذا اس کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اپنی نگاہ اللہ کی طرف لے جائیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے جو فرصتِ عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

کوئی کچھ بھی کہے اس کی فکر نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی رضا کی فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت سے یہ حقیقت ہمارے دلوں میں بٹھادیں اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُستی کا علاج، چستی ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (۱)

میں پچھلے دنوں رنگون اور برما کے بعض دوسرے شہروں کے سفر پر تھا۔ مسلسل دس بارہ روز سفر میں گزرے۔ متواتر بیانات کا سلسلہ رہا، ایک ایک دن میں بعض اوقات چار چار، پانچ پانچ بیانات ہوئے، اس لئے آواز بیٹھی ہوئی ہے، اور طبیعت میں تکان بھی ہے، اور اتفاق سے کل دوبارہ حرمین شریفین کا سفر درپیش ہے، اس لئے آج طبیعت سستی کر رہی تھی، اور یہ خیال ہو رہا تھا کہ جب پچھلے جمعہ ناغہ ہو گیا تھا تو ایک جمعہ اور سہی، لیکن اپنے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات یاد آ گئی۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''جب کسی معمول کے پورا کرنے میں سستی ہو رہی ہو، تو وہی موقع انسان کے امتحان کا ہے، اب ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سستی کے آگے ہتھیار ڈال دے، اور نفس کی بات مان لے۔ تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج ایک معمول میں ہتھیار ڈالے، کل کو نفس دوسرے معمول میں ہتھیار ڈلوائے گا، اور پھر آہستہ آہستہ طبیعت اس سستی کے تابع اور اس کی عادی ہو جائے گی۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اس سستی کا ہمت سے مقابلہ کر کے اس معمول کو کر گزرے، محنت اور مشقت کر کے زبردستی اس کام کو کرے، تو پھر اس محنت اور مشقت اور مقابلہ کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ آئندہ بھی معمولات کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے''

حاصلِ تصوف ''دو باتیں''

اور ایسے موقع پر ہمارے حضرت والا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ سنایا کرتے تھے۔ حقیقت میں یہ ملفوظ یاد رکھنے، بلکہ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے:

☆ اصلاحی خطبات (۵/۱۰۴ تا ۱۱۵)، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔ (۱) العنکبوت: ۶۹

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس وقت کسی طاعت کی ادائیگی میں سستی ہو، تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس وقت کسی گناہ کا داعیہ (تقاضا) پیدا ہو، تو اس داعیے (تقاضے) کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جب یہ بات حاصل ہو جائے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے مضبوط ہوتا ہے، اور اسی سے ترقی کرتا ہے"

بہر حال، سستی دور کرنے کا صرف ایک ہی رستہ ہے، یعنی اس سستی کا ہمت سے مقابلہ کرنا۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کوئی نسخہ گھول کر پلا دے گا تو ساری سستی دور ہو جائے گی، اور سب کام ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے یاد رکھو کہ سستی کا مقابلہ ہمت سے ہی ہوگا، اس کا اور کوئی علاج نہیں۔

نفس کو بہلا پھسلا کر اس سے کام لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا بہلا پھسلا کر اس سے کام لیا کرو پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن جب تہجد کے وقت آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سستی اور کسل تھا۔ دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہے، کسل بھی ہے، اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے اور تہجد کی نماز کوئی فرض وواجب بھی نہیں ہے، پڑے سوتے رہو۔ اگر آج تہجد کی نماز نہیں پڑھی تو کیا ہو جائے گا؟

حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے کہ تہجد کی نماز فرض وواجب بھی نہیں ہے، اور دوسری طرف طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے لیکن یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہل زمین پر متوجہ ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا رہتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے[1] لہٰذا ایسے مبارک وقت کو بیکار گزارنا بھی ٹھیک نہیں۔ پھر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اچھا ایسا کرو کہ نماز مت پڑھو، لیکن اُٹھ کر بستر پر ہی بیٹھ جاؤ، اور تھوڑی سی دعا کرو۔ دعا کر کے پھر دوبارہ سو جانا چنانچہ میں فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور دعا کرنی شروع کر دی۔ اب دعا کرتے کرتے پھر نفس سے کہا کہ میاں! جب تم اُٹھ کر بیٹھ گئے تو تمہاری نیند تو چلی گئی، اب ایسا کرو کہ غسل خانے تک چلے جاؤ، اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ۔ پھر آرام سے آکر لیٹ جانا۔ چنانچہ میں غسل خانے میں پہنچ گیا، اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کر لو، اس لئے کہ وضو کر کے دعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے۔ چنانچہ وضو کر لیا، اور واپس بستر پر آکر بیٹھ گیا، اور دعا شروع کر دی۔ پھر نفس سے کہا کہ یہ بستر پر

(۱) کنز العمال، رقم: ۲۱۳۹۸، المعجم الکبیر، رقم: ۱۸۳۶۲

بیٹھ کر کیا دعا ہو رہی ہے۔ دعا کرنے کی جو تمہاری جگہ ہے، جائے نماز، وہاں جا کر دعا کرلو۔ یہ کہہ کر نفس کو جائے نماز تک کھینچ کرلے گیا، اور جب جائے نماز پر پہنچا تو جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا کہ اس طرح نفس کو تھوڑا سا بہلاوا دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے، اور جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو، اور اس کو کھینچ کھینچ لے جایا کرو۔ انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرمادیں گے

اگر صدرِ مملکت کی طرف سے بلاوا آجائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے اپنا یہ معمول بنا کر رکھا ہے کہ فلاں وقت میں تلاوت کروں گا، یا فلاں وقت میں نفل نماز پڑھوں گا، لیکن جب وہ وقت آیا تو طبیعت میں سستی ہو رہی ہے، اور اُٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو، اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے، اور بستر سے اُٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام، یا بہت بڑا منصب یا عہدہ دینا چاہتے ہیں اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ بتاؤ، کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم پیغام لانے والے کو یہ جواب دو گے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا، کیونکہ اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے، صدر مملکت کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی، کاہلی اور نیند دور ہو جائے گی۔ اور خوشی کے مارے فوراً انعام حاصل کرنے کے لئے بھاگ کھڑا ہو گا

لہٰذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اُٹھنے سے کوئی عذر نہیں تھا۔ اگر حقیقت میں اُٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو صدر مملکت کا پیغام سن کر نہ اُٹھتے، بلکہ بستر پر پڑے رہتے اس کے بعد یہ سوچو کہ دنیا کا ایک سربراہ مملکت جو بالکل عاجز، انتہائی عاجز، انتہائی عاجز ہے، وہ اگر تمہیں ایک انعام یا منصب دینے کے لئے بلا رہا ہے تو تم اس کے لئے اتنا بھاگ سکتے ہو، لیکن وہ احکم الحاکمین، جس کے قبضہ وقدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہی ہے۔ چھیننے والا وہی ہے۔ اس کی طرف سے بلاوا آرہا ہے تو اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ ان باتوں کا تصور کرنے سے انشاء اللہ اس کام کی ہمت ہو جائے گی، اور سستی دور ہو جائے گی۔

آج کا کام کل پر مت ٹالو

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک نیک عمل کا دل میں خیال پیدا ہوا، کہ یہ نیک کام کرنا چاہئے۔

لیکن پھر انسان کا نفس اس کو یہ بہکاتا ہے کہ یہ کام تو اچھا ہے، البتہ کل سے یہ کام شروع کریں گے یاد رکھو، یہ نفس کا کید ہے۔ اس لئے کہ وہ کل پھر نہیں آتی۔ جو کام کرنا ہے وہ آج، بلکہ ابھی شروع کر دو، کیا پتہ کہ کل آئے یا نہ آئے۔ کیا معلوم کل کو موقع ملے یا نہ ملے۔ کیا پتہ کل کو یہ داعیہ موجود رہے یا نہ رہے۔ کیا پتہ کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں۔ اور کیا پتہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے۔ اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾(۱)

"یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر نہ کرو، اور اس جنت کی طرف دوڑو، جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین کے برابر ہے"

بہر حال، یہ عرض کر رہا تھا کہ آج مجھے سستی ہو رہی تھی، مگر اپنے حضرت والا کی یہ باتیں یاد آگئیں، جس کی وجہ سے آنے کی ہمت ہو گئی، اور چلا آیا

اپنے فائدے کے لئے حاضر ہوتا ہوں

دوسرے یہ کہ یہاں درحقیقت میں اپنے فائدے کے لئے حاضر ہوتا ہوں، اور میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اللہ کے نیک بندے نیک طلب لے کر دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہوتے ہیں، مجھے بھی ان کی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں بات یہ ہے کہ جب اللہ کے بندے دین کی خاطر کسی جگہ ہوتے ہیں، تو آپس میں ایک دوسرے پر برکتوں کا انعکاس ہوتا ہے، اس لئے میں تو ہمیشہ اس نیت سے آتا ہوں کہ نیک لوگوں کی برکتیں حاصل کروں۔

وہ لمحاتِ زندگی کس کام کے؟

تیسرے یہ کہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی، یہ بات بھی میں نے حضرت والا ہی سے سنی۔ فرمایا کہ جب حضرت والا مرض الوفات میں بیمار اور صاحبِ فراش تھے۔ اور ڈاکٹروں نے آپ کو ملاقات اور بات چیت سے منع کر رکھا تھا۔ ایک دن آپ بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی۔ اور فرمایا کہ مولوی محمد شفیع صاحب کہاں ہیں۔ ان کو بلاؤ "مولوی محمد شفیع صاحب" سے مراد میرے والد ماجد ہیں۔ حضرت والا نے میرے والد صاحب کو "احکام القرآن" عربی زبان میں تالیف کرنے پر لگا رکھا تھا چنانچہ جب والد صاحب تشریف لائے تو ان سے فرمایا کہ آپ احکام القرآن لکھ رہے ہیں۔ مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے

(۱) آل عمران: ۱۳۳

فلاں مسئلہ نکلتا ہے۔ یہ مسئلہ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلہ کو بھی لکھ لیجئے گا یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے اب دیکھئے کہ مرض الوفات میں لیٹے ہیں۔ مگر دل ودماغ میں قرآن کریم کی آیات اوران کی تفسیر گھوم رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھ کھولی، اور فرمایا کہ فلاں صاحب کو بلاؤ۔ جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتادیا۔ جب بار بار آپ نے ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب نے، جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے اور حضرت والا سے بے تکلف بھی تھے فرمایا کہ حضرت! ڈاکٹروں اور حکیموں نے تو بات چیت سے منع کر رکھا ہے، مگر آپ بار بار لوگوں کو بلا کر ان سے بات کرتے ہیں، خدا کے لئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں۔ ان کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا:

> ''بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحاتِ زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں؟ اگر کسی خدمت کے اندر یہ عمر گزر جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے''

دنیا کے مناصب اور عہدے

یہ ''خادمیت'' یہ بڑی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ ہر ایک کے خادم بنو، اپنے اندر خدمت کا جذبہ پیدا کرو حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کے تمام عہدوں کا حال یہ ہے کہ اگر انسان ان کو حاصل کرنا چاہے، تو اس کو حاصل کرنا اختیار میں نہیں ہوتا۔ مثلاً دل چاہ رہا ہے کہ میں ''صدر مملکت'' بن جاؤں، لیکن صدر مملکت بننا اپنے اختیار میں نہیں۔ یا دل چاہ رہا ہے کہ ''وزیر اعظم'' بن جاؤں، لیکن وزیر اعظم بننا اختیار میں نہیں۔ یا دل چاہ رہا ہے کہ اسمبلی کا صرف ممبر بن جاؤں۔ وہ بھی اختیار میں نہیں۔ یا کہیں افسر بننا چاہتا ہے۔ ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اب اس کے لئے درخواست دو، انٹرویو دو، کتنے پاپڑ بیلو۔ اور تمام کوششیں کرنے کے بعد جب وہ منصب حاصل ہو گیا تو اب لوگ حسد کرنے لگے کہ یہ ہم سے آگے بڑھ گیا، اور ہم پیچھے رہ گئے۔ اب اس کے خلاف سازشیں ہونے لگیں کہ کسی طرح یہ منصب اور یہ عہدہ اس سے چھین لیا جائے چنانچہ اچھا خاصا وزیر اعظم بنا ہوا تھا۔ اب ختم ہو گیا۔ عہدہ چھن گیا۔ صدر بنا ہوا تھا۔ ختم ہو گیا۔ تو دنیا کے سارے عہدوں اور منصبوں کا یہی حال ہے کہ نہ تو ان کا حصول اپنے اختیار میں ہے، اور اگر حاصل ہو جائے تو اس پر برقرار رہنا اپنے اختیار میں نہیں۔ پھر لوگ اس پر حسد بھی کرتے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہیں ایک ایسا منفرد منصب بتاتا ہوں، جس کا حاصل کرنا بھی اپنے اختیار میں ہے، اور اگر تم وہ منصب حاصل کر لو تو کوئی شخص تمہارے اوپر حسد بھی نہیں کرے گا، اور نہ کوئی تم سے

لڑے گا، اور نہ کوئی تمہیں اس سے معزول کرسکتا ہے، وہ ہے ''خادم'' کا منصب۔تم خادم بن جاؤ۔ یہ منصب اپنے اختیار میں ہے۔اس کے لئے درخواست دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ نہ ووٹ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ نہ الیکشن کی ضرورت ہے۔ اگر یہ منصب حاصل ہو جائے تو اس پر دوسروں کو حسد بھی نہیں ہوتا۔اس لئے کہ یہ تو کام ہی خدمت کا کر رہا ہے تو اب دوسرا شخص اس پر کیا حسد کرے گا۔ اور نہ کوئی شخص تمہیں اس منصب سے معزول کرسکتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ خادم بن جاؤ کس کے خادم بن جاؤ؟ اپنے گھر والوں کے خادم بن جاؤ۔گھر کا جو کام کرو، خدمت کی نیت سے کرو۔اپنی بیوی کا خادم، اپنے بچوں کا خادم، اپنے دوستوں کا خادم، اور جو کوئی ملنے والے آئیں، ان کی بھی خدمت کرو، اور اللہ کی مخلوق کی، اللہ کے نیک بندوں کی خدمت کرو، جو کام بھی کرو، خدمت کی نیت سے کرو، اگر وعظ کہہ رہے ہو، وہ بھی خدمت کے لئے۔تصنیف کر رہے ہو، وہ بھی خدمت کے لئے۔ اس خادمیت کے منصب کو حاصل کرو، اس لئے کہ سارے جھگڑے مخدوم بننے میں ہیں۔اس لئے حضرت والا خود اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اپنے آپ کو خادم سمجھتا ہوں۔اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا بھی خادم، اپنے مریدوں کا خادم، اپنے اہل تعلقات کا خادم۔اور یہ وہ منصب ہے کہ جس میں شیطانی وساوس بھی کم ہوتے ہیں۔اس لئے کہ عجب، تکبر، بڑائی وغیرہ ان عہدوں میں پیدا ہوتی ہے جو دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے ہیں۔اب خادم کے عہدے میں کیا بڑائی ہے اس لئے شیطانی وساوس بھی نہیں آتے، اس واسطے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا فائدہ

بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج طبیعت میں سستی ہو رہی تھی۔لیکن ہمارے حضرت والا کی یہ باتیں یاد آگئیں، اور ہمت ہوگئی، اور اللہ والوں سے تعلق قائم کرنے کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔اب معلوم نہیں کہ یہ باتیں حضرت والا نے کب کہی ہوں گی۔ ہماری طرف سے نہ تو طلب تھی۔ نہ خواہش تھی۔ نہ کوئی کوشش تھی۔مگر حضرت والا نے زبردستی کچھ باتیں کان میں ڈال دیں، اور اب وہ باتیں الحمدللہ وقت پر یاد آجاتی ہیں، اور کام بنا دیتی ہیں۔

وہ بات تمہاری ہوگئی، وقت پر یاد آجائے گی

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں، بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان باتوں کو یاد کرلیں۔مگر یہ باتیں یاد نہیں ہوتیں۔اس پر اپنا واقعہ سنایا کہ میں بھی حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی مجلس میں جب حاضر ہوتا تو یہ دل چاہتا کہ حضرت والا کی باتیں لکھ لیا کروں، بعض لوگ لکھ لیا کرتے

تھے۔ مجھ سے تیز لکھا نہیں جاتا تھا، اس لئے میں لکھنے سے رہ جاتا تھا میں نے ایک دن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! میرا دل چاہتا ہے کہ ملفوظات لکھ لیا کروں۔ مگر لکھا جاتا نہیں، اور یاد رہتے نہیں ہیں۔ بھول جاتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے، خود صاحبِ ملفوظ کیوں نہیں بن جاتے؟ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں تو تھرا گیا کہ میں کہاں صاحبِ ملفوظ بن سکتا ہوں۔ پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جو بات حق ہو، اور فہم سلیم پر مبنی ہو، صحیح فکر پر مبنی ہو، جب ایسی بات تمہارے کان میں پڑگئی، اور تمہارے دل نے اسے قبول کرلیا، وہ بات تمہاری ہوگئی، اب چاہے وہ بات بعینہٖ انہی لفظوں میں یاد رہے یا نہ رہے، جب وقت آئے گا، انشاء اللہ اس وقت یاد آجائے گی، اور اس پر عمل کی توفیق ہوجائے گی۔

بزرگوں کی خدمت میں جانے اور ان کی باتیں سننے کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ کان میں باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔ ڈالتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ باتیں انسان کی طبیعت میں داخل ہوجاتی ہیں۔ اور پھر وقت پر یاد آجاتی ہیں۔

زبردستی کان میں باتیں ڈال دیں

میں آج سوچتا ہوں کہ حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ، حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ، ان تینوں بزرگوں سے میرا تعلق رہا ہے۔ اپنا حال تو تباہ ہی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی توفیق عطا فرمادی، یہ ان کا فضل و کرم تھا۔ اب ساری عمر بھی اس پر شکر ادا کروں تب بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ یہ بزرگ کچھ باتیں زبردستی کانوں میں ڈال گئے، اپنی طرف سے جن کی نہ تو طلب تھی اور نہ خواہش، اور اگر میں ان باتوں کو اب نمبروار لکھنا چاہوں جو ان بزرگوں کی مجلسوں میں سنی تھیں تو فوری طور پر سب کا یاد آنا مشکل ہے، لیکن کسی نہ کسی موقع پر وہ باتیں یاد آجاتی ہیں۔ اور بزرگوں سے تعلق کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔ اور جس طرح بزرگوں کی خدمت میں حاضری نعمت ہے، اور ان کی بات سننا نعمت ہے، اسی طرح ان بزرگوں کے ملفوظات، حالات، سوانح پڑھنا بھی اس سے استفادہ ہوجاتا ہے۔ آج یہ حضرات موجود نہیں ہیں۔ مگر الحمد للہ سب باتیں لکھی ہوئی چھوڑ گئے ہیں۔ ان کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔ یہ باتیں کام آجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان بزرگوں کا دامن تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

''عذر'' اور ''سستی'' میں فرق

بہرحال، میں یہ عرض کررہا تھا کہ جب بھی سستی ہو، اس سستی کا مقابلہ کرنا چاہئے، اور معمول

کو پورا کرنا چاہئے۔ دیکھئے، ''عذر'' اور چیز ہے ''سستی'' اور چیز ہے۔ اگر عذر کی وجہ سے معمول چھوٹ جائے تو پھر کوئی غم نہیں۔ مثلاً بیماری کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا، یا سفر کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا، اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس پر مواخذہ نہیں کیا، بلکہ عذر کی وجہ سے رعایت دی ہے تو پھر ہم خود کون ہوتے ہیں پابندی کرانے والے؟ اس لئے کسی عذر کی وجہ سے اس کے چھوٹنے پر رنج نہیں کرنا چاہئے۔

یہ روزہ کس کے لئے رکھ رہے تھے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا، اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا۔ اب اس کو اس بات کا غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں، اس لئے کہ یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟ اگر تم اپنی ذات کے لئے اپنا جی خوش کرنے کے لئے، اور اپنا شوق پورا کرنے کے لئے روزہ رکھ رہے ہو، پھر تو بیشک اس پر غم اور صدمہ کرو کہ بیماری آگئی، اور روزہ چھوٹ گیا، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو تو پھر غم کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرما دیا ہے کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو۔

لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں، یا معمولات چھوٹ رہے ہیں، مثلاً بیماری ہے، سفر ہے، یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے، یا کسی زیادہ اہم مصروفیت کی وجہ سے جو دین ہی کا تقاضا تھی، معمول چھوٹ گیا، مثلاً ماں باپ بیمار ہیں، ان کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اور اس خدمت کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا، تو اس سے بالکل رنجیدہ اور غمگین نہ ہونا چاہئے لیکن سستی کی وجہ سے معمول کو چھوڑنا نہیں چاہئے عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس پر رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔

سستی کا علاج

اور سستی کا واحد علاج یہ ہے کہ اس کا مقابلہ کرو، اور اس کے آگے ڈٹ جاؤ، اور ہمت سے مقابلہ کرو، اس کا علاج سوائے استعمال ہمت کے اور کچھ نہیں ہے اگر ہماری زندگیوں میں صرف یہ بات بھی آجائے یعنی ''سستی کا مقابلہ کرنا'' تو سمجھ لو کہ آدھا کام ہو گیا، اور اس کے بعد بقیہ آدھے کام کے حصول کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سستی کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بدنگاہی، ایک مہلک بیماری ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾(۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ایک بیماری کا بیان فرمایا ہے۔ وہ ہے ''بدنگاہی'' یہ بدنگاہی ایسی بیماری ہے جس میں بے حد ابتلاء ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، علماء، اہل اللہ کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے والے، متدین، نماز، روزے کے پابند بھی اس بیماری کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور آج کل تو حالت یہ ہے کہ اگر آدمی گھر سے باہر نکلے تو آنکھوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے۔ ہر طرف ایسے مناظر ہیں کہ ان سے آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے۔

بدنگاہی کی حقیقت

''بدنگاہی'' کا حاصل یہ ہے کہ کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا، بالخصوص شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے، یا لذت حاصل کرنے کے لئے نگاہ ڈالی جائے، چاہے وہ غیر محرم حقیقی طور پر زندہ ہو، اور چاہے غیر محرم کی تصویر ہو۔ اس پر بھی نگاہ ڈالنا حرام ہے، اور ''بدنگاہی'' کے اندر داخل ہے۔

یہ بدنگاہی کا عمل اپنے نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اور یہ عمل انسان کے باطن کے لئے اتنا تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے، اور انسان کے باطن کو خراب کرنے میں اس کا بہت دخل ہے۔ جب تک اس عمل کی اصلاح نہ ہو، اور نگاہ قابو میں نہ آئے، اس وقت تک باطن کی اصلاح کا تصور تقریباً محال ہے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ اصلاحی خطبات (۵/۱۱۸ تا ۱۳۳)، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) النور: ۳۰

((اَلنَّظْرَۃُ سَھْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِھَامِ اِبْلِیْسَ))(۱)

''نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، یہ تیر جو ابلیس کے کمان سے نکل رہا ہے''

اگر کسی نے اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیا، اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی اصلاح میں اب بڑی رکاوٹ کھڑی ہوگئی، اس لئے کہ انسان کے باطن کو خراب کرنے میں جتنا دخل اس آنکھ کے غلط استعمال کا ہے، شاید کسی اور عمل کا نہ ہو۔

یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا، فرماتے تھے کہ نگاہ کا غلط استعمال باطن کے لئے سمِ قاتل ہے۔ اگر باطن کی اصلاح منظور ہے تو سب سے پہلے اس نگاہ کی حفاظت کرنی ہوگی یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ ڈھونڈنے سے بھی آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی۔ ہر طرف بے پردگی، بے حجابی، عریانی، اور فحاشی کا بازار گرم ہے۔ ایسے میں اپنی نگاہوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر ایمان کی حلاوت حاصل کرنا منظور ہے اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق اور محبت منظور ہے، اور اپنے باطن کی صفائی، تزکیہ، اور طہارت منظور ہے، تو پھر یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی ہوگا، اور یہ کڑوا گھونٹ پیئے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی، لیکن یہ کڑوا گھونٹ ایسا ہے کہ شروع میں تو بہت کڑوا ہوتا ہے، مگر جب ذرا اس کی عادت ڈال لو تو پھر یہ گھونٹ ایسا میٹھا ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے بغیر چین بھی نہیں آتا۔

عربوں کا قہوہ

عرب کے لوگ قہوہ پیا کرتے ہیں۔ آپ حضرات نے بھی دیکھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے فنجانوں میں قہوہ پیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ ہی تھا، اس وقت قطر کے ایک شیخ کراچی آئے ہوئے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میں بھی ان سے ملنے کے لئے چلا گیا۔ اس ملاقات کے دوران وہاں مجلس میں پہلی مرتبہ وہ قہوہ دیکھا۔ وہ قہوہ سب کو پینے کے لئے پیش کیا گیا۔ جب قہوہ کا لفظ سنا تو ذہن میں یہی خیال آیا کہ میٹھا ہوگا۔ لیکن جب اس کو زبان سے لگایا تو وہ اتنا کڑوا تھا کہ اس کو حلق سے اُتارنا مشکل ہوگیا۔ حالانکہ وہ ذرا سا قہوہ تھا، اور اس کا ذائقہ بھی تلخ تھا، اور اب وہاں مجلس میں بیٹھ کر کلّی تو کر نہیں سکتے تھے، اس لئے چار وناچار اس کو کسی طرح حلق سے اُتارا، لیکن

(۱) مجمع الزوائد (۶۳/۸)، کنز العمال، رقم: ۱۳۰۶۸ (۴۸۱/۵)، عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین (۱۸/۱)

جب حلق سے اُتارا تو اب ذرا اس کا سرور محسوس ہوا۔ اس کے بعد پھر ایک اور مجلس میں پینے کا اتفاق ہوا۔ آہستہ آہستہ اب یہ حالت ہوگئی کہ اب اتنا پیارا اور اتنا مزیدار لگتا ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، اس لئے کہ اب پینے کی عادت ہوگئی ہے۔

پھر حلاوت اور لذت حاصل ہوگی

اسی طرح یہ بھی ایسا کڑوا گھونٹ ہے کہ شروع میں اس کو پینا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پینے کے بعد جب اس کا سرور طاری ہو جائے گا تو پھر دیکھو گے کہ اس کے پینے میں کیا لطف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت ہم سب کو عطا فرمادے۔ بہرحال، یہ ایسی کڑوی چیز ہے کہ ایک مرتبہ اس کی کڑواہٹ کو برداشت کرلو، اور ایک مرتبہ دل پر پتھر رکھ کر اس کی کڑواہٹ کو نگل جاؤ تو پھر انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ایسی حلاوت، ایسا سرور، ایسی لذت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے اس بدنگاہی کی لذت ہیچ در ہیچ ہے۔ اس کے آگے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ آنکھ ایک مشین ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ انسان اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ اور بے مانگے مل گئی ہے، اور مفت میں مل گئی ہے، اس کے لئے کوئی محنت اور پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ اس لئے اس نعمت کی قدر نہیں ہے۔ ان لوگوں سے جا کر پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ نابینا ہیں۔ یا تو بینائی چلی گئی ہے۔ یا جن کے پاس یہ نعمت شروع ہی سے نہیں ہے۔ ان سے پوچھو کہ یہ آنکھ کیا چیز ہے؟ اور خدا نہ کرے، اگر بینائی میں کوئی خلل آنے لگے، اور بینائی جاتی ہوئی معلوم ہونے لگے تو اس وقت معلوم ہوگا کہ ساری کائنات اندھیر ہوگئی ہے، اور اس وقت انسان اپنی ساری دولت خرچ کر کے بھی یہ چاہے گا کہ مجھے یہ دولت دوبارہ حاصل ہو جائے۔ اور یہ ایسی مشین ہے کہ آج تک ایسی مشین کوئی ایجاد نہیں کرسکا۔

سات میل کا سفر ایک لمحے میں

میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آنکھ میں جو یہ پتلی رکھی ہے، یہ اندھیرے میں پھیلتی ہے، اور روشنی میں سکڑ جاتی ہے۔ جب آدمی اندھیرے سے روشنی میں آتا ہے، یا روشنی سے اندھیرے میں آتا ہے تو اس وقت یہ سکڑنے اور پھیلنے کا عمل ہوتا ہے، اور اس سکڑنے اور پھیلنے میں آنکھ کے اعصاب سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں، لیکن انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا

بات ہوئی، ایسی نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دی ہے۔

آنکھ کا صحیح استعمال

اب اگر اس نعمت کا صحیح استعمال کرو گے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تم کو اس پر ثواب بھی دوں گا۔ مثلاً اس آنکھ کے ذریعہ محبت کی نگاہ اپنے والدین پر ڈالو تو حدیث شریف میں ہے کہ ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا، اللہ اکبر۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ شوہر گھر میں داخل ہوا، اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب اس آنکھ کو صحیح جگہ پر استعمال کیا جا رہا ہے تو صرف یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر لذت اور لطف عطا فرما رہے ہیں، بلکہ اس پر اجر و ثواب بھی عطا فرما رہے ہیں لیکن اگر اس کا غلط استعمال کرو گے، اور غلط جگہ پر نگاہ ڈالو گے، اور غلط چیزیں دیکھو گے تو پھر اس کا وبال بھی بڑا سخت ہے۔ اور یہ عمل انسان کے باطن کو خراب کرنے والا ہے۔

بدنگاہی سے بچنے کا علاج

اب اس بدنگاہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ ہمت سے کام لے کر یہ طے کرلو کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اُٹھے گی۔ اس کے بعد پھر چاہے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں، لیکن اس نگاہ کو مت ڈالو۔

آرزوئیں خون ہوں، یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

بس ہمت اور ارادہ کر کے اس نگاہ کو بچائیں، تو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد اور نصرت آتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آنکھ کو بدنگاہی سے بچانے کی کچھ تدبیریں بیان فرمائی ہیں، وہ یاد رکھنے کی ہیں، فرماتے ہیں:

> ''اگر کوئی عورت نظر آئے اور نفس یہ کہے کہ ایک دفعہ دیکھ لے۔ کیا حرج ہے؟ کیونکہ تو بدفعلی تو کرے گا نہیں۔ تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نفس کا کید ہے۔ اور طریقہ نجات کا یہ ہے کہ عمل نہ کیا جائے''(۱)

اس لئے یہ شیطان کا دھوکہ ہے، وہ کہتا ہے کہ دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ دیکھنا تو اس لئے منع ہے تاکہ انسان کسی بدفعلی کے اندر مبتلا نہ ہو، اور یہاں بدفعلی کا امکان ہی نہیں۔ اس لئے دیکھ لو، کوئی

(۱) انفاس عیسیٰ، حصہ اول، ص ۱۴۲

حرج نہیں۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا مکر ہے، اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے، اور چاہے جتنا بھی تقاضا ہو رہا ہو، نگاہ کو وہاں سے ہٹا لے۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں، ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضا پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کروں، اور اس نگاہ کو غلط جگہ استعمال کر کے لذت حاصل کروں، تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں، کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہوگا تو میں اپنی نظر نیچی کرلوں گا۔ اور یہ کام نہیں کروں گا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضا پیدا کیوں نہ ہو

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری اس حالت کو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے، اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلادی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے، تو چلو ہم تمہیں آگ سے اور جہنم سے بچالیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے، وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے، اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا، تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہوں گے، تمہاری اولاد ہوگی، تمہارے شاگرد ہوں گے، تمہارے استاذ ہوں گے، تمہارے دوست احباب ہوں گے، اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کردیا جائے گا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارا کرلے گا،

مگر اس بات کو گوارا نہیں کرے گا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے لہٰذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز واقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارا نہیں، تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارا کرلو گے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

دل کا مائل ہونا اور مچلنا گناہ نہیں

پھر آگے دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرمایا:

''بدنگاہی میں ایک درجہ میلان کا ہے، جو کہ غیر اختیاری ہے، اور اس پر مواخذہ بھی نہیں اور ایک درجہ ہے اس کے مقتضاء پر عمل کرنے کا، یہ اختیاری ہے۔ اس پر مواخذہ ہے''(۱)

میلان کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے کا بہت دل چاہ رہا ہے، دل مچل رہا ہے، یہ دل کا چاہنا، مچلنا اور مائل ہونا، چونکہ یہ غیر اختیاری ہے، اس لئے اس پر مواخذہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر انشاء اللہ کوئی گرفت نہیں ہوگی، کوئی گناہ نہیں ہوگا لیکن دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس دل کے چاہنے پر عمل کرلیا، اور اس کی طرف نگاہ اُٹھادی، یہ اختیاری ہے، اور اس پر مواخذہ بھی ہے یا نگاہ غیر اختیاری طور پر پڑ گئی تھی، اب اس نگاہ کو اپنے اختیار سے باقی رکھا۔ اس پر بھی مواخذہ ہے، اور اس پر بھی گناہ ہے۔ تو میلان کا پہلا درجہ جو غیر اختیاری ہے، وہ معاف ہے، اس پر گرفت نہیں، اور دوسرا درجہ اختیاری ہے، اس پر مواخذہ بھی ہے۔

سوچ کر لذت لینا حرام ہے

آگے فرمایا:

''اور اس عمل میں قصداً دیکھنا اور سوچنا سب داخل ہے، اور اس کا علاج کفِ نفس اور غضِ بصر ہے''

کسی اجنبی اور نامحرم عورت کا تصور کر کے لذت لینا، یہ بھی اسی طرح حرام ہے، جیسے بدنگاہی حرام ہے، تو دیکھنا بھی اس میں داخل ہے، اور سوچنا بھی اس میں داخل ہے، اور اس کا علاج یہ بتلا دیا کہ نفس کو روکو، اور نگاہ کو نیچی رکھو، آگے پیچھے، ادھر ادھر، اور دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے زمین کی طرف نگاہ رکھتے ہوئے چلے۔

---

(۱) انفاس عیسیٰ، ص: ۱۴۲

راستے میں چلتے وقت نگاہ نیچی رکھو

حضرت والا قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو جاتے جاتے وہ دعا مانگ گیا کہ یا اللہ، مجھے قیامت تک کی مہلت دے دیجئے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔ اب اس نے اکڑ پھوں دکھائی، چنانچہ اس وقت اس نے کہا:

﴿لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ﴾(۱)

''میں ان بندوں کے پاس ان کے دائیں طرف سے، بائیں طرف سے، آگے سے اور پیچھے سے جاؤں گا، اور چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا''

حضرت والا فرماتے ہیں کہ شیطان نے چار سمتیں تو بیان کر دیں، تو معلوم ہوا کہ شیطان انہی چار سمتوں سے حملہ آور ہوتا ہے، کبھی آگے سے ہوگا، کبھی پیچھے سے ہوگا، کبھی دائیں سے ہوگا، کبھی بائیں سے ہوگا، لیکن دو سمتیں وہ چھوڑ گیا، ان کو نہیں بیان کیا۔ ایک اُوپر کی سمت، اور ایک نیچے کی سمت۔ اس لئے اُوپر کی سمت بھی محفوظ، اور نیچے کی سمت محفوظ ہے، اب اگر نگاہ اُوپر کر کے چلو گے تو ٹھوکر کھا کر گر جاؤ گے، اس لئے اب ایک ہی راستہ رہ گیا کہ نیچے کی طرف نگاہ کر کے چلو گے تو انشاء اللہ شیطان کے چار طرفی حملے سے محفوظ رہو گے اس لئے بلا وجہ دائیں بائیں نہ دیکھو، بس اللہ اللہ کرتے ہوئے نیچے دیکھتے ہوئے چلو۔ پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہاری حفاظت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾(۲)

یعنی مؤمنین سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچی کر لیں، تو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نگاہ نیچی کرنے کا حکم فرمادیا، اور پھر آگے اس کا نتیجہ بیان فرمادیا کہ اس کی وجہ سے شرم گاہوں کی حفاظت ہو جائے گی، اور پاک دامنی حاصل ہو جائے گی۔

یہ تکلیف جہنم کی تکلیف سے کم ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں:

''ہمت کر کے ان (دونوں) کو اختیار کرے۔ گو نفس کو تکلیف ہو، مگر یہ تکلیف نارِ جہنم کی تکلیف سے کم ہے''

یعنی اس وقت تو نگاہ کو بچانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن اس بدنگاہی کے بدلے میں جو جہنم کا عذاب ہے، اس کی تکلیف کے مقابلے میں یہ تکلیف لاکھوں، کروڑوں، بلکہ اربوں گنا کم ہے،

(۱) الاعراف: ۱۷ (۲) النور: ۳۰

بلکہ یہاں کی تکلیف کو وہاں کی تکلیف سے کوئی نسبت ہی نہیں، کیونکہ وہاں کا عذاب غیر متناہی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں، اور یہاں کی تکلیف ختم ہونے والی ہے۔

ہمت سے کام لو

آگے فرمایا:

''جب چند روز ہمت سے ایسا کیا جائے گا تو میلان میں بھی کمی ہو جائے گی، بس یہی علاج ہے، اس کے سوا کچھ علاج نہیں، اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہے''

اس لئے کہ جب انسان محنت اور مشقت برداشت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وعدہ فرمالیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾(۱)

''جو شخص ہمارے راستے میں مجاہدہ کرے گا، ہم ضرور اس کو راستہ دکھادیں گے''

وہ مجاہدہ کرنے والے کو راستہ دیتے ہیں۔ لہٰذا مجاہدہ کرکے نظر نیچی کرلو گے بالآخر اللہ تعالیٰ میلان بھی کم فرمادیں گے، انشاء اللہ۔ بس یہی علاج ہے، اس کے سوا کچھ علاج نہیں، اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم شیخ کے پاس جائیں تو شیخ ایسی پھونک مارے، یا ایسا نسخہ پلادے، یا ایسا وظیفہ پڑھ دے کہ بس یہ میلان ختم ہو جائے ارے بھائی، ایسا نہیں ہوا کرتا۔ جب تک انسان ہمت سے کام نہ لے۔

دیکھو، دو کام کرلو، ایک ہمت کو استعمال کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، ''ہمت کے استعمال'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو حتی الامکان جتنا بچا سکتے ہو، بچالو، اور ''رجوع الی اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ایسی آزمائش پیش آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے کہو، یا اللہ، اپنی رحمت سے مجھے بچالیجئے، میری آنکھ کو بچالیجئے، میرے خیالات کو بچالیجئے، اگر آپ نے مدد نہ فرمائی تو میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت اپناؤ

حضرت یوسف علیہ السلام جب آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے بھی یہی کام کیا کہ اپنی طرف سے کوشش کی۔ چنانچہ جب زلیخا نے چاروں طرف دروازوں میں تالے ڈال دیئے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ

(۱) العنکبوت: ٦٩

دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام دروازوں کی طرف بھاگ پڑے۔ اب جب آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں تو بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ راستہ تو ہے نہیں۔ مگر چونکہ اپنے اختیار میں تو اتنا ہی تھا کہ دروازے تک بھاگ جاتے، چنانچہ جب اپنے حصے کا کام کرلیا، اور اپنے اختیار میں جو تھا، وہ کرلیا، اور دروازے تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنے کے حقدار ہوگئے کہ یا اللہ، میرے اختیار میں تو بس اتنا ہی تھا، میرے بس میں اس سے زیادہ نہیں، اب آگے تو آپ کے کرنے کا کام ہے تو جب اپنے حصے کا کام کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کہ یا اللہ، باقی آگے کا کام آپ کے قبضے میں ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے حصے کا کام کرلیا، اور انہوں نے بھی دروازوں کے تالے توڑ دیئے۔ اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگرچہ تمہیں اس دنیا کے اندر کوئی راستہ اور کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آرہی ہے، چاروں طرف سے گناہوں کی دعوت دی جارہی ہے، لیکن تم دیوانہ وار اس طرح بھاگو، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے، تم جتنا بھاگ سکتے ہو، اتنا تو بھاگ لو، باقی اللہ سے مانگو۔ بہر حال، اگر انسان یہ دو کام کرلے، ایک اپنی استطاعت کی حد تک کام کرلے، اور دوسرے اللہ سے مانگے، یقین کیجئے، دنیا میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا طرز اختیار کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بھی بڑی عجیب عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رکھا، اب وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، چاروں طرف تاریکیاں اور اندھیریاں چھائی ہوئی تھیں، اور معاملہ اپنے بس سے باہر ہوگیا تھا، بس اس وقت ان تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا اور یہ کلمہ پڑھا:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے ہمیں تاریکیوں کے اندر پکارا تو پھر ہم نے یہ کہا:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾(۲)

یعنی ہم نے اس کی پکار سنی، اور ہم نے اس گھٹن سے اس کو نجات عطا فرمادی، چنانچہ تین دن

(۱) الانبیاء: ۸۸، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ”(یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بے شک میں قصوروار ہوں“

(۲) الانبیاء: ۸۸

کے بعد مچھلی کے پیٹ سے نکل آئے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں، اور دیں گے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم ذرا سوچو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمادیا کہ ہم مؤمنوں کو اسی طرح نجات دیں گے؟ کیا ہر مؤمن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا، اور پھر وہاں جاکر اللہ تعالیٰ کو پکارے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیں گے، کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ آیت کا یہ مطلب نہیں، بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گرفتار ہوئے تھے، اسی طرح تم کسی اور قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو سکتے ہو۔ لیکن وہاں پر بھی تمہارا سہارا وہی ہے جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔ وہ یہ کہ ہمیں ان الفاظ سے پکارو:

﴿لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۱)

جب تم ان الفاظ سے ہمیں پکارو گے تو تم جس قسم کی تاریکی میں گرفتار ہو گے، ہم تمہیں نجات دے دیں گے۔

لہٰذا جب نفس کے تقاضوں کی تاریکیاں سامنے آئیں، ماحول کی ظلمتیں اور تاریکیاں سامنے آئیں تو اس وقت تم ہمیں پکارو یا اللہ، ان تاریکیوں سے بچالیجئے، ان تاریکیوں سے نکال دیجئے، ان اندھیروں سے باہر کر دیجئے، ان کے شر سے محفوظ فرمایئے جب دعا کرو گے تو پھر ممکن نہیں ہے کہ یہ دعا قبول نہ ہو۔

دنیاوی مقاصد کے لئے دعا کی قبولیت

دیکھئے، جب انسان کسی دنیوی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے۔ مثلاً یہ دعائیں کرتا ہے کہ یا اللہ، مجھے صحت دیدے۔ یا اللہ، مجھے پیسے دیدے۔ یا اللہ، مجھے فلاں ملازمت دیدے۔ یا اللہ، مجھے فلاں عہدہ دیدے ویسے تو ہر دعا قبول ہوتی ہے، مگر قبولیت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہی چیز اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں جو مانگی تھی۔ مثلاً پیسہ مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیسہ دے دیا۔ یا اللہ تعالیٰ سے کوئی منصب مانگا تھا۔ وہ دے دیا۔ لیکن بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انسان اپنی بیوقوفی اور نادانی کی وجہ سے ایسی چیز مانگ رہا ہے اگر میں نے اس کو دے دی تو وہ چیز اس کے لئے عذاب ہو جائے گی۔ مثلاً یہ پیسہ مانگ رہا ہے، لیکن اگر میں نے اس کو پیسہ دے دیا تو اس کا دماغ خراب ہو جائے گا، اور یہ فرعون بن جائے گا۔ اپنی دنیا بھی خراب کرے گا، اور آخرت بھی خراب کرے گا۔ اس لئے ہم اس کو زیادہ

(۱) الانبیاء: ۸۸، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "(یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بے شک میں قصوروار ہوں"

پیسے نہیں دیتے۔ یا مثلاً ایک شخص نے کوئی عہدہ یا منصب مانگ لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ منصب اس کو مل گیا تو یہ معلوم نہیں کیا کیا فساد برپا کرے گا، اس لئے بعض اوقات وہ چیز دینا مناسب نہیں ہوتا جو اس نے مانگی ہے، اس لئے اس کے بجائے اللہ تعالیٰ اس سے اچھی چیز دے دیتے ہیں۔

دینی مقصد کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

لیکن اگر کوئی شخص دین مانگ رہا ہے، اور یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ، مجھے دین پر چلا دے، مجھے سنت پر چلا دیجئے، مجھے گناہوں سے بچا لیجئے، تو کیا اس میں اس بات کا امکان ہے کہ دین پر چلنے میں نقصان زیادہ ہے، اور کسی اور راستے پر چلنے میں نقصان کم ہے؟ اور اللہ تعالیٰ دین کے بجائے وہ دوسرے راستے پر چلا دیں؟ چونکہ اس بات کا امکان ہی نہیں، لہٰذا وہ دعا جو دین کے لئے مانگی جاتی ہے کہ یا اللہ، مجھے دین عطا فرما دے۔ یا اللہ، مجھے گناہوں سے بچا لے۔ یا اللہ، مجھے طاعات عطا فرما دے۔ یہ دعائیں تو ضرور قبول ہوتی ہیں، اس میں قبول نہ ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اس لئے جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ مانگو کہ ضرور قبول ہوگی۔

دعا کے بعد اگر گناہ ہو جائے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جب تم نے یہ دعا مانگ لی کہ یا اللہ! مجھے گناہ سے بچا لیجئے، لیکن اس دعا کے بعد پھر تم گناہ کے اندر مبتلا ہو گئے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی دنیا کے معاملے میں تو یہ جواب دیا تھا کہ جو چیز بندے نے مانگی تھی، چونکہ وہ بندے کے لئے مناسب نہیں تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز نہیں دی، بلکہ کوئی اور اچھی چیز دے دی لیکن ایک شخص یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں، مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق دے دیجئے، تو کیا یہاں بھی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ گناہ سے بچنا اچھا نہیں تھا، اس سے اچھی کوئی چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے اس دعا مانگنے والے کو دے دی۔

توبہ کی توفیق اور ہو جاتی ہے

بات دراصل یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی یہ دعا قبول تو ہوئی، لیکن اس دعا کا اثر یہ ہوگا کہ اول تو انشاء اللہ گناہ سرزد نہیں ہوگا، اور اگر بالفرض گناہ ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق ضرور ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ توبہ کی توفیق نہ ہو۔ لہٰذا دین کے بارے میں یہ دعا کبھی رایگاں نہیں جا سکتی، کبھی یہ دعا بیکار نہیں ہو سکتی۔ اور اگر گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو جائے تو وہ توبہ بعض اوقات انسان کو اتنا اونچا لے

جاتی ہے، اور اس کا اتنا درجہ بلند کرتی ہے کہ بعض اوقات گناہ نہ کرنے کی صورت میں اس کا اتنا درجہ بلند نہ ہوتا، اور وہ اتنا اونچا نہ جاتا۔ اس لئے کہ غلطی سرزد ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اس نے توبہ کی، رویا، گڑگڑایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں اس کا درجہ اور زیادہ بلند کر دیا۔

پھر ہم تمہیں بلند مقام پر پہنچائیں گے

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کرنے کے باوجود اگر پاؤں پھسل گیا، اور وہ گناہ سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ سے بدگمان مت ہو جاؤ کہ اللہ میاں نے ہماری دعا قبول نہیں کی۔ ارے نادان، تجھے کیا معلوم، ہم تجھے کہاں پہنچانا چاہتے ہیں اس لئے کہ جب گناہ سرزد ہوگا تو پھر ہم تمہیں توبہ کی توفیق دیں گے۔ پھر ہم تمہیں اپنی ستاری کا، اپنی غفاری، اپنی پردہ پوشی کا، اور اپنی رحمتوں کا مورد بنائیں گے۔ اس لئے اس دعا کو کبھی رائیگاں اور بیکار مت سمجھو بس یہ دو کام کرتے رہو۔ ہمت سے کام لو، اور دعا مانگتے رہو۔ پھر دیکھو، کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمام گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی نسخہ

بدنگاہی کے بارے میں یہ باتیں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ صرف بدنگاہی نہیں، دنیا کے ہر گناہ کے اندر یہ ضروری ہے کہ ہمت کا استعمال کرنا، اس کو بار بار تازہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ سے رجوع اور دعا کرنا۔ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، ان میں سے صرف ایک چیز سے کام نہیں بنے گا۔ اگر صرف دعا کرتے رہو گے، اور ہمت نہیں کرو گے تو یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک آدمی مشرق کی طرف بھاگا جا رہا ہے، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا یہ کر رہا ہے کہ یا اللہ، مجھے مغرب میں پہنچا دے ارے تو مشرق کی طرف بھاگ رہا ہے، اور دعا مغرب کی کر رہا ہے، یہ دعا کیسے قبول ہوگی؟ کم از کم پہلے اپنا رخ تو مغرب کی طرف کر۔ اور جتنا تیرے بس میں ہے، وہ تو کر لے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگ کہ یا اللہ، مجھے مغرب پہنچا دے، تب تو وہ دعا فائدہ مند ہے، ورنہ وہ دعا نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ سے مذاق ہے۔

اس لئے پہلے رخ اس طرف کرو، اور ہمت کرو، اور جتنا ہو سکے، اس طرف قدم بڑھاؤ، اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو، تمام گناہوں سے بچنے کا یہی نسخہ ہے۔ یہی نسخہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نسخہ نہیں ہے۔ اور ساری طاعات کو حاصل کرنے کا بھی یہی نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نگاہوں کو جھکانا سیکھیں ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،
﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُونَ ۝﴾ (۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ کئی جمعوں سے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات کا بیان چل رہا ہے، تین صفات کا بیان تفصیل سے ہو چکا۔ چوتھی صفت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے کہ ان کے ذریعہ جو شخص اپنی جنسی خواہش پوری کرے تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جو شخص ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہے تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ پچھلے جمعہ کو عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین دیا ہے جس میں ہماری ہر جائز خواہش کو تسکین دینے کا صاف ستھرا پاک راستہ موجود ہے۔ انسان کا جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس جذبہ پر اللہ تعالیٰ نے کوئی قدغن، کوئی پابندی عائد نہیں فرمائی، لیکن یہ بتا دیا کہ اس جنسی جذبہ کی تسکین کا جائز راستہ نکاح ہے۔ اب اگر انسان اس راستے سے اس جذبہ کی تسکین کرے تو یہ نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرے

☆ اصلاحی خطبات (۱۵/۱۵۲ تا ۱۶۶)، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) المؤمنون: ۱ ۔ ۸، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ”ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے۔ جو اپنی نمازوں میں دل سے جھکنے والے ہیں، اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں، ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گذرے ہوئے ہیں“

اور نکاح سے ہٹ کر بغیر نکاح کے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کرنا چاہے تو یہ حد سے تجاوز ہے۔ فساد کا راستہ ہے۔ فتنہ کا راستہ ہے اور یہ انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔

مغربی تہذیب کی لعنت

جن جن معاشروں میں نکاح سے ہٹ کر بغیر نکاح کے جنسی خواہش کی تسکین کا دروازہ کھولا گیا، وہ اخلاقی اعتبار سے اور معاشرتی اعتبار سے تباہی کا شکار ہوئے۔ آج مغربی دنیا، یورپ اور امریکہ کی تہذیب کا دنیا میں ڈنکا بجا ہوا ہے، لیکن انہوں نے جنسی خواہش کی تسکین کے لئے نکاح کے علاوہ دوسرے راستے اختیار کرنے کی کوشش کی تو اس جنسی خواہش نے ان کو کتوں اور گدھوں اور بلیوں کی صفت میں شامل کر دیا۔ بعض معاشرے ایسے ہیں جن کے ریکارڈ پر یہ بات موجود ہے کہ یہاں کی ستر اسی فیصد آبادی حرام کی اولاد ہیں اور خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ فیملی سسٹم کا ستیاناس ہو گیا۔ باپ بیٹے، ماں، بیٹی، بھائی، بہن کے تصورات ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ آج مغربی دنیا کے مفکرین چیخ رہے ہیں کہ ہم نے اس جہت سے اپنے آپ کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے۔ یہ اسلئے کہ قرآن کریم نے جو راستہ بتایا تھا کہ نکاح کے ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کرو، اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار کر لیے۔

یہ جذبہ کسی حد پر رکنے والا نہیں

اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا ہے کہ اگر یہ جنسی خواہش کا جذبہ جائز حدود کے اندر ہے تو یہ جذبہ بقاء نوع انسانی کا جذبہ بنتا ہے اور انسان کو بہت سے فوائد پہنچاتا ہے، لیکن جس وقت یہ جذبہ جائز حدود سے آگے بڑھ جاتا ہے تو یہ جذبہ ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ مٹنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی انسان ناجائز طریقے سے اپنی خواہش کو پوری کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پھر کسی حد پر نہیں رکتا، کسی حد پر اس کو قرار اور چین نہیں آتا۔ وہ اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور کبھی اس کی پیاس اور بھوک نہیں مٹتی۔ جیسے جو شخص استسقاء کا مریض ہوتا ہے وہ ہزار مرتبہ بھی پانی پی لے، اور مٹکے کے مٹکے اپنے پیٹ میں داخل کر لے پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ یہی صورتِ حال اس وقت ہوتی ہے جب جنسی جذبہ اپنی معقول حدود سے تجاوز کر جائے، وہ جذبہ پھر کسی حد پر رکتا نہیں ہے۔

پھر بھی تسکین نہیں ہوتی

آج مغربی دنیا میں یہی صورتِ حال ہو رہی ہے۔ ایک طریقے سے جنسی خواہش کی تسکین شروع کی۔ لیکن پوری تکمیل نہ ہو سکی۔ پھر اور آگے بڑھے، پھر بھی پوری تسکین نہ ہوئی، اور پھر اور آگے

بڑھے، پھر بھی تسکین مکمل نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اب صورتِ حال یہ ہے کہ مغربی دنیا میں ایسے بے شمار واقعات سامنے آرہے ہیں کہ اب بعض لوگوں کو جنسی خواہش کی تسکین اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ کسی خاتون کے ساتھ جنسی خواہش پوری کرنے کے بعد اس کو قتل نہ کردیں۔

حد سے گزرنے کا نتیجہ

مغربی دنیا کا یہ عجیب منظر ہے کہ جہاں ان کے معاشرے نے عورت کو اتنا سستا کردیا کہ قدم قدم پر عورت سے تسکین حاصل کرنے کے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، کوئی قدغن اور کوئی پابندی ان پر نہیں، لیکن جن ملکوں میں عورت اتنی سستی ہے انہی ملکوں میں زنا بالجبر کے واقعات ساری دنیا سے زیادہ ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ جنسی خواہش کی تسکین کرلینے کے بعد بھی نفس کو قرار نہیں آیا، اب یہ خیال آیا کہ زبردستی کرنے میں زیادہ لذت ہے اور پھر زبردستی کرنے کی حد یہ ہے کہ جس عورت سے جنسی تسکین حاصل کی جارہی ہے اس کو اسی وقت میں قتل کرنا بھی جنسی تسکین کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ آج اس معاشرے میں ایسے واقعات بھرے پڑے ہیں کہ اب فکر رکھنے والے یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم نے اپنے معاشرے کو کس تباہی کے دہانے پر پہنچادیا ہے۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ جو لوگ اس نکاح کے بندھن سے ہٹ کر جنسی خواہش کی تسکین کا راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں، وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور حد سے گزرنے کے بعد بھی ان کو کسی حد پر قرار نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے نکاح کے ذریعہ تمہارے لئے ایک جائز راستہ پیدا کردیا، اس جائز راستے کی فضیلت رکھ دی کہ اگر انسان اپنی بیوی کے ساتھ اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اس پر اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔ باقی سب راستے حرام کردیئے۔

پہلا بند: نظر کی حفاظت

اب حرام راستوں اور طریقوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے پہرے بٹھادیئے ہیں کہ اگر ان پہروں کا لحاظ رکھا جائے تو انسان کبھی بھی جنسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے سب سے پہلے اپنی نظر کی حفاظت کا حکم دیا۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلنَّظْرَۃُ سَہْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِہَامِ اِبْلِیْسَ))(۱)

''انسان کی نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے''

---

(۱) مجمع الزوائد (۸/۶۳)، کنزالعمال، رقم: ۱۳۰۶۸ (۵/۴۸۱)، عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین (۱/۱۸)

یعنی شیطان انسان کو اس نگاہ کے ذریعہ غلط راستے پر ڈالتا ہے۔ اور اس نظر کو غلط جگہ پر ڈلوانا چاہتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے دل میں فاسد جذبات اُبھرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بالآخر انسان کو عملی گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

نگاہیں نیچے رکھیں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾(۱)

''آپ مؤمنین سے کہہ دیں کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں''

گویا کہ یہ بتلا دیا کہ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرو، یہ نگاہ غلط جگہ پر نہ پڑے۔ کسی نامحرم عورت پر لذت لینے کی غرض سے نگاہ ڈالنا زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ، وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ)) (۲)

''آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے''

آنکھوں سے غیر محرم کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھنا یہ زنا کی پہلی سیڑھی ہے، شریعت نے اس پر پابندی عائد فرما دی ہے۔

آج کل نظر بچانا مشکل ہے

آج کل کے معاشرے میں جہاں چاروں طرف انسان کی نگاہ کو پناہ نہیں ہے، چاروں طرف فتنے پھیلے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ نگاہ کو نیچے رکھو اور اپنی نگاہ کا غلط استعمال نہ کرو۔ آج کا نوجوان یہ کہے گا کہ نگاہ کو نیچے رکھ کر اور چاروں طرف سے آنکھیں بند کر کے چلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے کہ کہیں بورڈ پر تصویر نظر آ رہی ہے اور کہیں اخبارات میں تصویریں نظر آ رہی ہیں، کسی رسالے کو دیکھو تو اس میں تصویر موجود، بازار سے کوئی چیز خریدو تو اس پر تصویر موجود، بے پردہ عورتیں ہر جگہ باہر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں، اس لئے نظریں بچانا تو بڑا مشکل کام ہے۔

---

(۱) النور: ۳۰

(۲) مختصر ارواء الغلیل، رقم: ۲۳۷۰ (۱/۴۷۱)، غایۃ المرام، رقم: ۱۸۴ (۱/۱۳۲) اس حدیث کے مضمون کی تائید بخاری، مسلم اور احمد بن حنبل کی ذکر کردہ بیشتر روایات سے بھی ہوتی ہے۔

یہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے

لیکن اس مشکل پر قابو پانے کے لئے ذرا اس پر غور کرو کہ یہ آنکھ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے یہ کیا چیز ہے؟ یہ ایک ایسی مشین اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے جو پیدائش سے لے کر مرتے دم تک بغیر کسی پیسے اور بغیر محنت کے یہ مشین کام کر رہی ہے اور اس طرح کام کر رہی ہے کہ جو چیز چاہو اس کے ذریعہ دیکھ لو، جو چاہو لطف اٹھالو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشین کے اندر غور کرنے کی توفیق دے تب پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جگہ میں کیا کارخانہ فٹ کر رکھا ہے۔ جو آنکھوں کے اسپیشلسٹ ہیں، انہوں نے کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسپتالوں میں ساری عمر لگا دی، لیکن اب تک یہ دریافت نہیں کر سکے کہ یہ کیسا کارخانہ ہے؟ اس کارخانے کے اندر کتنے پردے ہیں؟ کتنی جھلیاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس میں کتنے پردے فٹ کر رکھے ہیں؟ لیکن چونکہ یہ مفت میں مل گئی ہے، اس کے لئے کوئی پائی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا ہے، کوئی محنت نہیں کرنی پڑی، اس وجہ سے اس نعمت کی قدر نہیں۔

آنکھوں کی حفاظت کے لئے پیسہ خرچ کرنے پر تیار

جس دن آنکھ کی بینائی پر ذرہ برابر فرق آجائے تو تمہارے جسم میں زلزلہ آجاتا ہے کہ کہیں میری بینائی نہ چلی جائے۔ اور اگر خدانہ کرے یہ بینائی چلی جائے تو پھر انسان ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے کہ چاہے میری دولت چلی جائے، لیکن میری بینائی مجھے واپس مل جائے تاکہ میں اپنی بیوی کو دیکھ سکوں، میں اپنے بچوں کو دیکھ سکوں، میں اپنے ماں باپ کو دیکھ سکوں۔ بینائی جانا تو درکنار بلکہ اگر بینائی میں ذرہ فرق آجائے کہ ٹیڑھا نظر آنے لگے یا آنکھوں کے سامنے ترمرے ناچنے لگیں یا آنکھوں کے سامنے حلقے اور دائرے نظر آنے لگیں تو انسان گھبرا جاتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا اور پھر آنکھوں کے اسپیشلسٹ کے پاس بھاگتا ہے اور ہزاروں خرچ کرتا ہے کہ کسی طرح میری آنکھوں کا یہ نقص دور ہو جائے لیکن ہمیں اور آپ کو یہ دولت ملی ہوئی ہے اور مرتے دم تک کام کرتی ہے، نہ اس کی سروس کی ضرورت، نہ اس میں تیل ڈالنے کی ضرورت۔

آنکھ کی پتلی کی عجیب شان

اور اس آنکھ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب وغریب نظام بنایا ہے مجھے ایک آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انسان جب روشنی میں جاتا ہے تو اس کی آنکھ کی پتلی پھیلتی ہے اور جب

اندھیرے میں آتا ہے تو اس آنکھ کی پتلی کے پیچھے سکڑتے ہیں کیونکہ اندھیرے میں صحیح طور پر دیکھنے کے لئے اس کا سکڑنا ضروری ہے اور اس ڈاکٹر نے بتایا کہ اس سکڑنے اور پھیلنے کے عمل میں انسان کی آنکھ کے پیچھے سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور یہ کام خود بخود ہوتا ہے۔ اگر یہ کام انسان کے سپرد کیا جاتا، اور یہ کہا جاتا کہ جب تم اندھیرے میں جاؤ تو یہ بٹن دبایا کرو اور جب روشنی میں جاؤ تو یہ دوسرا بٹن دبایا کرو، تب تمہاری آنکھیں صحیح کام کریں گی، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی انسان کی سمجھ میں یہ بات آتی اور کسی کی سمجھ میں نہ آتی اور غلط وقت پر بٹن دبا دیتا اور ضرورت سے زیادہ بٹن دبا دیتا تو خدا جانے اس آنکھ کا کیا حشر بنتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک آٹومیٹک سسٹم اس آنکھ کے اندر لگا دیا کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق اس آنکھ کی پتلی پھیلتی بھی ہے اور سکڑتی ہے۔

آنکھ کی حفاظت کا خدائی انتظام

اور یہ آنکھ اتنی نازک ہے کہ شاید پورے جسم انسانی میں اس سے زیادہ نازک کوئی چیز نہ ہو۔ آپ کو تجربہ ہوا ہوگا کہ اگر انسان کی آنکھ میں ریت یا مٹی کا معمولی سا ذرہ جس کو دیکھنا بھی مشکل ہو، اگر وہ انسان کی آنکھ میں چلا جائے تو انسان بے تاب ہو جاتا ہے اور درد سے بے چین ہو جاتا ہے۔ اور یہ آنکھ انسان کے چہرے میں بالکل سامنے ہے کہ اگر انسان کے سامنے سے اس پر حملہ ہو یا کسی سے تصادم ہو تو اس کی چوٹ سب سے پہلے انسان کے چہرے پر پڑتی ہے، لیکن آنکھ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پہرے دار بٹھا دیئے، یہ ماتھے کی ہڈی اور رخسار کی ہڈی، ان دونوں ہڈیوں کے قلعہ میں انسان کی آنکھ کو رکھ دیا تاکہ اگر چہرے پر کوئی چوٹ پڑے تو ہڈیاں اس کو برداشت کریں اور آنکھ محفوظ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پلکوں کے دو پردے آنکھوں کے اوپر ڈال دیئے تاکہ کوئی گرد و غبار اس کے اندر نہ جائے۔ اگر کوئی مٹی یا گرد و غبار اڑ کر آئے گا تو یہ پلکیں اس کو اپنے اوپر لے لیں گی اور آنکھوں کو بچالیں گی۔ جب انتہاء ہو جائے تب جا کر آنکھ پر چوٹ پڑتی ہے ورنہ آنکھ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خود کار نظام بنا دیا ہے۔ ان کے ذریعہ انسان کے چہرے کا حسن بھی ہے اور اس آنکھ کی نعمت کی حفاظت بھی ہے۔

نگاہ پر صرف دو پابندیاں ہیں

یہ سب انتظام اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے اور اس انتظام کے لئے کوئی پیسہ نہیں مانگا کہ جب تم اتنے پیسے دو گے تو آنکھ ملے گی بلکہ یہ خود کار مشین پیدائش کے وقت سے تمہارے حوالے کر دی ہے۔ صرف اتنا فرمایا کہ یہ سرکاری مشین ہے، اس کو جہاں چاہو، استعمال کرو، صرف چند جگہیں ہیں ان میں

اس کو استعمال نہ کرنا۔ اس آنکھ کے ذریعہ آسمان کو دیکھو، زمین کو دیکھو، اچھے مناظر کو دیکھو، باغات کو دیکھو، پھلوں کو پھولوں کو دیکھو، دریاؤں اور نہروں کو دیکھو، پہاڑوں اور اچھے مناظر کو دیکھو۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو دیکھو، اور ان سے لطف اٹھاؤ۔ صرف دو چیزوں سے بچو، ایک یہ کہ کسی نامحرم عورت پر لذت لینے کی نیت سے نگاہ مت ڈالو اور کسی انسان کی طرف حقارت کی نظر سے مت دیکھو، بس آپ کے اوپر یہ دو پابندیاں ہیں، باقی سب کچھ دیکھنا تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس سرکاری مشین کو جتنا چاہو استعمال کرو۔

اگر بینائی واپس دیتے وقت شرط لگا دی جائے

اگر پھر بھی انسان کہے کہ یہ کام بڑا مشکل ہے، ساری کائنات کا نظام دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انتظام تمہیں دے رکھا ہے، خدا نہ کرے اگر کسی دن تمہاری آنکھ کا پردہ پھٹ جائے، خدا نہ کرے کسی دن تمہاری آنکھ کی بینائی جاتی رہے، اس وقت اگر تم سے یہ کہا جائے کہ یہ بینائی تمہیں واپس تو مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ فلاں فلاں چیز نہیں دیکھو، تو جواب میں وہ شخص کہے گا کہ ساری زندگی ان چیزوں کو نہ دیکھنے کا بونڈ لکھوالو، لیکن مجھے بینائی واپس دے دو۔ تاکہ اس کے ذریعہ میں اپنی بیوی بچوں کو دیکھ سکوں، اپنے بہن بھائیوں کو دیکھ سکوں، میں اپنے گھر کو دیکھ سکوں۔ اس وقت تو بونڈ لکھنے کے لئے تیار ہو جائے گا، اس لئے کہ بینائی جا چکی ہے اور اب اس کے واپس آنے کا کوئی راستہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بونڈ لکھوائے بغیر تمہیں یہ نعمت دے رکھی ہے۔ لیکن یہ نعمت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جس جگہ یہ بینائی استعمال کرنے کے لئے دی ہے صرف اس جگہ استعمال کرو۔

نگاہ ڈالنا اجر و ثواب کا ذریعہ

اور اگر صرف اس جگہ پر استعمال کرو گے تو اس کے نتیجے میں تمہارے اعمال نامے میں نیکیوں کے ڈھیر لگتے چلے جائیں گے اور آخرت میں اجر و ثواب کے خزانے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کو ایک مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھے تو ایک نگاہ ڈالنے سے ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ (۱)

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک شوہر اپنے گھر میں داخل ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے اپنے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ

(۱) شعب الإيمان، رقم: ۱۱۷٦ (۱٦/۳٦٥)، كنز العمال، رقم: ٤٥٥۳٥ (۱٦/٤٧٧)، الدر المنثور (٥/٢٦٤)

دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (۱)

اب دیکھئے کہ نگاہ کو صحیح جگہ پر استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

نظر کی حفاظت کا ایک طریقہ

خدا نہ کرے اگر آدمی اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کرے اور اس کے ذریعہ نامحرموں کو لذت لینے کی غرض سے دیکھے تو اس نگاہ کے بارے میں فرمایا کہ شیطان کے زہر کے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

آج ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کے دور میں آنکھوں کو بچانا بڑا مشکل ہے اس لئے کہ ڈھونڈنے سے بھی ملتی نہیں آنکھوں کو پناہیں، کہاں جائیں؟ اور کس طرح بچیں؟ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم یہ تصور کرو کہ آج اگر ہماری بینائی جاتی رہے اور پھر کوئی تم سے یہ کہے کہ تمہاری بینائی واپس مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ اس بینائی کو کسی نامحرم کو دیکھنے میں استعمال نہیں کرو گے، اگر یہ پکا وعدہ کرو اور پختہ عہد کرو اور لکھ کر دو تب بینائی واپس ملے گی، ورنہ نہیں ملے گی۔ بتاؤ کیا تم اس وعدہ کو کرنے اور لکھنے پر تیار ہو جاؤ گے یا نہیں؟ کونسا انسان ہے جو لکھنے اور وعدہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا اور کون انسان ہوگا جو یہ کہے گا کہ اگر میں نامحرم کو نہیں دیکھ سکتا تو پھر مجھے بینائی نہیں چاہئے۔ کوئی انسان ایسا کہے گا؟ ہرگز نہیں کہے گا۔ اگر تم اس وقت وعدہ کرنے اور لکھ کر دینے کے لئے تیار ہو جاؤ گے تو جس مالک کریم نے وہ بینائی تم سے کوئی معاہدہ کیے بغیر پہلے سے تمہیں دے رکھی ہے اور بعد میں وہ مالک تم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اس نگاہ کو غلط استعمال نہ کرو تو پھر تمہیں کیوں مشکل نظر آتی ہے؟ پھر کیا پریشانی لاحق ہوتی ہے، لہٰذا جب بدنظری کا موقع سامنے آئے تو یہ تصور کر لو کہ اگر میں بدنظری کروں گا تو میری بینائی چلی جائے گی۔

ہمت سے کام لو

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنی بینائی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے تو حقیقت میں بینائی نہیں ہے، بلکہ وہ تو اندھا پن ہے اور بینائی تو اس کی جا چکی ہے، قرآن کریم میں فرما دیا:

﴿مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (۲)

---

(۱) كنز العمال، رقم: ٤٤٤٣٧ (١٦/٢٧٦)، جامع الأحاديث، رقم: ٦٢٩٦ (٧/٢٧٩)

(۲) بنی إسرائیل: ٧٢، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ’’اور جو شخص دنیا میں اندھا بنا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا، بلکہ راستے سے اور زیادہ بھٹکا ہوا رہے گا‘‘

لہٰذا انسان یہ عہد کرلے کہ میں اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت اور حوصلے میں، عہد میں بڑی طاقت رکھی ہے، یہ انسان کی ہمت ربڑ کی طرح ہے۔ اس کو جتنا چاہو کھینچ لو۔ جب انسان اس ہمت کو استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ہمت میں برکت اور ترقی عطا فرماتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال! اس نگاہ پر دو پابندیاں عائد کی گئی ہیں، ایک یہ کہ نامحرم عورت کو لذت کی نگاہ سے دیکھنا، اور دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، کسی مسلمان پر حقارت کی نظر ڈالنا یہ بھی آنکھ کا گناہ ہے۔ ان دونوں گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرلیا جائے تو انشاء اللہ زندگی درست ہوجائے گی، اور خیالات و جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوجائیں گے، اور آخرت کی بھی تیاری ہوجائے گی۔ اور اگر یہ طریقہ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مشین کو علی الاطلاق استعمال کررہے ہیں، اس پر کوئی قید اور کوئی پابندی نہیں لگا رہے ہیں تو یہی آنکھ آپ کو جہنم کے گڑھے میں لے جاکر ڈالے گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنادے گی، اس لئے اس آنکھ کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آنکھ کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ مضمون ابھی باقی ہے لیکن وقت ختم ہوچکا ہے، زندگی رہی تو اگلے جمعہ میں انشاء اللہ عرض کروں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

آنکھیں بڑی نعمت ہیں ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ مؤمنون کی پانچویں اور چھٹی آیت کا بیان گزشتہ دو جمعوں سے چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کی فلاح کے لئے جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ﴾

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی طبیعت میں ایک جنسی جذبہ رکھا ہے اور چونکہ اسلام ایک دینِ فطرت ہے، لہٰذا اس جنسی جذبے کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال راستہ تجویز فرمادیا، وہ نکاح کا راستہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ انسان اپنے اس فطری جذبے کی تکمیل کرے، تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ موجبِ اجروثواب بھی ہے۔ لیکن اس نکاح کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرنے والے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔ قرآن کریم نے لفظ تو بہت مختصر استعمال فرمایا کہ وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ لیکن اس کے مفہوم میں بہت ساری خرابیاں داخل ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ

☆ اصلاحی خطبات (۱۵/ ۱۶۸ تا ۱۸۲)، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔

(۱) المؤمنون: ۱۔۸، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے۔ جو اپنی نمازوں میں دل سے جھکنے والے ہیں، اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں، ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گذرے ہوئے ہیں"

جو شخص نکاح کے رشتے کے باہر اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرنا چاہے وہ شخص معاشرے کے اندر فساد اور بگاڑ پھیلاتا ہے، یہ اس آیت کے مطلب اور تشریح کا خلاصہ ہے۔

پہلا حکم: نگاہ کی حفاظت

شریعت نے جہاں ناجائز جنسی تسکین کا راستہ بند کیا اور اس کو حرام قرار دیا تو اس کے لئے فضا بھی ایسی سازگار پیدا فرمائی جس میں اس حکم پر عمل کرنا انسان کے لئے آسان ہو جائے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے نکاح کے راستے کو آسان سے آسان فرمایا ہے۔ لیکن ہم نے اپنے معاشرے میں طرح طرح کی رسموں اور قیدوں سے اس نکاح کو جکڑ کر اپنے لئے اس کو مشکل بنا دیا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وہ تمام دروازے بند فرمائے جو انسان کو بدکاری کی طرف لے جانے والے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا حکم نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا کہ اپنی نگاہ کو پاکیزہ رکھو، اور اس کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ))(۱)

''یہ نظر شیطان کے زہر کے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے''

بعض اوقات صرف ایک نگاہ انسان کے دل کی حالت کو خراب کر دیتی ہے، اس میں فساد پیدا کر دیتی ہے۔ بعض اوقات ایک غلط نگاہ کے نتیجے میں انسان کی سوچ، انسان کی فکر، اس کے خیالات اس کے جذبات اور بعض اوقات اس کا کردار بھی خراب ہو جاتا ہے، اس لئے شریعت نے پہلا پہرہ انسان کی نگاہ پر عائد فرمایا۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ نگاہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر کوئی انسان بینائی سے محروم ہو تو وہ لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی یہ نعمت حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں مفت میں بغیر معاوضے کے عطا فرما رکھی ہے، اس لئے اس نعمت کی قدر نہیں ہوتی۔ اور یہ نعمت پیدائش سے لے کر مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ یہ نازک اتنی ہے کہ اگر ذرا اس کے اندر کوئی بال آجائے، ذرا خراش لگ جائے تو یہ بیکار ہو جائے، لیکن اتنی نازک مشین پوری زندگی انسان کا ساتھ دیتی ہے اور اس طرح ساتھ دیتی ہے کہ نہ اس کی سروس کی ضرورت ہے نہ اس کو پٹرول اور تیل کی ضرورت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ

(۱) مجمع الزوائد (۶۳/۸)، كنزالعمال، رقم: ۱۳۰۶۸ (۴۸۱/۵)، عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين (۱۸/۱)

آٹو میٹک نظام کے تحت اس کی سروس بھی کرتے رہتے ہیں اور اس کو غذا بھی پہنچاتے رہتے ہیں، چنانچہ جو لقمہ تم اپنی بھوک مٹانے کی خاطر کھاتے ہو اسی لقمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جسم کے ہر حصے کو غذا پہنچاتے ہیں، اسی طرح آنکھ کو بھی پہنچاتے ہیں۔

آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں

یہ آنکھ تمہیں اس لئے دی گئی ہے تا کہ تم اس کے ذریعہ لذت حاصل کرو، تا کہ اس کے ذریعہ تم اپنے کام نکالو، اس آنکھ پر صرف چیزوں کو نہ دیکھنے کی پابندی عائد کی گئی ہے کہ ان چیزوں کی طرف مت دیکھنا، وہ یہ کہ کسی نامحرم خاتون کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے مت دیکھنا، ایسا کرنے کو گناہ قرار دیا گیا اور فرمایا کہ یہ آنکھوں کا زنا ہے۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ، وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ))(۱)

یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔ لذت کی غرض سے شہوت کی نگاہ سے کسی غیر محرم کو دیکھنا یہ بدنظری ہے، اس کو شریعت میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ جب تمہاری نگاہ محفوظ ہوگی تو تمہارے خیالات بھی پاکیزہ ہوں گے، تمہارے جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے، اور پھر تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہوں گے۔

شرمگاہ کی حفاظت آنکھ کی حفاظت پر ہے

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾(۲)

"اے محمد ﷺ! آپ مؤمنوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں"

یہ تمہارے لئے پاکی حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے اور عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اس کے ذریعے یہ بتادیا کہ شرمگاہ کی حفاظت کا راستہ یہ ہے کہ اس کا آغاز آنکھ کی حفاظت سے ہو، اور جب آنکھ محفوظ رہے گی تو پھر تمہاری شرمگاہ بھی محفوظ رہے گی اور تم بدکاری سے محفوظ رہو گے۔ یہ حکم کسی مولوی اور ملا کا بیان کردہ حکم نہیں ہے، یہ کسی قدامت

(۱) مختصر ارواء الغليل، رقم: ۲۳۷۰ (۱/۴۷۱)، غاية المرام، رقم: ۱۸٤ (۱۳۲/۱) اس حدیث کے مضمون کی تائید بخاری، مسلم اور احمد بن حنبل کی ذکر کردہ بیشتر روایات سے بھی ہوتی ہے۔

(۲) النور: ۳۰

پسند، مذہبی، دہشت گرد کا حکم نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو قرآن کریم کے اندر بیان فرمایا ہے۔

قلعے کا محاصرہ کرنا

جب تک مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان فتنوں اور فسادات سے محفوظ رکھا۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا تھا جو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑے درجے کے صحابہ میں سے ہیں، اور شام کے فاتح ہیں، اس لئے کہ شام کے بہت سے علاقوں کی فتح کا سہرا اللہ تعالیٰ نے ان کے سر رکھا، بعد میں وہ شام کے گورنر رہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے غیر مسلموں کے قلعے پر حملہ کیا، اور اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ لمبا ہو گیا اور قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب قلعہ کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان بڑی ثابت قدمی سے محاصرہ کیے ہوئے ہیں تو انہوں نے ایک سازش تیار کی۔ وہ یہ کہ ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں، آپ اپنی فوج کو لے کر شہر میں داخل ہو جائیں۔ اور یہ سازش کی کہ شہر کا دروازہ جس طرف کھلتا تھا اس طرف بہت لمبا بازار تھا۔ جس کے دونوں طرف دکانیں تھیں اور وہ بازار شاہی محل پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے بازار کے دونوں طرف عورتوں کو مزین کر کے اور آراستہ کر کے ہر دکان پر ایک ایک عورت کو بٹھا دیا، اور ان عورتوں کو یہ تاکید کر دی کہ اگر یہ مجاہدین داخل ہونے کے بعد تمہیں چھیڑنا چاہیں اور تمہارے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو تم انکار مت کرنا، رکاوٹ مت ڈالنا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ یہ لوگ حجاز کے رہنے والے ہیں، مہینوں سے اپنے گھروں سے دور ہیں، جب اندر داخل ہونے کے بعد اچانک ان کو خوبصورت اور آراستہ عورتیں نظر آئیں گی تو یہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں گے، اور جب یہ ان کے ساتھ مشغول ہوں گے، اس وقت ہم پیچھے سے ان پر حملہ کر دیں گے۔

مؤمن کی فراست سے بچو

منصوبہ بنا کر قلعے کے والی نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم ہار مان گئے ہیں اور اب ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں، آپ اپنی فوج کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہو جائیں۔ جب حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام ملا جب اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرماتے ہیں تو فراستِ ایمانی بھی عطا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))(۱)

''مؤمن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے''

جب یہ پیغام ملا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ماتھا ٹھنک گیا کہ اب تک یہ لوگ مقابلے کے لئے تیار تھے اور دروازہ نہیں کھول رہے تھے، اور اب اچانک یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے دروازہ کھولنے کی پیش کش کر دی، اور فوجوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، اس میں ضرور کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔

پورا لشکر بازار سے گزر گیا

چنانچہ آپ نے سارے لشکر کو جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور وہ ہمیں داخل ہونے کی دعوت دے رہا ہے، آپ لوگ بیشک داخل ہوں، لیکن میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھتا ہوں، آپ اس آیت کو پڑھتے ہوئے اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہوں، اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾(۲)

''مؤمنوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں''

یہ ان کے لئے پاکیزگی کا راستہ ہے چنانچہ لشکر قلعے کے اندر اس شان سے داخل ہوا کہ ان کی نگاہیں نیچی تھیں اور اسی حالت میں پورے بازار سے گزر گئے اور شاہی محل تک پہنچ گئے اور کسی نے دائیں بائیں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کہ کیا فتنہ ان دکانوں میں ان کا انتظار کر رہا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر اسلام لائے

جب شہر والوں نے یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ کونسی مخلوق ہے، اس لئے کہ کوئی فوج فاتح بن کر کسی شہر میں داخل ہوتی ہے تو سینہ تان کر داخل ہوتی ہے، آزادی کے ماحول میں داخل ہوتی ہے، اور لوٹ مار کرتی ہے اور عصمتیں لوٹتی ہے، لیکن یہ عجیب و غریب لشکر اس شان سے داخل ہوا چونکہ ان کے امیر نے کہہ دیا تھا کہ نگاہیں نیچی رکھنا تو سب کی نگاہیں نیچی تھیں، اور اس حالت میں پورا لشکر اس بازار کو پار کر گیا۔ اور شہر کے بے شمار لوگ صرف یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے

(۱) سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللّٰہ، باب ومن سورۃ الحجر، رقم: ۳۰۵۲

(۲) النور: ۳۰

ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمادی۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ ''اسلام'' تلوار سے پھیلا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس کردار سے پھیلا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل سے پھیلا تھا۔

بہر حال! آنکھوں کو نیچے رکھنے کے عمل نے نہ صرف یہ کہ ان کو جسمانی اور نفسانی اور شہوانی فتنے سے محفوظ رکھا، بلکہ اس ذریعہ سے دشمن کے منصوبے اور ان کی چال سے بھی حفاظت فرمائی۔

شیطان کا حملہ چار اطراف سے

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا اور اس کو راندۂ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ جب آپ نے مجھے جنت سے نکالا ہے اور میری یہ دعا بھی آپ نے قبول کرلی ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا تو اس نے یہ عزم کیا تھا کہ یہ آدم جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا اس کی اولاد کو میں اس طرح گمراہ کروں گا:

﴿لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾(۱)

میں ان کے سامنے سے حملہ کروں گا، ان کے پیچھے سے حملے کروں گا، دائیں سے حملے کروں گا، بائیں طرف سے حملے کروں گا، اور آپ کی اس مخلوق پر چاروں طرف سے حملے کروں گا۔ لہٰذا شیطان نے چاروں جہتیں گھیر رکھی ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دو سمتوں کو بیان کرنا بھول گیا، ایک اوپر کی جہت اور ایک نیچے کی جہت۔ لہٰذا یہ چاروں سے تو حملہ آور ہے اور اس سے بچاؤ کا راستہ یا تو اوپر ہے، یا نیچے ہے۔ اور اوپر کے راستہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرو، اور اس سے مدد مانگو، اس سے رجوع کرو، اس کی طرف انابت کرو اور کہو کہ یا اللہ! یہ شیطان مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اپنے فضل وکرم سے مجھے شیطان کے حملوں سے بچائیے۔ لہٰذا اوپر کا راستہ تو شیطان سے اس لئے محفوظ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔

---

(۱) الاعراف: ۱۷

نیچے کا راستہ محفوظ ہے

اور نیچے کا راستہ شیطان سے اس لئے محفوظ ہے تاکہ تم نگاہ کو نیچے کرکے چلو، دائیں بائیں آگے پیچھے ان چاروں طرف سے شیطان کا حملہ ہوسکتا ہے، لیکن نیچے کی جہت شیطان کے حملے سے محفوظ ہے۔ جب تم نیچے نگاہ کرکے چلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنی نگاہ کو نیچے کرکے چلو تاکہ اس فتنے میں مبتلا نہ ہو۔

بہرحال! یہ نگاہ کا فتنہ انسان کے باطنی اخلاق کو باطنی کیفیات کو تباہ کرنے والا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ بلا ایسی پھیل گئی ہے کہ شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ اس سے بچا ہوا ہوگا۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ چاروں طرف نگاہ کو متوجہ کرنے اور نگاہ کو لبھانے کے سامان بکھرے پڑے ہیں۔ ہر طرف سے دعوت نظارہ مل رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو معاشرہ نبی کریم ﷺ نے قائم فرمایا تھا اس معاشرے میں پردہ تھا، حجاب تھا، حیاء تھی، شرم تھی، اور انسانیت کی اعلیٰ صفات اس کے اندر موجود تھیں۔ لیکن آج کے معاشرے میں بے پردگی، بے حیائی، بے شرمی اور فحاشی اور عریانی کی دوڑ چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے کسی طرف نگاہ کو پناہ نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا دھیان

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمتیں کمزور ہوگئی ہیں اور ایک مؤمن کے اندر اپنے آپ پر قابو پانے کا جو ملکہ ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کو ہر وقت پیش نظر رکھے وہ ایمان کا جذبہ کمزور پڑ گیا ہے، اس کی وجہ سے چاروں طرف بدنظری کا فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل کرنا جس وقت مشکل ہوجاتا ہے اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضل وکرم ہوتا ہے اور اتنا ہی اس حکم پر اجر وثواب بھی زیادہ دیا جاتا ہے۔

اچٹتی نگاہ معاف ہے

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر پہلی مرتبہ بلاقصد اور بلا ارادہ کسی نامحرم پر نگاہ پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہے اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ حکم یہ ہے کہ جب بے اختیار نگاہ پڑے تو فوراً ہٹالو۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا:

((لَكَ النَّظْرَةُ الْأُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الثَّانِيَةُ))(۱)

(۱) جامع الأصول من أحاديث الرسول، رقم: ٤٩٥٤ (٥٠١٤/١)، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

پہلی نگاہ تمہارے لئے ہے، یعنی اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر دوسری نگاہ ڈالی اور اس کو باقی رکھا تو یہ گناہ ہے اور قابل مؤاخذہ ہے۔ لہٰذا اگر کبھی بلا اختیار نگاہ پڑ جائے تو یہ سمجھ کر فوراً ہٹائے کہ یہ میرے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور یہ مراقبہ کرے کہ جس وقت میں آنکھ کا غلط استعمال کر رہا ہوں، اگر اس وقت اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس لے لے اور مجھ سے یہ کہا جائے کہ جب تک تم بدنگاہی نہیں چھوڑو گے اس وقت تک یہ بینائی نہیں ملے گی تو میں ہزار مرتبہ اس بدنگاہی کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔ جب میں اس وقت اس گناہ سے بچنے کے لئے تیار ہو سکتا ہوں تو آج بھی یہ سوچ کر تیار ہو سکتا ہوں کہ میرے مالک نے مجھے اس گناہ سے منع کیا ہے۔

یہ نمک حرامی کی بات ہے

آدمی یہ سوچے کہ جس محسن نے بلا معاوضہ بے مانگے بلا قیمت یہ نعمت مجھے دے رکھی ہے اس کی مرضی کے خلاف اس کو استعمال کرنا بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی نمک حرامی کی بات ہے، اس نمک حرامی سے بچنے کے لئے میں اس گناہ کو چھوڑتا ہوں اور پھر ہمت کر کے اس نگاہ کو ہٹالے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں بڑی طاقت دی ہے، اپنی ہمت سے بڑے بڑے پہاڑ سر کر لیتا ہے، لہٰذا اس ہمت کو استعمال کرو اور اس نظر کو ہٹالو، اور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں یہ وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نگاہ کو غلط جگہ سے ہٹالے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی روحانی لذت عطا فرمائیں گے جس کے آگے بدنگاہی کی لذتیں ہیچ در ہیچ ہیں، ان لذتوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا

اس کے علاوہ یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں، بے ہمت ہوں، بے حوصلہ ہوں، اے اللہ! جب آپ نے یہ کام گناہ قرار دیا ہے تو اپنی رحمت سے مجھے ہمت بھی عطا فرمائیے، مجھے حوصلہ بھی دیجئے، اور مجھے اس بات کی توفیق عطا فرمائیے کہ میں آپ کے اس حکم پر عمل کر سکوں، اور آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو صحیح استعمال کر سکوں، غلط جگہ استعمال کرنے سے بچوں۔ خاص طور پر اس وقت جب آدمی گھر سے باہر نکلے، چونکہ وہ اس وقت فتنے کے ماحول کی طرف نکل رہا ہے، نہ جانے کونسا فتنہ پیش آجائے، اس لئے گھر سے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ!

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شرح معاني الآثار، رقم: ۳۹۶۸ (۱۵/۳)، شعب الإيمان للبيهقي (۳۶۵/۱) بعض روایات میں لیست لك الآخرة کے الفاظ ہیں، سنن الترمذي، كتاب الأدب عن رسول الله، باب ما جاء في نظرة المفاجأة، رقم: ۲۷۰۱

میں عہد تو کرتا ہوں کہ آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو غلط استعمال نہیں کروں گا لیکن مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے اور میں اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک آپ کی مدد شامل نہ ہو، اس لئے یا اللہ! مجھے اپنے فضل وکرم سے اس فتنے سے بچا لیجئے۔ یہ دعا مانگ کر گھر سے باہر نکلو اور ہمت کو کام میں لاؤ، اور اگر کبھی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کرو۔ اگر انسان یہ کام کرتا رہے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ اس فتنے سے محفوظ رہ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

گناہ چھوڑ دو، عابد بن جاؤ گے ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلٰی جَارِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ))(۱)

یہ ایک حدیث ہے، جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا کہ میں پانچ باتیں کہتا ہوں، کون شخص ہے جو ان پانچ باتوں کو یاد رکھے، اور ان پر عمل کرے، اور یہ باتیں دوسروں کو بتا کر ان کو بھی ان پر عمل کرائے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ''میں ان پانچ باتوں کو یاد بھی رکھوں گا، اور عمل کرنے کی بھی کوشش کروں گا، اور دوسروں تک ان کو پہنچاؤں گا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں پر گن کر یہ کلمات ارشاد فرمائے، ان میں سے ایک ایک کلمہ جوامع الکلم کے اندر شامل ہے، ہر جملہ اور ہر کلمہ اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے تو ہمارا سارا معاملہ درست ہو جائے۔

عبادت گذار کیسے بنو گے؟

پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

((اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ))

یعنی تم حرام کاموں سے بچو تو تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۶/ ۸۸ تا ۱۰۲)، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) سنن الترمذی، کتاب الزهد عن رسول الله، باب من اتقی المحارم فهو أعبد الناس، رقم: ۲۲۲۷، مسند أحمد، رقم: ۷۷٤۸

حضورِ اقدس ﷺ نے اس جملہ کے ذریعے یہ حقیقت واضح فرمادی کہ فرائض وواجبات کی تعمیل کے بعد سب سے زیادہ اہم چیز مؤمن کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ناجائز وحرام کاموں سے بچائے، نفلی عباتوں کا معاملہ اس کے بعد آتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس دنیا میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچالے تو ایسا شخص سب سے زیادہ عبادت گزار ہے، چاہے وہ نفلیں زیادہ نہ پڑھتا ہو۔

نفلی عبادات نجات کے لئے کافی نہیں

حضورِ اقدس ﷺ نے اس جملے کے ذریعہ ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ فرمایا ہے، وہ یہ کہ ہم لوگ بسا اوقات نفلی عبادتوں کو تو بہت اہمیت دیتے ہیں، مثلاً نوافل پڑھنا، تسبیح، مناجات، تلاوت وغیرہ، حالانکہ ان میں کوئی ایک کام بھی ایسا نہیں جو فرض ہو، چاہے نفلی نمازیں ہوں، یا نفلی روزے ہوں، یا نفلی صدقات ہوں، ان کو تو ہم نے بڑی اہمیت دی ہوئی ہے، لیکن گناہوں سے بچنے کا اور ان کو ترک کرنے کا اہتمام نہیں۔ یاد رکھیں کہ یہ نفلی عبادات انسان کو نجات نہیں دلاسکتیں، جب تک کہ انسان گناہوں کو نہ چھوڑے۔ اب رمضان المبارک کا مہینہ چل رہا ہے، اس ماہِ مبارک میں لوگوں کی نفل عبادات کی طرف توجہ ہوتی ہے کہ عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ نفلیں پڑھ لیں، تلاوت زیادہ کرلیں، ذکر وتسبیح زیادہ کرلیں، یہ بھی اچھی بات ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ میں نفل عبادات تو کررہا ہوں، ساتھ میں گناہ بھی تو کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، ان کے اندر مبتلا ہورہا ہوں، دونوں کا اگر موازنہ کریں تو یہ نظر آئے گا کہ نفلی عبادات سے جو فائدہ ہورہا تھا، وہ گناہوں کے ذریعے نکل رہا ہے۔

گناہوں کی مثال

اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ نے اپنے کمرے کا ایئر کنڈیشن تو چلادیا، لیکن دروازے اور کھڑکیاں کھلی پڑی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف سے ٹھنڈک آرہی ہے، اور دوسری طرف سے ٹھنڈک نکل رہی ہے، اور باہر کی گرمی بھی اندر آرہی ہے، اور اس کے نتیجے میں کمرہ ٹھنڈا نہیں ہورہا ہے، اور ایئر کنڈیشن چلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہے۔ اسی طرح آپ نے نفلوں کا ایئر کنڈیشن تو لگالیا، ذکر اور تلاوت کا ایئر کنڈیشن تو لگالیا، لیکن گناہوں کی کھڑکیاں چاروں طرف سے کھلی ہوئی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ان عبادات سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا، وہ حاصل نہیں ہورہا ہے۔

حلال کھانے کی فکر کرو

اب رمضان المبارک میں تراویح پڑھنے کا کتنا اہتمام ہم لوگ کر رہے ہیں، جو لوگ پنج وقتہ نمازوں میں کوتاہی کرتے ہیں، ان کو بھی رمضان میں تراویح کی لمبی لمبی بیس رکعتوں میں کھڑے ہونے میں کوئی تأمل نہیں ہوتا، اور رات کو سحری کے وقت تہجد بھی پڑھ لیتے ہیں۔ لہٰذا نفلی عبادات تو ہو رہی ہیں۔ لیکن اس شخص کو یہ فکر نہیں کہ جب شام کو افطار کرنے کے لئے دسترخوان پر بیٹھیں گے تو وہ کھانا حلال ہوگا یا حرام ہوگا؟ سارا دن روزہ رکھا، رات کو تراویح ادا کی، تہجد پڑھے، لیکن منہ میں جو لقمہ جا رہا ہے، وہ حلال کا ہے یا حرام کا ہے، اس کی فکر نہیں۔ اس حدیث کے ذریعے حضور اقدس ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ اصل فکر اس کی کرو کہ کوئی گناہ تم سے سرزد نہ ہو۔ اگر یہ کر لیا تو پھر چاہے نفلی عبادات تم نے زیادہ نہ کی ہوں، تو بھی تمام لوگوں میں تم سب سے زیادہ عبادت گزار لکھے جاؤ گے۔

دونوں میں سے کون افضل ہے؟

اس بات کو ایک مثال سے اور زیادہ واضح طریقے پر سمجھ لیں، فرض کریں کہ ایک شخص نفلی عبادات بھی کرتا ہے، ذکر میں، تلاوت میں مشغول رہتا ہے، ہر وقت اس کی تسبیح چلتی رہتی ہے، لیکن ساتھ میں وہ گناہ بھی کرتا رہتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے زندگی بھر ایک نفلی عبادت نہیں کی، لیکن زندگی بھر اس نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا، بتاؤ! ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ وہ شخص افضل ہے جس نے گناہوں سے بچتے ہوئے زندگی گزاری، اگرچہ نفلی عبادتوں میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ اس شخص سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے نفلی عبادات کیوں نہیں کیں؟ کیونکہ نفلی عبادات فرض نہیں ہیں، لہٰذا انشاء اللہ وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اس کے برخلاف پہلا شخص جو نفلی عبادات میں تو بہت مشغول رہا، لیکن ساتھ ساتھ گناہ بھی کرتا رہا، اور گناہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں آخرت میں سوال ہوگا، "مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ"(۱)

لہٰذا اس سے یہ سوال ہوگا کہ تو نفلی عبادات تو کرتا رہا، اور یہ گناہ کا کام بھی کرتا رہا، نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسا شخص بڑے خسارے میں ہوگا۔

دو عورتوں کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں دو عورتوں کا ذکر کیا

(۱) الزلزال: ۸، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھے گا"

گیا۔ ایک عورت تو بہت عبادت میں مشغول رہتی ہے، نوافل بہت پڑھتی ہے، لیکن زبان کی خراب ہے، اور اپنی زبان سے لوگوں کو اور خاص کر اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ دوسری عورت صرف فرائض وواجبات پر اکتفا کرتی ہے، نفلی عبادات زیادہ نہیں کرتی، لیکن زبان کی بڑی میٹھی ہے، اور لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتی ہے، اس کی پڑوسنیں اس سے خوش ہیں۔ پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ ان میں سے کون سی عورت افضل ہے؟ وہ عبادت گزار خاتون، یا یہ پرہیزگار خاتون؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ دوسری خاتون پہلی خاتون کے مقابلے میں بدرجہا فضیلت رکھتی ہے، بلکہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پہلی خاتون جہنمی ہے، اور دوسری خاتون جنتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ زبان سے دوسروں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔[(۱)]

زیادہ فکر اس کی کریں

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ نفلی عبادات بیشک اعلیٰ درجے کی نعمت ہے، ضرور ان کو انجام دینا چاہئے، لیکن اس کے ساتھ زیادہ فکر اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی کرنی چاہئے۔ رمضان المبارک میں تو الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے روزے رکھے، تلاوت بھی خوب کی، تراویح بھی با جماعت ادا کی، تہجد بھی پڑھے، نوافل بھی پڑھیں، اعتکاف بھی کیا، لیکن ادھر رمضان رخصت ہوا، ادھر دوبارہ وہی پرانی زندگی شروع ہو گئی۔ اب نہ آنکھ کی حفاظت، نہ زبان کی حفاظت، نہ کان کی حفاظت، نہ حلال وحرام کی فکر، جس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان المبارک میں جو پونجی نیکیوں کی جمع کی تھی، وہ جا کر لٹا دی۔ لہٰذا فکر اس کی کرنی ہے کہ گناہوں سے بچ جائیں، اور گناہوں سے بچنے کا پکا عزم بھی کریں، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے گناہوں سے بچنے کی توفیق کی دعا بھی کریں کہ یا اللہ! مجھے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی دیدے۔

یہ بڑی خطرناک بات ہے

یہ جو میں نے عرض کیا کہ ہمارے دلوں میں نفلی عبادات کی تو اہمیت ہے، لیکن گناہوں سے بچنے کی اہمیت اور فکر نہیں، یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں، شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ اس لئے کہ بعض گناہ تو ایسے ہیں، جن کو ہم گناہ سمجھتے ہیں، اور گناہ سمجھنے کی وجہ سے ان سے نفرت بھی ہوتی ہے، ان سے اپنے آپ کو بچانے کی کچھ فکر بھی ہو جاتی ہے، الحمدللہ، لیکن کتنے گناہ ایسے ہیں جن کو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا، یہ بڑی خطرناک بات ہے، کیونکہ انسان بیماری کو بیماری سمجھے گا تو اس کا

(۱) مسند أحمد بن حنبل، رقم: ۹۲۹۸

علاج بھی کرے گا۔ خاص طور پر شریعت کے یہ تین شعبے، یعنی معاملات، معاشرت اور اخلاقیات ایسے ہیں، جن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہماری ساری کوششیں اکارت ہو رہی ہیں۔ معاملات میں حلال و حرام کی فکر، معاشرت میں حلال وحرام کی فکر، اخلاقیات میں حلال وحرام کی فکر ختم جا رہی ہے، اور ان کو ہم نے دین سے خارج کر دیا ہے۔ زبان کی حفاظت، آنکھ کی حفاظت، کان کی حفاظت کی طرف دھیان نہیں۔

بدگمانی کو چھوڑو

چند موٹے موٹے گناہوں کے بارے میں تو ذہن میں یہ ہے کہ یہ گناہ ہیں، بس ان سے بچ جاؤ، الحمدللہ، ان سے بچے ہوئے ہیں، مثلاً اللہ کا شکر ہے کہ شراب نہیں پیتے، اللہ کے فضل وکرم سے خنزیر نہیں کھاتے، اللہ کے فضل وکرم سے زنا میں مبتلا نہیں ہوتے۔ لیکن اور جو بے شمار گناہ ہیں، مثلاً غیبت کا گناہ ہے، اس سے ہم نہیں بچتے۔ دن رات ہماری مجلسیں غیبت سے بھری ہوئی ہیں۔ بدگمانی کا گناہ ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ بَعۡضَ ٱلظَّنِّ إِثۡمٞ﴾(۱)

لیکن ہم لوگ دوسرے آدمی کی طرف سے اپنے دل میں بدگمانی لیے بیٹھے ہیں، اور اس کو پکا رہے ہیں، لیکن ہم لوگ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ یہ بات ذہن میں لے کر بیٹھ گئے کہ فلاں شخص نے میرے خلاف یہ عمل کیا ہوگا، اور اب اس کو اپنے دماغ و دل میں پکا لیا۔ یہ ہمارا عمل "إِنَّ بَعۡضَ ٱلظَّنِّ إِثۡمٞ" میں داخل ہو گیا، لیکن یہ احساس نہیں کہ یہ گناہ ہے۔

افواہ پھیلانا گناہ ہے

ایک بے تحقیق بات سنی، اور اس کی تحقیق کیے بغیر کہ وہ بات درست ہے یا نہیں، اس کو آگے چلتا کر دیا، اور اس کو کسی اور کے سامنے بیان کر دیا، یا افواہ پھیلا دی۔ اس عمل کو کوئی شخص بھی گناہ نہیں سمجھتا، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))(۲)

یعنی یہ بات بھی جھوٹ میں داخل ہے کہ انسان نے جو کچھ اُلٹا، سیدھا، صحیح، غلط سنا، اور بلا تحقیق اس کو آگے بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہ گناہ ہے، مگر ہم اس کو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔

---

(۱) الحجرات: ۱۲، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

(۲) صحیح مسلم، المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، رقم: ٦، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في التشديد في الكذب، رقم: ٤٣٤٠

ملازمت کے اوقات پورے دے رہے ہو؟

لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم حلال کھا رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ سود نہیں کھا رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ جوا نہیں کھیل رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ شراب بیچ کر پیسے نہیں کما رہے ہیں۔ لیکن ذرا یہ تو دیکھو کہ اگر تم ملازم ہو تو کیا ملازمت کا جو وقت مقرر تھا وہ پورا وقت ملازمت کے کام میں لگایا یا نہیں؟ یا ڈنڈی مار گئے۔ اگر پورا وقت نہیں لگایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا وقت تم نے بیچا تھا، اور جس کے بدلے میں تمہیں تنخواہ مل رہی تھی، اس میں سے جتنا وقت تم نے ملازمت کے کام میں نہیں لگایا، اس کے بدلے میں جو تنخواہ تم نے وصول کی، وہ تنخواہ حرام ہوگئی، اور جب تنخواہ حرام ہوگئی تو اب ان پیسوں سے جو کھانا خریدا وہ کھانا حرام ہوگیا، اور جو افطاری کا سامان خریدا وہ حرام۔ لہٰذا یہ بھی حرام خوری میں داخل ہے۔

جاپانی کہہ کر مال فروخت کرنا

اگر کوئی شخص تاجر ہے، اور اس نے اس تجارت میں کسی قسم کا دانستہ یا نادانستہ دھوکہ کیا ہے، مثلاً پاکستان میں بنا ہوا مال تھا، اس کو جاپانی کہہ کر بیچ دیا تو حرام کیا، اور اس کے نتیجے میں جو پیسے حاصل ہوئے وہ حرام ہوئے، اور ان پیسوں سے جو کھانا خریدا وہ حرام، اب پیٹ میں حرام لقمہ جا رہا ہے، حلال کا لقمہ نہیں جا رہا ہے۔

سٹہ کھیلنا حرام ہے

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے جو بڑے عبادت گزار اور تہجد گزار تھے، ان کی تہجد میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، اور ذکر واذکار اور تسبیحات کے پابند تھے۔ تاجر آدمی تھے، ان کی دکان بھی تھی، معلوم ہوا کہ وہ رات کو گھنٹوں تہجد بھی پڑھتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں، تسبیحات بھی پڑھتے ہیں، اور دن میں جا کر "سٹہ" بھی کھیلتے ہیں، اور وظیفے اس مقصد کے لئے پڑھتے ہیں تا کہ سٹے کا نمبر معلوم ہو جائے۔ یہ تو بالکل واضح گناہ ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ گناہ ہے۔

جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوانا

لیکن میں ان چیزوں کی طرف توجہ دلا رہا ہوں جن کے بارے میں یہ احساس بھی نہیں کہ میں یہ کوئی گناہ کا کام کر رہا ہوں۔ مثلاً جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوا لینا آج عام ہو چکا ہے۔ چھٹی لینی ہے، اور ویسے

نہیں مل سکتی، تو کسی ڈاکٹر سے جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوالیا، اور اس کی بنیاد پر چھٹی حاصل کرلی۔ اس کے نتیجے میں خود بھی گناہ کیا، اور جس ڈاکٹر سے سرٹیفکیٹ بنوایا، اس کو بھی گناہ میں مبتلا کیا، کیونکہ اس ڈاکٹر نے جھوٹ بولا، اور رشوت بھی لی، اس لئے کہ للہ فی اللہ تو اس نے یہ کام کیا نہیں ہوگا، اس طرح اس ڈاکٹر نے رشوت لینے کا گناہ بھی کمایا، اور جھوٹ بولنے کا گناہ بھی کمایا، اور یہ صاحب اس گناہ کا سبب بنے۔ یہ سب گناہ تو ہوئے، اس کے علاوہ یہ کہ مہینے کے آخر میں جو تنخواہ ملی، اس تنخواہ میں سے اتنا حصہ حرام کا شامل ہوگیا۔

عبادت نام ہے بندگی کا

اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ))

یعنی عبادت گزاری یہ نہیں کہ آدمی رات کو خوب نفلیں اور تہجد پڑھ رہا ہے، بلکہ عبادت گزاری یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے انسان اپنے آپ کو محفوظ کرلے، اصلی عبادت گزاری یہ ہے، اس لئے کہ عبادت کے معنی ہیں بندگی، اور بندگی کا پہلا جز اللہ کے حکم کی اطاعت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں تو وہ بندگی کیا ہوئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ تو کرلیا، لیکن ساتھ میں یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کا حکم نہیں مانوں گا، میں وہی کروں گا جو میری مرضی میں آئے گا، یہ کیا بندگی ہوئی؟ لہٰذا اطاعت بندگی کا جزءِ اعظم ہے۔ اس لئے یہ فکر ہونی چاہئے کہ ہم کوئی کام اللہ جل شانہ کے حکم کے خلاف اور نافرمانی میں نہ کریں۔

زبان کی حفاظت کرو

خاص طور پر جو عرض کرنا ہے، اور جس میں عام ابتلاء رہتا ہے، ان میں سے ایک تو زبان کے گناہ ہیں، ایک آنکھ کے گناہ، ان دونوں گناہوں میں اچھے اچھے لوگ مبتلا ہیں۔ جو لوگ بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں، متقی و پرہیزگار نظر آتے ہیں، وہ بھی اگر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ وہ بھی زبان کے گناہ اور آنکھ کے گناہ میں مبتلا ہیں۔ لہٰذا یہ فکر ہونی چاہئے کہ ہماری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکلے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہو۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات انسان اپنی زبان سے کوئی کلمہ بے پرواہی میں ایسا نکال دیتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں پہنچادیتے ہیں۔ (۱)

(۱) کنز العمال، رقم: ۷۸۵۶ (۳/۵۵۱)، روضة المحدثین، رقم: ۳۴۸۱ (۸/۳۱۰)

مثلاً اس نے کسی وقت کسی جذبے کے ساتھ اللہ جل شانہ کی حمدوثنا کرتے ہوئے ''الحمدللہ'' کہہ دیا، یا ''سبحان اللہ'' کہہ دیا، یا کوئی اور ذکر کرلیا، ایسے اخلاص اور جذبے کے ساتھ کیا کہ میرے مولیٰ نے اس کو قبول فرمالیا، اور اسی پر بیڑا پار کردیا۔ یا زبان سے کوئی ایسا کلمہ کہا جس سے ٹوٹے دل کا علاج ہوگیا، اور اس کے دل کو تسلی ہوگئی، اب بظاہر تو تم نے اہتمام کرکے وہ کلمہ نہیں کہا تھا، لیکن چونکہ اس کے ذریعے ٹوٹے دل کی تسلی ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا، اس کی بدولت تمہارا بیڑہ پار کردیا، اور جنت میں پہنچادیا۔

زبان سے نکلنے والا ایک کلمہ

پھر آپ نے فرمایا کہ بعض اوقات انسان اپنی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے جس کو وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا، لیکن اس ایک کلمہ کی بدولت وہ جہنم کا مستحق ہوجاتا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ کلمہ اس کو جہنم میں اتنی گہرائی میں پھینک دیتا ہے کہ جو ستر سال کی مسافت پر ہوتی ہے۔ مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کردی، کسی کا دل توڑ دیا، کسی کو برا بھلا کہہ دیا، جس کے نتیجے میں اس کلمے نے اس کو ستر سال کی مسافت کی گہرائی میں پہنچادیا۔ جب ایک کلمہ اس حد تک گہرائی میں پہنچادیتا ہے تو یہ زبان جو ہر وقت صبح سے لے کر شام تک بے مہابہ قینچی کی طرح چل رہی ہے، معلوم نہیں کہ جہنم کی کتنی گہرائی میں ہمیں ڈال دے۔

مجالس میں غیبت اور تنقید

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کو اوندھے منہ جہنم میں گرانے والی کوئی چیز ''زبان'' سے زیادہ خطرناک نہیں۔ (۱)

لیکن کیا ہمیں اس کی کچھ فکر ہے کہ اس زبان کو روکیں، اور اس کو قابو کرلیں، اور اس کو صرف اللہ جل شانہ کی مرضیات میں استعمال کریں، اور اللہ جل شانہ کی معصیتوں اور گناہوں میں اس کو استعمال نہ کریں۔ اگر مجلس میں بیٹھے ہیں تو غیبت ہورہی ہے، لیکن ہمیں کوئی پرواہ نہیں، اگر کسی سے گفتگو ہورہی ہے تو بعض لوگوں کو گفتگو کے دوران دوسروں پر تنقید کا بڑا شوق ہوتا ہے، اور اس تنقید کے نتیجے میں دوسروں کو ڈنگ مارتے ہیں، دوسروں کا دل توڑتے ہیں، لیکن اس شخص کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب الإیمان عن رسول اللّٰہ، باب ما جاء فی حرمۃ الصلاۃ، رقم: ۲۵۴۱، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ، رقم: ۳۹۶۳، مسند أحمد، رقم: ۲۱۰۰۸

پہلے تولو پھر بولو

ارے بھائی! جھوٹ ہو، غیبت ہو، بے تحقیق باتیں ہوں، ان سب سے بچو، خلاصہ یہ کہ زبان کو سوچ کر استعمال کرو۔ وہ جو بزرگوں نے فرمایا کہ ''پہلے تولو پھر بولو''، یہ نہ ہو زبان بے محابہ چل رہی ہے، اور اس کی پرواہ نہیں ہے کہ میری زبان سے کیا نکل رہا ہے، اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس لئے سوچ کر بولو، اور جب کسی سے بات کرو تو ڈرتے ہوئے بات کرو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری زبان سے اس کو تکلیف پہنچ جائے، اور آخرت میں اللہ جل شانہ کے پاس مجھے اس کا جواب دینا پڑے، اس کی فکر کرو۔ لہٰذا اپنی زبان کو، اپنی آنکھ کو، اپنے کانوں کو گناہوں سے بچاؤ، کیونکہ جس طرح غیبت کرنا ناجائز ہے، اسی طرح غیبت سننا بھی ناجائز ہے، اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ))

حرام کاموں سے بچو تو تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔

حقیقی مجاہد کون؟

نفلیں پڑھنا تو سب کو نظر آتا ہے، اور دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ بڑا عابد و زاہد آدمی ہے، لیکن گناہوں سے بچنا اور بچنے کی فکر کرنا ایسی چیز ہے، جو دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتی، مثلاً دل میں گناہ کا تقاضا ہوا، اور آدمی نے اس تقاضے کو دبا دیا، اور اس تقاضے پر عمل نہیں کیا، یہ اتنا بڑا جہاد ہے جس کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ))(۱)

اتنا بڑا جہاد کرلیا، اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا، اس میں کوئی شہرت بھی نہیں ہوتی، نہ اس میں ریاکاری کا احتمال ہے، بلکہ اپنے کو بچا کے رکھنے کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اور آپ سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔

رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥﴾(۲)

''اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''

(۱) سنن الترمذی، كتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطًا، رقم: ۱٥٤٦، مسند أحمد، رقم: ۲۲۸۳۳

(۲) البقرة: ۱۸۳

اس آیت میں روزے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، اور گناہوں سے بچنے کی فکر کا نام ''تقویٰ'' ہے، لہٰذا اس ماہِ رمضان میں یہ فکر پیدا کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان روزوں اور تراویح کی برکت سے یہ فکر ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے، اور جب رمضان المبارک ختم ہو تو اس کے بعد بھی ہم اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے والے بن جائیں، اور یہ فکر پیدا ہو جائے کہ یہ گناہ کتنی مہلک چیز ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ اگر آنکھ کی حفاظت، زبان کی حفاظت، کانوں کی حفاظت، دل کی حفاظت کرلیں تو پھر دیکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیسے انوار و برکات نازل ہوتے ہیں۔

آنکھ، کان، زبان بند کرلو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی نورِ حق، بر من بخند

مولانا فرماتے ہیں کہ اپنی آنکھ بند کرو، بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اہتمام کرو کہ یہ آنکھ ناجائز جگہ پر نہ دیکھے، کانوں کو بند کرو، کانوں کو بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی فکر کرو کہ یہ کان گناہ کی کوئی بات نہ سنے، جیسے گانا سننا، غیبت، جھوٹ نہ سنے، اور ہونٹوں کو بند کرو کہ کوئی غلط بات منہ سے نہ نکلے۔ یہ تین کام کرلو، یہ تین کام کرنے کے بعد اگر اللہ کا نور نظر نہ آئے تو مجھ پر ہنس دینا۔ یہ بات وہ شخص کہہ رہا ہے جس کی ساری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں گزری۔ نورِ حق اس وقت نظر آتا ہے جب آدمی اپنے آپ کو ان گناہوں سے محفوظ کرلیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس حدیث کے اس ارشاد پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آج اس حدیث کے ایک جملے کا بیان ہوگیا، باقی کا بیان انشاء اللہ کل کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

گناہوں کے نقصانات ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

اَمَّا بَعْدُ!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ: قَلِيْلُ الْعَمَلِ قَلِيْلُ الذُّنُوْبِ اَعْجَبُ اِلَيْكَ اَوْ رَجُلٌ كَثِيْرُ الْعَمَلِ كَثِيْرُ الذُّنُوْبِ قَالَ لَا اَعْدِلُ بِالسَّلَامَةِ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس لئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور یہ حضرت عبداللہ بن عباس ان کے بیٹے تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ بہت کم عمر تھے۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر تقریباً دس سال کی تھی لیکن کم سنی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو علم کا بہت اونچا مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ))(۲)

''اے اللہ! ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرما اور دین میں ان کو سمجھ عطا فرما''

اگرچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، اب دس سال کی

☆ اصلاحی خطبات (۹/ ۱۷۹ تا ۲۰۳)، ۶ مئی ۱۹۹۴ء، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔ زیر نظر بیان امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کتاب الزھد" کے "باب ما جاء فی تخویف عواقب الذنوب" کا درس ہے۔

(۱) کتاب الزهد لابن المبارك، باب ما جاء في تخويف عواقب الذنوب، رقم: ٦٦ (١/ ٢٢)، الزهد لهناد، رقم: ٩٠٢ (٢/ ٤٥٤)، فتح الباری (١١/ ٢٥٧)، روضة المحدثين، رقم: ٢٦٠٥ (٦/ ٣٣٠)

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کو دو دعائیں دیں: (پہلی دعا یہ ہے) اللّٰهم علّمه الكتاب، صحيح البخاري، كتاب العلم، باب قول النبي اللّٰهم علمه الكتاب، رقم: ٧٣، مسند أحمد، رقم: ٣٢٠٦، (دوسری دعا یہ ہے) اللّٰهمّ فقهه في الدين، صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، رقم: ١٤٠٠، مسند أحمد، رقم: ٢٢٧٤

عمر ہی کیا ہوتی ہے، لیکن ایک طرف تو انہوں نے حضورِ اقدس ﷺ کے زمانے کی باتیں اپنے دل و دماغ پر نقش کی ہوئی تھیں۔ پھر حضورِ اقدس ﷺ کے وصال کے بعد انہوں نے سوچا کہ اب تو حضورِ اقدس ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، لیکن بڑے بڑے صحابہ کرام ابھی تشریف فرما ہیں، میں ان کی خدمت میں جا کر نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور آپ کی احادیث حاصل کروں۔ چنانچہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس جاتے اور ان کے پاس جانے کے لئے سفر کرتے اور مشقتیں اُٹھاتے، اور اس طرح انہوں نے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا اور اس مقام پر پہنچے کہ آج انہیں ''امام المفسرین'' کہا جاتا ہے۔ یعنی تمام مفسرین کے امام۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو دعا دی تھی کہ اے اللہ! ان کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔ آج تفسیرِ قرآن کے باب میں ان سے زیادہ قابلِ اعتماد بات کسی کی نہیں۔ یہ انہی کا قول ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھا۔

پسندیدہ شخص کون ہے؟

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمارہے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ یہ بتائیے کہ ایک شخص عمل تو کم کرتا ہے یعنی نفلی عبادات اور نفل نماز بہت زیادہ نہیں پڑھتا، زیادہ تر فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہے، نفلی عبادات، ذکر و اذکار، وظائف اور تسبیحات زیادہ نہیں کرتا، لیکن اس کے گناہ بھی کم ہیں، ایسا شخص آپ کو زیادہ پسند ہوگا یا آپ کو وہ شخص زیادہ پسند ہوگا جس کی نفلی عبادتیں بھی زیادہ ہیں اور گناہ بھی زیادہ ہیں؟ مثلاً تہجد کی نماز بھی پڑھتا ہے، اشراق کی نماز بھی پڑھتا ہے، اوابین بھی پڑھتا ہے، تلاوت بھی خوب کرتا ہے، وظائف اور تسبیحات بھی خوب کرتا ہے، لیکن ساتھ میں گناہ بھی بہت کرتا ہے۔ آپ کے نزدیک ان دونوں میں سے کون بہتر ہے؟ پہلے شخص کا عمل کم مگر گناہ بھی کم، دوسرے شخص کے اعمال زیادہ مگر گناہ بھی زیادہ۔ جواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ گناہوں سے حفاظت کے برابر میں کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔ یعنی آدمی گناہوں سے محفوظ ہو جائے، یہ اتنی بڑی نعمت اور اتنا بڑا فائدہ ہے کہ دنیا کا کوئی عمل اس کے برابر نہیں۔ اگر ایک شخص گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے تو نفلی عبادات اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

اصل چیز گناہوں سے پرہیز ہے

اس حدیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ جتنی نفلی عبادات ہیں، یہ اپنی جگہ پر بڑی فضیلت کی چیزیں ہیں، لیکن ان نفلی عبادات کے بھروسے پر اگر انسان یہ سوچے کہ میں تو نفلی عبادتیں بہت کرتا ہوں اور پھر اس کے نتیجے میں گناہوں سے پرہیز نہ کرے تو یہ بڑے دھوکے کی بات ہے۔ اصل چیز یہ ہے

کہ انسان اپنی زندگی کے اندر گناہوں سے پرہیز کرنے کی فکر کرے، گناہوں سے پرہیز کرنے کے بعد بالفرض اگر اس کو زیادہ نفلی عبادات کرنے کا موقع نہیں ملا تو اس صورت میں اس کا کوئی گھاٹا اور نقصان نہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں انشاء اللہ وہ نجات پا جائے گا، لیکن اگر نفلی عبادتیں تو خوب کرتا ہے اور ساتھ میں گناہ بھی بہت کرتا ہے تو اس کی نجات کی کوئی ضمانت نہیں، کیونکہ یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔

گناہ چھوڑنے کی فکر نہیں

آج کل ہمارے معاشرے میں یہ دھیان بہت کم ہو گیا ہے۔ جب کسی کے دل میں دین پر چلنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق ہوتی ہے تو اس کو یہ فکر ہوتی ہے کہ مجھے کچھ وظائف بتا دیئے جائیں، کچھ معمولات سکھا دیئے جائیں، اوراوراد و اذکار تلقین کر دیئے جائیں اور یہ بتایا جائے کہ نفلی عبادت کیسے کروں اور کس وقت کروں۔ بس چند ظاہری معمولات کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور پھر ان معمولات کو پورا کرنے میں دن رات لگا رہتا ہے، لیکن اس کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ میری صبح سے شام تک کی زندگی میں کتنے کام گناہ کے ہو رہے ہیں؟ اور کتنے کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہو رہے ہیں؟ اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار لوگوں کو دیکھا کہ وہ صفِ اول کے پابند ہیں، مسجد میں پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، وظائف و اوراد کے پابند ہیں، نفلی عبادتیں اور تہجد اور اشراق کی نمازیں بھی بڑی پابندی سے پڑھتے ہیں، لیکن ان کو اس کی فکر نہیں کہ گھر کے اندر جو گناہوں کا بازار گرم ہے، اس کو کس طرح ٹھیک کیا جائے؟ اور جب بازار جاتے ہیں تو وہاں پر حلال و حرام کی فکر نہیں ہوتی، جب گفتگو کرتے ہیں تو غیبت اور جھوٹ کی فکر نہیں کرتے۔ اگر ان کے گھر میں ناجائز اور حرام چیزیں موجود ہیں تو ان کو باہر نکالنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ گھر میں فلمیں دیکھی جا رہی ہیں۔ ناجائز پروگرام دیکھے جا رہے ہیں۔ گانا بجانا ہو رہا ہے۔ اس کی طرف کوئی دھیان نہیں۔ البتہ وظائف کی طرف دھیان ہے کہ کوئی وظیفہ بتا دو۔ حالانکہ یہ گناہ انسان کے لئے مہلک ہیں، ان سے بچنے کی فکر پہلے کرنی چاہئے۔

نفلی عبادات اور گناہوں کی بہترین مثال

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ یہ جتنی نفلی عبادتیں ہیں، چاہے وہ نفلی نماز ہو، تلاوت ہو، یاذکر و تسبیح ہو، یہ سب ٹانک ہیں، اس سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص جسم کی طاقت کے لئے کوئی ٹانک استعمال کرے۔ اور یہ گناہ زہر ہیں۔ اب اگر ایک شخص ٹانک بھی خوب کھائے اور زہر بھی خوب کھائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ٹانک اس کے اوپر اثر نہیں کرے گا، البتہ زہر اثر کر جائے گا اور اس شخص

کی تباہی کا ذریعہ بن جائے گا۔ اور ایک شخص وہ ہے جو کوئی ٹانک اور طاقت کی دوا تو استعمال نہیں کرتا، صرف دال روٹی پر اکتفا کرتا ہے، لیکن جو چیزیں صحت کے لئے مضر ہیں، ان سے پرہیز کرتا ہے، تو یہ آدمی صحت مندر رہے گا، باوجود یہ کہ یہ ٹانک نہیں کھاتا۔ پہلا شخص جو ٹانک بھی کھاتا ہے اور ساتھ میں مضر صحت چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا، یہ لازماً بیمار پڑ جائے گا اور ایک دن ہلاک ہو جائے گا۔ نفلی عبادات اور گناہوں کی بالکل یہ مثال ہے۔ لہٰذا یہ فکر ہونی چاہئے کہ ہماری صبح سے لے کر شام تک کی زندگی سے گناہ نکل جائیں، منکرات اور معصیتیں نکل جائیں۔ جب تک یہ چیزیں نہیں نکلیں گی، اس وقت تک یہ نفلی عبادات ہمارے حق میں مفید نہیں ہو سکتیں۔

طالبینِ اصلاح کے لئے پہلا کام

آج تو معمول یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شیخ کے پاس اصلاحی تعلق قائم کرنے جاتا ہے تو وہ شیخ اس کو اسی وقت یہ بتا دیتا ہے کہ تم یہ معمولات انجام دیا کرو، اتنا ذکر کیا کرو، اتنی تسبیحات پڑھا کرو۔ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا معمول یہ تھا کہ جب ان کے پاس کوئی شخص اپنی اصلاح کی غرض سے آتا تو اس کو ذکر و اذکار اور تسبیحات وغیرہ کچھ نہ بتاتے۔ بلکہ سب سے پہلے اس سے یہ فرماتے کہ گناہوں کو چھوڑو۔ چنانچہ اس راہ میں سب سے پہلا کام تکمیلِ توبہ کا ہے۔ یعنی سب سے پہلے انسان اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے کہ یا اللہ! جو گناہ مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں، اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما دیجئے اور آئندہ کے لئے عزم کرتا ہوں کہ میں آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔ پھر آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے۔ پھر یہ نہیں کہ بس صرف چند مشہور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرلیا، بلکہ ہر گناہ گناہ ہے، ہر ایک گناہ سے بچنے کا اہتمام کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾

''یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑو اور باطن کے گناہ بھی چھوڑو''

آگے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ﴾(۱)

''یعنی جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، قیامت کے روز ان کے ان اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ لوگ یہاں پر کیا کرتے تھے''

---

(۱) الانعام: ۱۲۰

ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو

لہٰذا کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کی طرف سے بے توجہی برتی جائے، نہ ظاہر کا گناہ اور نہ باطن کا گناہ۔ یہ نہ ہو کہ چند موٹے موٹے گناہ تو چھوڑ دیئے، اور باقی گناہوں کے چھوڑنے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ مثلاً مجلسوں میں غیبت ہو رہی ہے، دل آزاری ہو رہی ہے، دوسروں کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے، یا دوسروں سے حسد اور بغض ہو رہا ہے، یا دل میں تکبر بھرا ہوا ہے، مال کی محبت، جاہ کی محبت، دنیا کی محبت دل میں بھری ہوئی ہے۔ پھر تو گناہ چھوڑنا نہ ہوا۔ ہر وہ کام جس کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے گناہ قرار دیا ہے، ان کو چھوڑنا ہوگا، اس کی فکر انسان کو ہونی چاہئے۔

بیوی بچوں کو گناہ سے بچاؤ

ایک بات اور عرض کر دوں کہ یہ گناہ اس وقت تک چھوٹ نہیں سکتے جب تک انسان اپنے ماحول کی درستی کی فکر نہ کرے۔ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں گناہوں سے محفوظ ہو جاؤں اور بیوی بچے غلط راستے پر جارہے ہیں، ان کی طرف کوئی دھیان اور توجہ نہ کرے۔ یاد رکھئے! اس طرز عمل سے کبھی بھی گناہ نہیں چھوٹ سکتے۔ اگر تم گناہ سے بچنے کی کتنی بھی کوشش کرلو لیکن اگر گھر کا ماحول خراب ہے اور بیوی بچے غلط راستے پر جارہے ہیں، اور تمہیں ان کی فکر نہیں تو وہ بیوی بچے ایک نہ ایک دن تمہیں ضرور گناہ کے اندر مبتلا کر دیں گے۔ اس لئے انسان کے لئے خود گناہوں سے بچنا جتنا ضروری ہے، اتنا ہی بیوی بچوں کو بھی بچانا ضروری ہے۔ اور ہر وقت دھیان اور فکر ہونی چاہئے کہ بیوی بچے کسی وقت گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں۔

خواتین کے کردار کی اہمیت

اس معاملے میں خواتین کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر خواتین کے دل میں یہ فکر پیدا ہو جائے کہ ہمیں اپنی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق گزارنی ہے اور گناہوں سے بچنا ہے تو پھر گھروں کا ماحول درست ہو جائے۔ اس لئے کہ عورت گھر کی بنیاد ہوتی ہے۔ اگر عورت کے دل میں اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہو جائے تو پورا گھر سنور جائے۔ لیکن اگر عورت کا یہ حال ہو کہ اس کو پردے کی کوئی فکر نہیں ہے، سر کھلا ہوا ہے، بال کھلے ہوئے ہیں، فواحش کے اندر ذہن لگا ہوا ہے، اور فضولیات میں منہمک ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر کا ماحول خراب ہوگا۔ اس لئے خواتین پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ گناہوں کے

کاموں کو چھوڑ دیں۔

نافرمانی اور گناہ کیا چیز ہیں؟

یہ گناہ کیا چیز ہیں؟ اور گناہوں کے عواقب اور انجام کیا ہوتے ہیں؟ پہلے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ گناہ کے معنی ہیں "نافرمانی"، مثلاً تمہارے ایک بڑے نے تمہیں حکم دیا کہ یہ کام اس طرح کرو اور تم کہو کہ میں یہ کام نہیں کرتا۔ یا بڑے نے کہا کہ اس بات سے اور اس کام سے بچو اور تم کہو کہ میں یہ کام ضرور کروں گا۔ یہ بڑے کی بات نہ ماننا "نافرمانی" کہلاتا ہے۔ اگر یہ "نافرمانی" اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے ساتھ کی جائے تو اسی کا نام "گناہ" ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے اثرات اتنے دوررس اور اتنے خراب اور برے ہیں کہ ان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

گناہ کی پہلی خرابی "احسان فراموشی"

گناہ کی سب سے پہلی خرابی "احسان فراموشی" ہے، اس لئے کہ جس محسن نے انسان کو وجود بخشا ہے اور ہر وقت انسان اس کی نعمتوں میں غرق ہے، سر سے لے کر پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کے اوپر مبذول ہیں۔ جس کے ایک ایک عضو کو لے کر اندازہ کرو کہ اس کی کتنی قیمت اور کتنی اہمیت ہے۔ چونکہ یہ نعمتیں مفت ملی ہوئی ہیں اس لئے دل میں ان کی کوئی وقعت اور قدر نہیں۔ خدانخواستہ اگر کسی وقت ان اعضاء میں سے کسی ایک عضو کو بھی نقصان پہنچ جائے، تب پتہ چلے گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ نقصان کتنا بڑا نقصان ہے۔ یہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ کان کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ صحت کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ رزق جو صبح شام کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ عطا فرما رہے ہیں یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ تو جس عظیم محسن اور منعم کی نعمتوں نے ہمیں ڈھانپ لیا ہے، اس کا صرف یہ کہنا ہے کہ تم لوگ صرف چند باتوں سے پرہیز کر لو اور باز آجاؤ۔ لیکن تم سے اتنا چھوٹا سا کام نہیں ہوتا۔ لہٰذا "گناہ" کی سب سے پہلی خرابی احسان فراموشی، ناشکری اور محسن کا حق ادا نہ کرنا ہے۔

گناہ کی دوسری خرابی "دل پر زنگ لگنا"

"گناہ" کی دوسری خرابی یہ ہے کہ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ اس نقطے کی حقیقت کیا ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اور جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگا دیا جاتا ہے، جب تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگا دیا جاتا ہے، اگر اس دوران وہ توبہ کر لے تو یہ نقطے مٹا دیئے جاتے

ہیں۔ لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے بلکہ مسلسل گناہ کرتا رہے اور گناہ کرتا ہی چلا جائے تو آہستہ آہستہ وہ سیاہ نقطے اس کے پورے دل کو گھیر لیتے ہیں اور پھر وہ نقطے زنگ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور دل کو زنگ لگ جاتا ہے، اور جب دل کو زنگ لگ جاتا ہے تو اس کے بعد اس کے اندر حق بات ماننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی، پھر اس پر غفلت کا وہ عالم طاری ہوتا ہے کہ پھر گناہ کے گناہ ہونے کا احساس مٹ جاتا ہے اور گناہوں کے مفاسد کا ادراک اور احساس ختم ہو جاتا ہے، گویا کہ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔(۱)

گناہ کے تصور میں مؤمن اور فاسق کا فرق

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ مؤمن جو اب تک گناہ کا عادی نہیں ہے وہ گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے پہاڑ اس کے سر پر ٹوٹنے والا ہے، اور فاسق و فاجر گناہ کو اتنا ہلکا اور معمولی سمجھتا ہے جیسے کوئی مکھی ناک پر آ کر بیٹھ گئی اور اس نے ہاتھ مار کر اس کو اڑا دیا۔ یعنی وہ گناہ کو بہت معمولی سمجھتا ہے اور اس کے کرنے کے بعد اس پر اس کو کوئی ندامت اور شرمندگی نہیں ہوتی۔ لیکن ایک مؤمن جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی برکات عطا فرمائی ہیں وہ گناہ کو ایک پہاڑ تصور کرتا ہے۔ اگر غلطی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے سر پر ایک پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ غم اور صدمہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نیکی چھوٹنے پر مؤمن کا حال

گناہ تو دور کی بات ہے اگر ایک مؤمن کو نیکی کرنے کا موقع ملے مگر وہ موقع ہاتھ سے نکل جائے تو اس کی وجہ سے بھی اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے کہ ہائے مجھے نیکی کرنے کا یہ موقع ملا تھا مگر افسوس کہ مجھ سے یہ موقع چھوٹ گیا۔ اسی کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بر دل سالک ہزاروں غم بود
گر زباغ دل خلالے کم بود

اگر سالک کے دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے یعنی نیکی کرنے کے مواقع ملے تھے مگر ان میں سے کسی وقت ایک نیکی نہ کر سکا تو اس وقت سالک کے دل پر غم کے ہزارہا پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں کہ افسوس مجھ سے یہ نیکی چھوٹ گئی۔ جب نیکی چھوٹنے پر اتنا صدمہ ہوتا ہے تو گناہ سرزد

(۱) شعب الإيمان، رقم: ۷۲۰۷ (۴۴۱/۵)، الدر المنثور (۴۴۶/۸)، الزهد لأبي داؤد، رقم: ۲۷۱ (۲۹۲/۱)

ہو جانے پر کیا صدمہ نہیں ہوگا؟ بلکہ اس سے کہیں زیادہ صدمہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے بچائے کہ جب گناہوں کی وجہ سے دل پر نقطے لگتے چلے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ کو اتنا معمولی سمجھتا ہے جیسے مکھی ناک پر آکر بیٹھی اور اس کو اُڑا دیا اور اس گناہ پر کوئی صدمہ اور غم ہی نہیں ہوتا۔ بہرحال گناہوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ وہ انسان کو غافل بنا دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ دل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

گناہ کی تیسری خرابی ''ظلمت اور تاریکی''

چونکہ ہم لوگ گناہ کے ماحول کے عادی ہو چکے ہیں، اس وجہ سے ان گناہوں کی ظلمت اور کراہیت دلوں سے مٹ چکی ہے، ورنہ ہر گناہ میں ایسی ظلمت اور ایسی کراہیت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ صحیح ایمان کامل عطا فرمائے تو انسان اس ظلمت اور کراہیت کو برداشت نہ کر سکے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ غلطی سے کسی موقع پر حرام آمدنی کا ایک لقمہ منہ میں چلا گیا، جس کی وجہ یہ پیش آئی کہ ایک صاحب نے دعوت کی، ان کے یہاں کھانے کے لئے چلے گئے، بعد میں پتہ چلا کہ اس کی آمدنی حرام کی تھی، فرماتے تھے کہ دو مہینے تک اس حرام لقمے کی ظلمت اپنے دل میں محسوس کرتا رہا، اور اس ظلمت کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دو مہینے کے عرصے میں بار بار دل میں گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے رہے۔ کبھی تقاضا ہوتا کہ فلاں گناہ کرلوں، کبھی تقاضا ہوتا کہ فلاں گناہ کرلوں، یہ سب ایک گناہ کا اثر تھا اور اس کی ظلمت تھی۔

گناہوں کے عادی ہو جانے کی مثال

ہمارے دلوں میں ان گناہوں کی ظلمت اور کراہیت اس لئے محسوس نہیں ہوتی کہ ہم ان گناہوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے ایک بدبودار گھر ہو اور اس گھر میں تعفن اُٹھ رہا ہو، سڑی ہوئی اشیاء اس گھر میں پڑی ہوئی ہوں۔ اگر باہر سے کوئی شخص اس گھر کے اندر جائے گا تو اس کے لئے اندر جا کر ذرا دیر بھی کھڑا ہونا مشکل ہوگا۔ لیکن ایک شخص اسی بدبودار مکان کے اندر ہی رہتا ہے تو اس کو بدبو کا احساس نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ بدبو کا عادی ہو چکا ہے اور اس کے اندر خوشبو اور بدبو کی تمیز ہی نہیں رہی، اس لئے اب وہ بہت آرام سے اس مکان میں رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ تم اتنے گندے اور بدبودار مکان میں رہتے ہو تو وہ اس کو پاگل کہے گا اور کہے گا کہ میں تو بہت آرام سے اس مکان میں رہتا ہوں، مجھے تو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ شخص اس بدبو کا عادی ہو چکا ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس بدبو سے محفوظ رکھا ہے بلکہ خوشبو والے ماحول

میں رکھا ہے؟ اس کا تو یہ حال ہوگا کہ اگر دور سے ذرا سی بھی بدبو آجائے تو اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں اور جن کا سینہ تقویٰ کی وجہ سے آئینہ کی طرح صاف شفاف ہے، ایسے لوگ گناہوں کی ظلمت اور کراہیت کو بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ بہرحال، گناہوں کی تیسری بڑی خرابی اور انجام دل میں ظلمت اور کراہیت کا پیدا ہونا ہے۔

گناہوں کی چوتھی خرابی ''عقل خراب ہونا''

گناہوں کی چوتھی خرابی یہ ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو اس کی عقل خراب ہو جاتی ہے اور اس کی مت اُلٹی ہو جاتی ہے، اس کی فکر اور سمجھ غلط راستے پر پڑ جاتی ہے اور پھر اچھی بات کو برا اور بری بات کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ اگر اس کو صحیح بات بھی نرمی سے سمجھاؤ تو وہ اس کے دماغ میں نہیں اُترتی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کو بے وجہ گمراہ نہیں کرتے بلکہ جب کوئی شخص گناہ اور نافرمانی کرتا ہی چلا جاتا ہے تو پھر ان گناہوں کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ پھر صحیح بات اس کی سمجھ میں آتی ہی نہیں۔

گناہ نے شیطان کی عقل کو اوندھا کردیا

دیکھئے! یہ ابلیس اور شیطان جو گناہ کا سرچشمہ اور گناہ کا موجد اور بانی ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے اس دنیا میں گناہ کو اسی نے ایجاد کیا، خود بھی گناہ میں مبتلا ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی بہکا گیا، اور اس گناہ کرنے کے نتیجے میں اس کی عقل اوندھی ہوگئی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے حکم ماننے کے بجائے عقلی دلیل پیش کرنی شروع کردی کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ یہ دلیل بظاہر تو بڑی اچھی ہے کہ آگ افضل ہے، اور مٹی اس کے مقابلے میں مفضول ہے لیکن اس کی عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ آگ کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور مٹی کو بنانے والا بھی وہی ہے۔ جب بنانے والا یہ حکم دے رہا ہے کہ آگ کو چاہئے کہ مٹی کو سجدہ کرے، تو پھر آگ کی فضیلت کہاں گئی اور مٹی کی مفضولیت کہاں گئی؟ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راندۂ درگاہ ہوا اور مردود اور ذلیل ہوا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، انسان کے لئے بھی اور شیطان کے لئے بھی، اگر وہ عقل کو صحیح استعمال کرکے اللہ تعالیٰ سے کہہ دیتا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کردو، اب آپ جو کہیں گے وہ کروں گا۔ مگر یہ بات کہنے کے لئے آج بھی تیار نہیں۔

شیطان کی توبہ کا سبق آموز واقعہ

میں نے اپنے شیخ سے ایک قصہ سنا، اگر چہ بظاہر اسرائیلی واقعہ ہے لیکن بڑا سبق آموز واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جانے لگے تو راستے میں یہ شیطان مل گیا۔ اس نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں تو ہمارا ایک چھوٹا سا کام کردیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: کیا کام ہے؟ شیطان نے کہا کہ ہم تو اب راندۂ درگاہ اور مردود اور ملعون ہو چکے ہیں کہ اب تو ہماری نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے سفارش فرمادیں کہ ہمارے لئے بھی توبہ کا کوئی راستہ مل جائے اور نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے، وہاں پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی لیکن اس دوران شیطان کی بات پہنچانا بھول گئے۔ جب واپس چلنے لگے تو خود اللہ تعالیٰ نے یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں کسی نے کوئی پیغام دیا تھا؟ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یا اللہ! میں بھول گیا۔ راستے میں مجھے ابلیس ملا تھا اور بڑی پریشانی کا اظہار کررہا تھا، اور یہ التجا کررہا تھا کہ ہمارے لئے بھی نجات کا کوئی راستہ نکل آئے۔ اے اللہ! آپ تو رحیم و کریم ہیں، ہر ایک کو معاف فرمادیتے ہیں، وہ توبہ کررہا ہے تو اس کو بھی معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کب کہا کہ توبہ کا دروازہ بند ہے، ہم تو معاف کرنے کو تیار ہیں۔ اس کو کہہ دو کہ تیری توبہ قبول ہوجائے گی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرلے، اس وقت تو نے ہماری بات نہیں مانی، اب بھی معاملہ بہت آسان ہے کہ اس کی قبر پر جاکر سجدہ کرلے، ہم تمہیں معاف کردیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ معاملہ تو بہت آسان ہوگیا۔ چنانچہ یہ پیغام لے کر واپس تشریف لائے۔ راستے میں پھر شیطان سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا کہ میری معافی کا کیا ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تیرے معاملے میں تو اللہ تعالیٰ نے بڑا آسان راستہ بتادیا، اس وقت تجھ سے یہ غلطی ہوئی تھی کہ تو نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو آدم کی قبر کو سجدہ کرلے تو تیرا گناہ معاف ہوجائے گا۔ جواب میں شیطان نے فوراً کہا کہ واہ بھائی! میں نے زندہ کو سجدہ کیا نہیں، اب مردے کو کیسے سجدہ کرلوں؟ اور اس کی قبر کو کیسے سجدہ کرلوں؟ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ یہ جواب اس لئے دیا کہ عقل اُلٹی ہوگئی تھی۔ بہر حال، گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل کو اوندھا کردیتا ہے اور انسان کی مَت ماری جاتی ہے اور پھر صحیح بات انسان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

تمہیں حکمت پوچھنے کا اختیار نہیں

جن گناہوں کو قرآن وحدیث نے صراحۃً کھلے الفاظ میں حرام قرار دے دیا ہے، ان میں جو لوگ مبتلا ہیں ان سے جاکر اگر کہا جائے کہ یہ گناہ حرام ہیں، تو وہ فوراً اس کے خلاف عقلی تاویلیں کرنا شروع کردیتے ہیں اور اس کے خلاف عقلی دلائل دینا شروع کردیتے ہیں کہ یہ گناہ کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ اس میں تو فلاں فائدہ ہے، اس میں تو فلاں مصلحت ہے، اس کو حرام قرار دینے میں کیا مصلحت اور حکمت ہے؟ ایسے لوگوں سے کوئی یہ پوچھے کہ تم اس دنیا میں خدا بن کر آئے ہو یا بندے بن کر آئے ہو۔ اگر تم بندے بن کر آئے ہو تو تم اپنے اس اعتراض کو اپنے ملازم کے اعتراض پر ہی قیاس کرلو جس کو تم نے اپنے گھر میں ملازم رکھا ہے۔ مثلاً آپ نے گھر کا سودا سلف لانے کے لئے ایک شخص کو ملازم رکھا۔ اب آپ نے اس ملازم سے کہا کہ بازار جاکر اتنے روپے کی فلاں چیز خرید کر لے آؤ۔ اب ملازم یہ کہنے لگے کہ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ سودا سلف مجھ سے کیوں منگوایا جارہا ہے؟ اور اتنی مقدار میں کیوں منگوایا جارہا ہے؟ اور اس فضول خرچی کی کیا حکمت ہے؟ پہلے مجھے یہ بتاؤ۔ اگر ایک ملازم اس طرح ہمارے کاموں کی حکمت اور مصلحت پوچھے تو ایسا ملازم اس لائق ہے کہ اس کا کان پکڑ کر ملازمت سے الگ کردیا جائے اور گھر سے باہر نکال دیا جائے، اس لئے کہ اس ملازم کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ یہ پوچھے کہ یہ چیز کیوں منگوائی جارہی ہے؟ اس کو ملازم اس لئے رکھا ہے کہ جو کام اس کو بتادیا جائے وہ کام کرے۔ سمجھ میں آئے تو کرے، سمجھ میں نہ آئے تو کرے، یہ ہے ملازم۔ اور کاموں کی مصلحت اور حکمت پوچھنا ملازم کا منصب نہیں ہے۔

تم ملازم نہیں، بندے ہو

ایک ملازم جس کو تم نے آٹھ گھنٹے کے لئے ملازم رکھا ہے، وہ ملازم تمہارا غلام نہیں ہے، تم نے اس کو پیدا نہیں کیا، وہ تمہارا بندہ نہیں ہے اور تم اس کے خدا نہیں ہو۔ بلکہ صرف وہ تمہارا تنخواہ دار ملازم ہے، وہ اگر تم سے تمہارے کاموں کی حکمت اور مصلحت پوچھنے لگے تو وہ تمہیں گوارا نہ ہو۔ لیکن تم اللہ تعالیٰ کے ملازم نہیں ہو، نہ غلام ہو، بلکہ اللہ کے بندے ہو، اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ وہ اگر تم سے یہ کہتا ہے کہ تم فلاں کام کرو تو تم یہ کہتے ہو کہ پہلے ہمیں وجہ بتاؤ، حکمت اور مصلحت بتاؤ، پھر میں یہ کام کروں گا۔ تو یہ حکمت اور مصلحت کا مطالبہ اتنی ہی بڑی حماقت ہے جتنی بڑی حماقت وہ ملازم کررہا تھا، بلکہ اس سے بڑی اور بدتر حماقت ہے، کیونکہ وہ ملازم تو پھر بھی انسان ہے، اور تم بھی انسان ہو، وہ بھی عقل رکھتا ہے، تم بھی عقل رکھتے ہو، اس کی اور تمہاری عقل برابر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کہاں، اور

تمہاری یہ چھوٹی سی عقل کہاں؟ دونوں کے درمیان کوئی نسبت نہیں۔ پھر بھی تم حکمت اور مصلحت کا مطالبہ کر رہے ہو کہ اس حکمِ شرعی میں کیا مصلحت ہے؟ پہلے حکمت اور مصلحت بتاؤ، تب عمل کریں گے ورنہ نہیں کریں گے۔ وجہ اس مطالبے کی یہ ہے کہ عقل اندھی ہو چکی ہے اور گناہوں کی کثرت نے عقل کو اوندھا کر دیا ہے۔

محمود اور ایاز کا عبرت آموز واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک واقعہ سنایا تھا جو بڑی عبرت کا اور بڑا سبق آموز واقعہ ہے۔ فرمایا کہ محمود غزنوی جو مشہور فاتح اور بادشاہ گزرے ہیں، ان کا ایک چہیتا اور لاڈلا غلام تھا "ایاز"۔ چونکہ یہ "ایاز" بادشاہ کا چہیتا تھا، اس لئے اس کے بارے میں لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ بادشاہ کا منہ چڑھا غلام ہے، اور محمود غزنوی اس غلام کو دوسرے بڑے بڑے لوگوں پر ترجیح دیتا ہے۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ محمود غزنوی بڑے بڑے وزیروں اور امیروں کی بات اتنی نہیں مانتا تھا جتنی ایاز کی بات مانتا تھا۔

محمود غزنوی نے چاہا کہ ان وزراء اور اُمراء کو دکھاؤں کہ تم میں اور ایاز میں کیا فرق ہے؟ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بہت بڑا قیمتی ہیرا کہیں سے تحفے میں محمود غزنوی کے پاس آیا۔ یہ ہیرا بہت قیمتی اور بہت خوبصورت اور بہت شاندار تھا۔ بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا۔ سب نے اس قیمتی ہیرے کو دیکھا اور اس کی تعریف کی۔ اس کے بعد محمود غزنوی نے وزیر اعظم کو اپنے قریب بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ ہیرا دیکھا، یہ ہیرا کیسا ہے؟ وزیر اعظم نے کہا کہ سرکار! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے اور پوری دنیا میں اس کی نظیر موجود نہیں، یہ بہت بڑا ہیرا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اس ہیرے کو زمین پر پٹخ کر توڑ دو۔ وزیر اعظم ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: جہاں پناہ! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے، آپ کے پاس یہ یادگار تحفہ ہے، آپ اس کو تڑوا رہے ہیں؟ میری درخواست یہ ہے کہ آپ اس کو نہ تڑوائیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ پھر ایک دوسرے وزیر کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اس کو توڑ دو۔ وہ وزیر بھی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: بادشاہ سلامت! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے، میری ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ اس کو توڑوں۔ اسی طرح اس نے کئی وزراء اور اُمراء کو بلوایا اور اس ہیرے کو توڑنے کے لئے کہا، مگر ہر ایک نے معافی مانگی اور توڑنے سے معذرت کر لی۔

آخر میں محمود غزنوی نے ایاز کو بلایا کہ ایاز! اس نے کہا: جی جہاں پناہ۔ محمود غزنوی نے کہا کہ یہ ہیرا رکھا ہے، اس کو اُٹھا کر پٹخ کر توڑ دو۔ ایاز نے وہ ہیرا اُٹھایا اور زمین پر پٹخ کر توڑ دیا اور وہ چور چور ہو گیا۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ ایاز نے وہ ہیرا توڑ دیا تو بادشاہ نے اس کو ڈانٹا کہ تم نے ہیرا کیوں توڑا؟ یہ بڑے بڑے وزراء اور اُمراء صاحبانِ عقل جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے جب ہیرا

توڑنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس ہیرے کو توڑنے کی ہمت نہیں کی، کیا یہ سب پاگل تھے؟ تم نے اُٹھا کر توڑ دیا۔ کیوں توڑا؟ پہلے تو ایاز نے کہا کہ جہاں پناہ! غلطی ہوگئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم نے توڑا کیوں؟ ایاز نے کہا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ ہیرا ہے، چاہے اس کی قیمت کتنی زیادہ کیوں نہ ہو، یہ اگر ٹوٹ جائے تو اتنی بری بات نہیں، لیکن آپ کا حکم نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ اور آپ کے حکم کو ہیرے سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس ہیرے کے ٹوٹنے کے مقابلے میں حکم ٹوٹنا زیادہ بری بات ہے۔ اس لئے میں نے اس ہیرے کو توڑ دیا۔

اس کے بعد محمود غزنوی نے ان وزراء سے مخاطب ہوکر کہا کہ تم میں اور ایاز میں یہ فرق ہے۔ تمہیں اگر کسی کام کا حکم دیا جائے تو اس کے اندر حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرتے ہو۔ اور یہ ایاز تو حکم کا بندہ ہے۔ اس سے جو کہا جائے گا وہ یہ کرے گا۔ اس کے سامنے حکمت اور مصلحت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

بندہ وہ ہے جو حکم مانے

تو محمود غزنوی کے حکم کی کیا حقیقت ہے؟ اس کی عقل بھی محدود، اس کے وزراء اور ایاز کی عقل بھی محدود، یہ مقام تو درحقیقت اس ذات کو حاصل ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ چاہے ہیرا ٹوٹ جائے، چاہے دل ٹوٹ جائے، چاہے انسان کے جذبات ٹوٹ جائیں، چاہے خیالات اور خواہشات ٹوٹ جائیں، لیکن اس کا حکم نہ ٹوٹے، یہ مقام درحقیقت صرف اللہ جل شانہ کو حاصل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حکم میں حکمت اور مصلحت تلاش کرنا نادانی اور بے عقلی کی بات ہے، اور اس بے عقلی کا اصل سبب گناہ ہیں، جتنے گناہ کرو گے اتنی ہی یہ عقل اوندھی ہوتی چلی جائے گی۔ بہرحال گناہ کی نحوست یہ ہے کہ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔

گناہ چھوڑنے سے نور کا حصول

تم ذرا اللہ تعالیٰ کے حضور ان گناہوں سے کچھ دیر کے لئے ہی توبہ کر کے دیکھو، اور چند روز کے لئے گناہوں سے بچ کر دیکھو، کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا برکت اور کیا نور حاصل ہوتا ہے، اور پھر عقل کے اندر ایسی باتیں سمجھ میں آئیں گی جو پہلے سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾(۱)

اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے معاصی اور گناہوں سے بچو

(۱) الانفال: ۲۹

گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ایک کانٹا پیدا کر دیں گے، جو واضح طور پر تمہیں یہ بتادے گا کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ہے، یہ صحیح ہے، اور یہ غلط ہے۔ آج حق و باطل کے درمیان تمیز مٹ چکی ہے۔ اس لئے کہ ہم نے گناہ کر کر کے اپنی عقلیں خراب کر دی ہیں۔

گناہوں کا پانچواں نقصان ''بارش بند ہونا''

گناہوں کا پانچواں نقصان یہ ہے کہ ان کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی، لیکن اس دنیا میں بھی ان گناہوں کی نحوست اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب لوگ زکوٰۃ دینا بند کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارشیں بند کر دیتے ہیں۔

گناہوں کا چھٹا نقصان ''بیماریوں کا پیدا ہونا''

اور چھٹا نقصان یہ ہے کہ جب لوگوں میں بدکاری، فحاشی، عریانی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی ایسی بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ ان کے آباء واجداد نے ان بیماریوں کے بارے میں کبھی سنا بھی نہیں تھا کہ ایسی بھی کوئی بیماری ہوتی ہے اور نہ ان کا نام سنا تھا۔ چنانچہ اس حدیث کو سامنے رکھ کر ''ایڈز'' کی بیماری کو دیکھ لیں جس کا ساری دنیا میں آج طوفان برپا ہے۔ نبی کریم ﷺ چودہ سو سال پہلے بتا گئے کہ ایسی ایسی بیماریاں آئیں گی۔ ہر گناہ کے کچھ خاصے ہوتے ہیں اور ان خاصوں کا مظاہرہ اسی دنیا ہی کے اندر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ آنکھوں سے دکھا دیتے ہیں۔ اور ان گناہوں کی شامتِ اعمال طاری ہو جاتی ہے۔

گناہوں کا ساتواں نقصان ''قتل و غارت گری''

حدیث شریف میں ہے:

((يَأْتِي عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يَدْرِي الْقَاتِلُ فِيمَ قَتَلَ، وَلَا الْمَقْتُولُ فِيمَ قُتِلَ، فَقِيلَ: كَيْفَ يَكُونُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: اَلْهَرْجُ، اَلْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ))(۱)

''آخر زمانے میں ایک زمانہ ایسا آجائے گا کہ اس میں قتل و غارت گری کی کثرت ہوگی اور آدمی کو مارا جائے گا اور نہ اس کو اور نہ ہی اس کے ورثاء کو پتہ چلے گا کہ کیوں مارا گیا؟ اور کس نے مارا؟ اس زمانے کے قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں''

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل...... الخ، رقم: ۵۱۷۸

پہلے جب کوئی قتل ہوتا تھا تو پتہ چل جاتا تھا کہ دشمنی تھی، اس کی وجہ سے مارا گیا۔

یہ حدیث پڑھ لو آج جو قتل و غارت گری ہو رہی ہے اس کو دیکھ لو کہ کس طرح لوگ مر رہے ہیں۔ آج کسی کا قتل ہو جائے اور اس کے بارے میں پوچھا جائے کہ کیوں مارا گیا؟ اور کس نے مارا؟ تو اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے چودہ سو سال پہلے آج کے حالات دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ یہ سب ہماری شامتِ اعمال اور شامتِ گناہ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اور گناہوں کی کثرت نے یہ صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔

قتل و غارت گری کا واحد حل

آج ہم لوگ ان فسادات اور قتل و غارت گری کے مختلف حل تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ سیاسی حل تلاش کرنا چاہئے، کوئی کہتا ہے کہ آپس میں مذاکرات ہونے چاہئیں۔ یہ سب تدبیریں تلاش کر رہے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ان فسادات کا اصل سبب گناہوں کا پھیل جانا ہے۔ جب کسی اُمت کے اندر گناہ پھیل جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی شامتِ اعمال کی یہ صورت پھیل جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم عطا فرمائے اور ان گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں پہلا کام یہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور شامتِ اعمال سے پناہ مانگیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ! ہم سے ہماری شامتِ اعمال کو دور فرما۔

وظائف سے زیادہ گناہوں کی فکر کرنی چاہئے

بہر حال، نفلی عبادتوں میں زیادہ انہماک اچھی بات ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری کام گناہوں سے بچنا ہے۔ میرے پاس روزانہ کئی حضرات اور خاص طور پر خواتین کے فون آتے ہیں کہ فلاں کام کی دعا بتا دیجئے، فلاں مقصد کے لئے دعا بتا دیجئے۔ بعض خواتین کا یہ خیال ہے کہ ہر مقصد کے لئے الگ دعا ہوتی ہے اور اس کا الگ کوئی وظیفہ ہوتا ہے۔ بھائی! یہ دعائیں اور یہ وظیفے اپنی جگہ قابلِ فضیلت ہیں، لیکن زیادہ فکر اس کی کرنی چاہئے کہ گناہ سرزد نہ ہوں۔ اور گناہوں سے خود بھی بچو اور اپنے گھر والوں اور اپنے بچوں کو بھی گناہوں سے بچاؤ۔ جب تک یہ کام نہیں کرو گے تو یاد رکھو یہ وظیفے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ یہ وظیفے اسی وقت کام آتے ہیں جب دل میں گناہوں سے بچنے کی فکر اور اس کا جذبہ ہو، اور بچنے کا اہتمام بھی ہو تو اس وقت ان وظائف اور دعاؤں کے ذریعہ دل میں قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر گناہوں سے بچنے کی فکر تو

ہے نہیں، غفلت میں وقت گزر رہا ہے، اور ساتھ میں وظائف اور نوافل بھی چل رہے ہیں تو پھر اس وقت ان وظائف سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

گناہوں کا جائزہ لیں

خلاصہ یہ کہ ہم گناہوں سے بچنے کی فکر کریں، اپنی صبح سے شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں اور گناہوں کی فہرست بنائیں کہ کون کون سے کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہو رہے ہیں۔ پھر یہ جائزہ لیں کہ ان گناہوں میں سے کن کن گناہوں کو فوراً چھوڑ سکتے ہیں، ان کو تو فوراً چھوڑ دیں، اور جن گناہوں کے چھوڑنے کے لئے کسی تدبیر کی ضرورت ہو، ان کے لئے تدبیر اختیار کریں۔ اور اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

تہجد گزار سے آگے بڑھنے کا طریقہ

ایک حدیث میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ میں کسی عبادت گزار اور تہجد گزار آدمی سے آگے بڑھ جاؤں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔ مثلاً ہم بزرگوں کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ وہ ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، اتنی رکعات نفل پڑھتے تھے، اتنے پارے تلاوت کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں اس عبادت گزار سے آگے بڑھ جاؤں تو وہ گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لے۔ کیونکہ گناہوں سے حفاظت ہونے کے نتیجے میں انشاء اللہ ان کی بھی نجات ہوگی اور تمہاری بھی نجات ہوگی۔ اگر وہ لوگ بھی گناہوں سے بچتے ہوں گے تو بس اتنا فرق ہوگا کہ ان کا درجہ اونچا ہوگا اور تمہارا درجہ نیچا ہوگا، لیکن نجات میں دونوں برابر ہوں گے۔ اور اگر کوئی شخص عبادت گزار تھا لیکن ساتھ میں گناہ بھی کرتا تھا تو پھر اس سے آگے بڑھ جاؤ گے، اس لئے کہ تم نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچالیا ہے۔

مؤمن اور اس کے ایمان کی مثال

ایک اور حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مؤمن اور اس کے ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھوڑا کسی لمبی رسّی کے ذریعہ کھونٹے سے بندھا ہوا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ گھوڑا گھومتا بھی رہتا ہے، لیکن ایک حد تک وہ گھوم سکتا ہے، اس حد سے آگے جانے سے وہ کھونٹا اس کو روک دیتا ہے، وہ گھوڑا ذرا سا چکر لگا کر پھر واپس اپنے کھونٹے

کے پاس آکر بیٹھ جائے گا۔ اس طرح وہ کھونٹا دو کام کرتا ہے، ایک یہ کہ وہ گھوڑے کو ایک خاص حد سے آگے بڑھنے سے روکتا ہے، اور دوسرا یہ کہ وہ کھونٹا ہی اس کی جائے پناہ بنا ہوا ہے۔ وہ گھوڑا اِدھر اُدھر چکر لگانے کے بعد واپس اسی کھونٹے کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے۔(۱)

یہ مثال بیان کر کے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا کھونٹا اس کا ایمان ہے، اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مؤمن ایک حد تک اِدھر اُدھر جائے گا، گھومے گا پھرے گا، لیکن اگر حد سے آگے جانے کی کوشش کرے گا تو ایمان اس کی رسّی کھینچ لے گا، اور اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد آخر کار وہ مؤمن اپنے ایمان کے کھونٹے کے پاس واپس آجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا ایمان اتنا قوی ہوتا ہے کہ وہ اس کو گناہ کرنے نہیں دیتا۔ اور اگر کبھی بھول چوک سے گناہ ہوگیا تو پھر لوٹ کر واپس اپنے ایمان کے کھونٹے کے پاس آجاتا ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے یہ کتنی خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کا یہ کھونٹا مضبوط فرمادے۔

گناہ لکھنے میں تاخیر کی جاتی ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک نیکیاں لکھنے والا اور ایک برائیاں لکھنے والا۔ میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا ہے کہ نیکی لکھنے والے فرشتے کو یہ حکم ہے کہ جب وہ انسان نیکی کرے تو فوراً اس کو لکھ لو، اور بدی لکھنے والے فرشتے کو حکم یہ ہے کہ جب وہ انسان بدی کرے تو لکھنے سے پہلے نیکی لکھنے والے فرشتے سے پوچھے کہ لکھوں یا نہ لکھوں۔ گویا کہ نیکی لکھنے والا فرشتہ اس کا امیر ہے۔ چنانچہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ بدی لکھنے والا فرشتہ نیکی لکھنے والے فرشتے سے پوچھتا ہے کہ لکھوں یا نہ لکھوں؟ نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ نہیں، ابھی مت لکھو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ توبہ کرلے اور استغفار کرلے تو پھر لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اگر وہ شخص دوبارہ گناہ کرلیتا ہے اور اپنے پہلے گناہ سے توبہ نہیں کرتا تو پھر پوچھتا ہے کہ اب لکھ لوں۔ نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ نہیں۔ ابھی ٹھہر جاؤ۔ پھر جب تیسری مرتبہ گناہ کرلیتا ہے تو پھر پوچھتا ہے کہ لکھوں یا نہیں؟ اب جا کر وہ کہتا ہے کہ ہاں اب لکھ لو۔ اس کے بعد وہ گناہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اتنا آسانی کا معاملہ کردیا ہے کہ نیکی فوراً لکھ لی جاتی ہے اور بدی کے لکھنے میں تأمل اور تاخیر کی جاتی ہے کہ شاید یہ گناہ سے توبہ کرلے۔

---

(۱) مسند أحمد، رقم: ۱۰۹۰۷

جہاں گناہ کیا، وہیں توبہ کرلو

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً بلا تاخیر توبہ و استغفار کرلو، تا کہ وہ گناہ تمہارے نامۂ اعمال کے اندر لکھا ہی نہ جائے۔ اور بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ جس زمین پر گناہ کیا ہے، اسی زمین پر فوراً توبہ و استغفار کرلو، تا کہ قیامت کے روز جب وہ زمین تمہارے گناہ کی گواہ دے تو اس کے ساتھ ساتھ وہ زمین تمہاری توبہ کی بھی گواہی دے کہ اس شخص نے میرے سینے پر گناہ کیا تھا، اس کے بعد میرے سینے پر ہی توبہ بھی کرلی تھی۔ یہ سب حضورِ اقدس ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو رہی ہے کہ ایمان مؤمن کا کھونٹا ہے، جب مؤمن اِدھر اُدھر چلا جاتا ہے تو گھوم پھر کر واپس اپنے کھونٹے کے پاس آ جاتا ہے۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں

اس لئے اوّل تو گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور فکر کریں، اہتمام اور فکر کے بغیر گناہوں سے بچا نہیں جا سکتا، اگر اہتمام اور فکر کے باوجود کسی مجبوری سے یا بھول چوک سے یا غلطی سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرو، استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ یہ کرتے رہو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ اور یہ غفلت اور لاپرواہی سب سے بڑی بلا ہے کہ انسان کو فکر اور دھیان اور توجہ ہی نہ ہو بلکہ اپنے گناہوں پر نادم ہونے کے بجائے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو گناہوں کے وبال سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

گناہوں کا علاج

خوفِ خدا ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٰنِ﴾(۱)

جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کے منظر سے ڈرے، اور اس بات کا خوف رکھے کہ ایک دن مجھے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور تابعی بزرگ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں وہ شخص مراد ہے جس کے دل میں کسی برائی کے کرنے کا خیال آیا کہ فلاں گناہ کرلوں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اللہ تعالیٰ کا دھیان کرلیا، اور یہ بات یاد آئی کہ مجھے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اس یاد دہانی کے بعد اس نے اس گناہ کے کرنے کا ارادہ ترک کردیا، اور اس گناہ کو چھوڑ دیا۔ تو ایسے شخص کے لئے دو جنتوں کا وعدہ ہے۔

اس کا نام ''تقویٰ'' ہے

پھر اس کی مزید تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص تنہائی میں ہے۔ اور وہاں اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ اگر وہاں کوئی گناہ کرنا چاہے تو بظاہر گناہ کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ اس تنہائی میں اس کے دل میں گناہ کرنے کا داعیہ اور تقاضا پیدا ہوا۔ لیکن اس تنہائی میں اس نے یہ سوچا کہ اگرچہ کوئی انسان تو مجھے نہیں دیکھ رہا ہے لیکن میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور ایک دن مجھے اس کے سامنے جاکر کھڑا ہونا ہے۔ اس خیال کے بعد وہ شخص اس گناہ کو ترک کردے تو یہ وہ شخص ہے جس کے لئے اس آیت میں دو جنتوں کا وعدہ ہے۔ اور اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا دھیان کرکے اپنی خواہشِ نفس کے قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط تقاضے کو چھوڑ دے۔ اور

☆ اصلاحی خطبات (۸/۳۶ تا ۱۹۹) ، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) الرحمٰن: ٤٦

یہ سوچے کہ اگرچہ دنیا نہیں دیکھ رہی ہے لیکن کوئی دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔ اور ساری طریقت اور ساری شریعت کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ خوف دل میں پیدا ہو جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص جہنم سے ڈرے، یا عذاب سے ڈرے، یا آگ سے ڈرے، بلکہ فرمایا کہ جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو کہ وہ یہ سوچے کہ چاہے اللہ تعالیٰ اس گناہ پر عذاب دیں یا نہ دیں، لیکن میں اس عمل کو لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے جاؤں گا؟ جس شخص کے دل میں دوسرے کی عظمت ہوتی ہے، اس کو چاہے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ مجھے مارے گا اور سزا دے گا، لیکن اس کی عظمت کی وجہ سے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر کے اس کے سامنے جا کر کیا منہ دکھاؤں گا؟ اس خوف کا نام ''تقویٰ'' ہے۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی میرے دل میں عظمت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر میں ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی نہیں مارا۔ ایک دو مرتبہ ان کا طمانچہ کھانا یاد ہے، لیکن ان کی شخصیت اور عظمت کا حال یہ تھا کہ ان کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے قدم ڈگمگا جاتے تھے کہ ہم کس کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا تھا؟ اس لئے کہ دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں ان کی آنکھوں کے سامنے ہمارا کوئی ایسا عمل نہ آجائے جو ان کی شان، ان کی عظمت اور ان کے ادب کے خلاف ہو۔ جب ایک مخلوق کے لئے دل میں یہ عظمت ہو سکتی ہے تو خالق کائنات جو سب کا خالق اور سب کا مالک ہے، اس کے لئے دل میں یہ عظمت ضرور ہونی چاہئے کہ آدمی اس بات سے ڈرے کہ میں اس کے سامنے یہ کرتوت اور یہ گناہ کر کے کیسے کھڑا ہوں گا؟ اور اس کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ اسی کے بارے میں اس آیت میں فرمایا:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ (۱)

ڈرنے کی چیز اللہ کی ناراضگی ہے

دیکھئے، جہنم اور عذاب اس لئے ڈرنے کی چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا مظہر

(۱) النازعات: ۴۰، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا، اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا''

ہے، ورنہ اصل ڈر اور خوف تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چاہئے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔

لَا تَسْقِنِيْ مَاءَ الْحَيَاةِ بِذِلَّةٍ

بَلْ فَاسْقِنِيْ بِالْعِزِّ كَاسَ الْحَنْظَلِ

مجھے آبِ حیات بھی ذلیل کر کے مت پلا۔ یعنی میں ذلت اُٹھا کر آبِ حیات بھی پینے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ مجھے حنظل کا کڑوا گھونٹ پلا دے، مگر عزت کے ساتھ پلا۔

بہر حال، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔ اور چونکہ جہنم اور عذاب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مظہر ہے، اس لئے اس سے بھی ڈر رہے ہیں۔ ورنہ اصل میں ڈرنے کی چیز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

دودھ میں پانی ملانے کا واقعہ

قصہ لکھا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے رات کے وقت گشت کیا کرتے تھے۔ اگر کسی کے بارے میں پتہ چلتا کہ فلاں شخص فقر و فاقہ کی حالت میں ہے تو اس کی مدد فرماتے۔ اگر یہ پتہ چلتا کہ فلاں شخص کسی مصیبت کا شکار ہے تو اس سے اس کی مصیبت دور فرماتے، اور اگر کوئی غلط کام کرتا ہوا نظر آتا تو اس کی اصلاح فرماتے۔ ایک دن اسی طرح آپ تہجد کے وقت مدینہ کی گلیوں میں گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر سے دو عورتوں کی باتیں کرنے کی آواز آئی۔ آواز سے اندازہ ہوا کہ ایک عورت بوڑھی ہے اور ایک جوان ہے۔ وہ بوڑھی عورت جوان عورت سے جو اس کی بیٹی تھی یہ کہہ رہی تھی کہ بیٹی! یہ دودھ جو تم نے نکالا ہے اس میں پانی ملا دو تاکہ یہ زیادہ ہو جائے اور پھر اس کو فروخت کر دینا۔ بیٹی نے جواب دیا: امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ کوئی دودھ بیچنے والا دودھ میں پانی نہ ملائے۔ اس لئے ہمیں نہیں ملانا چاہئے۔ جواب میں ماں نے کہا کہ بیٹی! امیر المؤمنین یہاں بیٹھے ہوئے تو نہیں ہیں، اگر تم نے پانی ملا دیا تو وہ کونسا تمہیں دیکھ لیں گے، وہ تو اپنے گھر میں ہوں گے۔ اس وقت رات کا اندھیرا ہے، کوئی دیکھنے والا تو ہے نہیں، اس لئے ان کو کیسے پتہ چلے گا کہ تم نے پانی ملا دیا ہے۔ جواب میں بیٹی نے کہا: اماں جان! امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن امیر المؤمنین کا حاکم یعنی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اس لئے میں یہ کام نہیں کروں گی۔

دروازے کے باہر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے معلومات کرائی کہ یہ کون خاتون ہیں اور یہ بیٹی کون ہیں؟ معلومات کرانے کے بعد اس لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نکاح کا پیغام بھیجا، اور اس

سے اپنے بیٹے کی شادی کروائی۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاتون کے خاندان میں ان کے نواسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ جو مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ راشد کہلاتے ہیں۔ بہرحال، یہ بات اس لڑکی کے دل میں پیدا ہوئی کہ اگرچہ امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن اللہ دیکھ رہا ہے، جبکہ خلوت اور تنہائی ہے اور رات کی تاریکی ہے، کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ بس اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کے باہر کسی علاقے میں گئے۔ ایک بکریوں کا چرواہا اُن کے پاس سے گزرا، جو روزے سے تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی دیانت کو آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ اگر تم بکریوں کے اس گلے میں سے ایک بکری ہمیں بیچ دو تو اس کی قیمت بھی تمہیں دیدیں گے، اور بکری کے گوشت میں سے اتنا گوشت بھی دیدیں گے جس پر تم افطار کرسکو۔ اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر اس کی ایک بکری گم ہو جائے گی تو وہ کیا کرے گا؟ یہ سنتے ہی چرواہے نے پیٹھ پھیری اور آسمان کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا: فَأَيْنَ اللّٰه؟ یعنی اللہ کہاں گیا؟ اور یہ کہہ کر روانہ ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چرواہے کے اس جملے کو دہراتے رہے۔ مدینہ منورہ پہنچے تو اس چرواہے کے آقا سے مل کر اس سے بکریاں بھی خرید لیں اور چرواہے کو بھی خرید لیا، پھر چرواہے کو آزاد کردیا، اور ساری بکریاں اس کو تحفے میں دے دیں۔ (۱)

جرائم ختم کرنے کا بہترین طریقہ

یاد رکھئے جب تک دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوگا، جو اس چرواہے کے دل میں تھا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اس وقت تک دنیا سے جرائم نہیں مٹ سکتے، اور بدعنوانیاں ختم نہیں ہوسکتیں، چاہے جرائم کو ختم کرنے کے لئے پولیس کے پہرے بٹھالو، چاہے کتنے محکمے بنالو، اس لئے کہ یہ پولیس اور یہ محکمے زیادہ سے زیادہ دن کی روشنی میں اور شہر کی آبادی میں لوگوں کو جرم کرنے سے روک دیں گے، لیکن رات کی تاریکی میں اور جنگل کی تنہائی میں جرائم کو روکنے والی صرف ایک چیز ہے، وہ ہے اللہ کا خوف، اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور جب یہ خوف دلوں سے رخصت ہو جاتا ہے تو پھر معاشرے کا انجام بہت برا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج دیکھ لیجئے کہ جرائم کو روکنے کے لئے پولیس کے اوپر دوسری

(۱) أسد الغابة في معرفة الصحابة (۲۲۸/۳)

پولیس اور ایک محکمے کے اوپر دوسرا محکمہ بنایا جارہا ہے، اور قانون پر قانون بنایا جارہا ہے، لیکن وہ قانون آج بازار میں دو دو پیسے میں فروخت ہورہا ہے، حالانکہ عدالتیں اپنی جگہ کام کررہی ہیں، پولیس والے اپنی جگہ کام کررہے ہیں، اور ''محکمہ انسدادِ رشوت ستانی'' قائم ہے، جس پر لاکھوں روپیہ خرچ ہورہا ہے، لیکن دوسری طرف یہ حال ہے کہ رشوت کے ریٹ میں اضافہ ہورہا ہے، اور جو محکمہ رشوت ستانی کے انسداد کے لئے قائم ہوا تھا، وہ خود رشوت ستانی میں مبتلا ہے۔ کہاں تک یہ محکمے اور ادارے قائم کرتے جاؤ گے؟ اس لئے کہ ہر قانون اور ہر تدبیر کا توڑ موجود ہے۔ آج تک دنیا میں کوئی ایسا فارمولا ایجاد نہیں ہوا جو جرائم کا خاتمہ کردے۔ ہاں اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ جرائم ختم ہوسکتے ہیں اور ظلم رفع ہوسکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تقویٰ

یہی خوف اور احساس حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں پیدا فرمایا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا جب کسی شخص سے کوئی جرم سرزد ہوجاتا تو وہ بے چین ہوجاتا کہ یہ مجھ سے کیا ہوگیا۔ اور جب تک اپنے اوپر شرعی سزا جاری نہ کرالیتا اور جب تک اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوکر گڑگڑا کر معافی اور توبہ نہ کرلیتا، اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ مجرم خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اوپر سزا جاری کراتا، اور یہ کہتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کسی طریقے سے پاک کردیجئے۔ لہٰذا جب تک دل میں خدا کا خوف اور اور آخرت کی فکر نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس نہ ہو، اس وقت تک جرائم دنیا سے ختم نہیں ہوسکتے۔ ان کو ختم کرنے کے لئے جو چاہو تدبیر کرلو۔

ہماری عدالتیں اور مقدمات

کئی سال سے میرا عدالت سے بھی تعلق رہا ہے۔ قاعدے کی رو سے چوری اور ڈاکے کے جتنے مقدمات ہوتے ہیں، ان کی آخری اپیل ہمارے پاس عدالت میں آنی چاہئے، لیکن شروع کے تین سال اس طرح گزرے کہ اس عرصہ میں چوری اور ڈاکے کا کوئی مقدمہ ہی نہیں آیا، میں حیران ہوگیا۔ آخر میں نے معلوم کرایا کہ ہمارے یہاں چوری اور ڈاکے کے کتنے مقدمات اس عرصے میں آئے۔ تو پتہ چلا کہ صرف تین یا چار مقدمات آئے۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی شخص یہ اعداد و شمار دیکھے کہ اس ملک میں تین سال کے عرصے میں سپریم کورٹ کے اندر چوری اور ڈاکے کے صرف تین چار مقدمات آئے ہیں تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ تو فرشتوں کی بستی ہے، اور یہاں امن و امان کا دور دورہ ہے۔ اور دوسری طرف

اگر اخبار پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ چوری اور ڈاکے کے پچاسیوں کیس روزانہ ہو رہے ہیں۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ چوری اور ڈاکے کے یہ سارے کیس نیچے ہی نیچے طے ہو جاتے ہیں، اور مقدمہ کے اوپر آنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

ایک عبرت آموز واقعہ

تین سال کے بعد ایک ڈاکے کا جو مقدمہ میرے پاس آیا، وہ یہ تھا کہ ایک شخص کویت میں نوکری کرتا تھا۔ چھٹیوں میں جب وہ کراچی آیا تو ایئرپورٹ پر اس نے ایک ٹیکسی کرایہ پر کی۔ اور اس میں اپنا سامان رکھ کر اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں بہادر آباد کی چورنگی پر گھوڑ سوار پولیس کا ایک دستہ جا رہا تھا۔ رات کے تین بجے کا وقت تھا۔ اس پولیس کے دستے نے اس ٹیکسی کو روک لیا، اور اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ کویت سے آرہا ہوں اور اب ایئرپورٹ سے اپنے گھر جا رہا ہوں۔ پھر پوچھا کہ تم وہاں سے کیا سامان لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جو سامان لایا ہوں اس کی تفتیش اور تحقیق کسٹم والوں نے کر لی ہے، تمہارا اس سے کیا تعلق؟ آخر کار ایک پولیس والے نے بندوق تان لی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ نکال دو، اور ہمارے حوالے کر دو۔ یہ پہلا مقدمہ میرے پاس آیا، جس میں وہ پولیس والے جو چوری اور ڈاکے سے حفاظت کے لئے گشت کر رہے تھے، وہی بندوق تان کر دوسروں کا مال چھین رہے ہیں۔ جو لوگ قانون کے محافظ اور امن و امان کے محافظ تھے، وہ خود امن و امان کو غارت کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ دل سے خدا کا خوف مٹ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس مٹ گیا ہے۔ آدمی یہ بھول گیا ہے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے اور مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ جس کے نتیجے میں آج قتل و غارت گری، بدامنی، اور بے چینی ہمارے اوپر مسلط ہے۔

شیطان کس طرح راستہ مارتا ہے

یاد رکھئے! یہ احساس ایک دم سے فوراً نہیں مٹا کرتا، بلکہ آہستہ آہستہ یہ احساس مٹتا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیطان انسان کو غلط راستے پر لانے کے لئے ایک دم سے کسی بڑے گناہ پر آمادہ نہیں کرتا۔ مثلاً شیطان پہلی مرتبہ کسی انسان سے یہ نہیں کہتا کہ تو جا کر ڈاکہ ڈال۔ اس لئے کہ وہ انسان فوراً انکار کر دے گا۔ کہ ڈاکہ ڈالنا تو بہت خراب چیز ہے، میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ شیطان انسان کو پہلے چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا کرتا ہے۔ مثلاً اس سے کہتا ہے کہ نگاہ غلط جگہ پر ڈال لو، اس میں مزہ آئے گا۔ جب رفتہ رفتہ اس چھوٹے گناہ کا عادی بن جاتا ہے تو شیطان اس سے کہتا ہے کہ جب تو

نے فلاں گناہ کیا تھا، اس وقت تو تجھے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور مرنا ہے، جب اس وقت خیال نہیں آیا تو اب یہ دوسرا گناہ بھی کرلے، اس کے بعد تیسرے اور چوتھے گناہ پر آمادہ کرتا ہے، جب چھوٹے چھوٹے گناہوں کا انسان عادی ہوجاتا ہے تو آخر میں شیطان اس سے کہتا ہے کہ جب یہ اتنے سارے گناہ کرلیے تو ایک بڑا گناہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ وہ انسان کو بڑے گناہ اور بڑے جرائم پر آمادہ کرتا چلا جاتا ہے۔

نوجوانوں کو ٹی وی نے خراب کردیا

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ نوجوان لڑکے ہاتھ میں پستول لیے پھر رہے ہیں۔ اور پستول دکھا کر کسی کا مال چھین لیا، کسی کی جان لے لی، اور کسی کی آبرو لوٹ لی۔ یہ سارے کام پہلے کرتے تھے؟ نہیں، ان کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پہلے لڑکوں سے کہا گیا کہ ٹی وی ساری دنیا دیکھ رہی ہے، تم بھی دیکھو، فلمیں دیکھو۔ اور اس کے ذریعہ رفتہ رفتہ ان کو گناہ کی طرف آمادہ کیا۔ اور اس کے اثرات ان کے ذہنوں پر مرتب ہوگئے۔ اور جب ایک مرتبہ یہ حوصلہ کھل گیا کہ اللہ تعالیٰ کو بھول کر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس دل سے مٹا کر میں یہ گناہ کے کام کر رہا ہوں اور یہ فلمیں دیکھ رہا ہوں تو ذرا سا اور آگے بڑھ جاؤں۔ اور شیطان دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم نے فلاں فلم کے اندر فلاں تماشہ دیکھا تھا، اب اس کو ذرا خود بھی تجربہ کرکے دیکھو۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا کردیتا ہے۔

چھوٹے گناہوں کا عادی بڑے گناہ کرتا ہے

یاد رکھئے! بڑا گناہ ہمیشہ چھوٹے گناہوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ شیطان کی طرف سے پہلے چھوٹے گناہوں کے کرنے کی جرأت پیدا کی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑے گناہوں پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ آج کے ان نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ہمیں ہمیشہ اس دنیا میں رہنا ہے۔ کبھی اس دنیا سے نہیں جانا۔ کیونکہ گناہوں کا عادی بن جانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینے کا احساس دلوں سے مٹ گیا۔ تو اب بڑے سے بڑے گناہ کے لئے راستہ ہموار ہوگیا۔ دروازہ چوپٹ کھل گیا۔ اب جو گناہ چاہو کرو الو۔ عربی زبان کا ایک مقولہ ہے:

اَلشَّرُّ يَبْدَأُهٗ فِي الْاَصْلِ أَصْغَرُهٗ

یعنی بڑی برائی کی ابتداء ہمیشہ چھوٹی برائی سے ہوتی ہے۔ اور ذرا سی چنگاری سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اس لئے کبھی کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اختیار مت کرو کہ چلو یہ چھوٹا سا گناہ ہے، کرلو۔ اس لئے

کہ یہ تو شیطان کا دانہ ہے، جو اس نے تم کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اور اپنا کنٹرول تمہارے اوپر حاصل کرنے کے لئے اور تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کی فکر مٹانے کے لئے ڈال دیا ہے۔ اس لئے گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اس کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑ دو۔

یہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ لوگ بہت اشتیاق سے پوچھتے ہیں کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ اور پوچھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر صغیرہ ہے تو کرلیں گے۔ اور اگر کبیرہ ہے تو اس کے کرنے میں تھوڑا ڈر اور خوف محسوس ہوگا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چنگاری اور ایک بڑا انگارہ۔ کبھی آپ نے کسی کو دیکھا کہ ایک چھوٹی سی چنگاری کو صندوق میں رکھ لے، اور یہ سوچے کہ یہ تو ایک چھوٹی سی چنگاری ہے، کوئی عقلمند انسان ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ صندوق میں رکھنے کے بعد وہ آگ بن جائے گی اور صندوق کے اندر جتنی چیزیں ہوں گی ان سب کو جلا دے گی اور صندوق کو بھی جلا دے گی۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ پورے گھر کو جلا دے۔ یہی حال گناہ کا ہے، گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، وہ آگ کی چنگاری ہے۔ اگر تم اپنے اختیار سے ایک گناہ کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایک گناہ تمہاری پوری زندگی کی پونجی خاکستر کردے۔ اس لئے اس فکر میں مت پڑو کہ چھوٹا ہے یا بڑا۔ بلکہ یہ دیکھو کہ گناہ ہے یا نہیں، یہ کام ناجائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کرکے یہ سوچو کہ یہ گناہ کرکے میں اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بہر حال، اس آیت کا مصداق بننے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی انسان کے دل میں گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے موجود ہونے کا دل میں دھیان کرے اور اس کے ذریعہ گناہ کو چھوڑ دے۔

گناہ کے تقاضے کے وقت یہ تصور کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کا تصور کرنا چاہے تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا دھیان اور تصور نہیں بنتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو کبھی دیکھا تو ہے نہیں، اور تصور تو اس چیز کا ہوسکتا ہے جس کو انسان نے دیکھا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا تصور اور دھیان کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو ایک چیز کا تصور اور دھیان کرلیا کرو۔ اور وہ یہ کہ میں جس گناہ کے کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں، اگر اس گناہ کے ارتکاب کے وقت میرا

باپ مجھے دیکھ لے۔ یا میری اولاد مجھے دیکھ لے۔ یا میرے استاد مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے شاگرد مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے دوست احباب مجھے دیکھ لیں تو کیا اس وقت بھی میں یہ گناہ کا کام کروں گا؟

مثلاً نگاہ کو غلط جگہ پر ڈالنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا، اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اگر اس وقت تمہارا شیخ تمہیں دیکھ رہا ہو۔ یا تمہارا باپ تمہیں دیکھ رہا ہو۔ یا تمہاری اولاد تمہیں دیکھ رہی ہو۔ تو کیا اس وقت بھی آنکھ غلط جگہ کی طرف اُٹھاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں اُٹھاؤ گے۔ اس لئے کہ یہ خوف ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو یہ لوگ مجھے برا سمجھیں گے۔ لہٰذا جب ان معمولی درجے کی مخلوق کے سامنے شرمندہ ہونے کے ڈر سے اپنے داعیے پر قابو پا لیتے ہو اور نگاہ کو روک لیتے ہو، تو ہر گناہ کے وقت یہ تصور کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور ان سب کا خالق اور مالک ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس تصور سے انشاء اللہ دل میں ایک رکاوٹ پیدا ہوگی۔

گناہوں کی لذت عارضی ہے

جب انسان گناہ کا عادی ہوتا ہے تو اس کو شروع میں گناہ سے بچنے میں دقت اور مشقت ہوتی ہے، اور گناہ سے بچنا آسان نہیں ہوتا، لیکن گناہ سے بچنے کا علاج ہی یہ ہے کہ زبردستی اپنے آپ کو گناہ سے روکے۔ اور گناہ کی خواہش کو اللہ کے لئے کچلے، اور جس وقت وہ اپنی اس خواہش کو اللہ کے لئے کچلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے گناہوں کی لذت ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچنے کی حلاوت عطا فرمائے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ گناہوں کی لذت کی مثال ایسی ہے جیسے خارش زدہ کو خارش کرنے میں لذت آتی ہے۔ اور کھجانے میں اس کو بہت مزہ آتا ہے۔ لیکن وہ لذت صحت کی لذت نہیں ہے۔ وہ بیماری کی لذت ہے۔ اس لئے کہ زیادہ کھجانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس جگہ پر زخم ہو جائے گا۔ اور زخم کی اور جلن کی جو تکلیف ہوگی، اس کے آگے خارش کرنے کی لذت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن اگر خارش کرنے سے رک گیا، اور یہ سوچا کہ خارش کرنے کے بعد زیادہ تکلیف ہوگی، اس لئے کھجانے کے بجائے اس پر مرہم لگاتا ہوں، اور خارش کی کڑوی دوا کھاتا ہوں، تو اس دوا کے کھانے میں تکلیف تو ہوگی، لیکن بالآخر اس خارش سے نجات ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد صحت کی لذت حاصل ہو جائے گی۔ اور وہ صحت کی لذت اس خارش کی لذت سے ہزار درجہ بہتر ہوگی۔ بالکل اسی طرح گناہ کی لذت بالکل بے حقیقت ہے، اور دھوکہ والی لذت ہے۔ اس لذت کو اللہ کے لئے چھوڑ دو۔ اور اس کے بجائے تقویٰ کی لذت حاصل کرو، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کہاں سے کہاں پہنچاتے ہیں۔ ارے یہ خواہشاتِ نفسانی تو پیدا ہی اس لئے کی گئی ہیں کہ ان کو کچلا جائے۔ اور اس کے ذریعہ

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت ہمارے دلوں میں جاگزیں فرمائے۔

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں اُمید

ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ سے خوف بھی رکھے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اُمید بھی رکھے۔ لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ جوانی کے دور میں اگر خوف کا غلبہ ہو تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جوانی کے دور میں جب آدمی کے ہاتھ پاؤں اچھی طرح چل رہے ہوں، قویٰ مضبوط ہوں، اور آدمی ہر قسم کے کام کر سکتا ہو تو اس وقت گناہوں کے داعیے بھی دل میں بہت پیدا ہوتے ہیں اور گناہوں کے محرکات بھی بہت ہوتے ہیں اور گناہوں کا تقاضا بھی زیادہ ہوتا ہے، اس زمانے میں اس کے دل میں اللہ کے خوف کا غلبہ ہونا زیادہ فائدہ مند ہے تاکہ وہ خوف انسان کو گناہ سے باز رکھے۔ البتہ جب آدمی بوڑھا ہو جائے اور آخری عمر میں پہنچ جائے تو اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کی اُمید اس پر غالب ہونی چاہئے تاکہ وہ مایوسی کا شکار نہ ہو۔

دنیا کا نظام خوف پر قائم ہے

آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خوفِ خدا کوئی حاصل کرنے کی چیز نہیں، چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ میاں تو ہمارے ہیں، ان سے کیسا خوف اور کیسا ڈر؟ وہ تو ہمارے پیدا کرنے والے ہیں اور قرآن کریم میں بار بار فرما رہے ہیں کہ وہ غفور رحیم ہیں۔ تو پھر ان سے ڈر اور خوف کیسا؟ ظاہر ہے کہ جب یہ سوچ ہوگی تو پھر خوفِ خدا کو حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس کیسے ہوگا؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ آجکل لوگ غفلت میں گناہوں کے اندر منہمک ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ خوف ایسی چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو دنیا کا کوئی کام، کوئی کاروبار نہیں چل سکتا۔ اگر طالب علم کو امتحان میں فیل ہونے کا اندیشہ اور خوف نہ ہو تو وہ کبھی محنت نہیں کرے گا۔ یہ خوف ہی اس سے محنت کروا رہا ہے اور اس کو پڑھوا رہا ہے۔ اگر کسی شخص کو ملازمت سے برخواست کر دیئے جانے کا خوف نہ ہو تو وہ شخص اپنے فرائض انجام نہیں دے گا بلکہ خالی بیٹھ کر وقت ضائع کرے گا اور کام کرنے کی مصیبت اور تکلیف نہیں اُٹھائے گا۔ اگر بیٹے کو باپ کا خوف نہ ہو، ماتحت کو افسر کا خوف نہ ہو، عام آدمی کو قانون کا خوف نہ ہو تو اس کا نتیجہ لاقانونیت، انارکی اور ظلم ہوگا جس میں کسی بھی انسان کا حق محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ آج آپ یہ جو بدامنی اور بے چینی کا طوفان دیکھ رہے ہیں کہ نہ کسی کی جان محفوظ ہے اور نہ کسی کا مال محفوظ ہے، نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، اور آج انسان مکھی اور مچھر سے بھی

زیادہ بے حقیقت ہو گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو خوف خدا دلوں سے نکل گیا اور قانون کا خوف بھی اُٹھ گیا۔ آج قانون دو دو پیسے میں فروخت ہو رہا ہے، بس پیسے خرچ کرو اور قانون سے بچ جاؤ۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ پورے معاشرے میں فساد برپا ہے۔

تحریکِ آزادی

جب برصغیر میں انگریز کی حکومت تھی، اس وقت مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی ہوئی تھی، انگریزوں کے خلاف مظاہرے اور ہڑتالیں ہو رہی تھیں، چونکہ مسلمان اور ہندو دونوں اس تحریک میں شامل تھے اس لئے بعض اوقات مسلمانوں سے ہندوؤں کے کام کرالیے جاتے تھے اور بعض معاملات میں اسلام اور ہندومت کا امتیاز ختم ہوتا جار ہا تھا، مثلاً جب جلوس نکالتے تو مسلمان بھی اپنے ماتھے پر قشقہ لگا لیتے اور ان کے مندروں میں جا کر ان کی رسموں میں شریک ہو جاتے۔ اس قسم کے منکرات اس تحریک میں ہو رہے تھے، اور تحریک چلانے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پسند نہیں تھا، اس لئے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک سے الگ تھلگ رہے اور اپنے ملنے والوں اور اپنے مریدوں کو بتاتے رہے کہ میرے نزدیک اس تحریک میں شامل ہونا ٹھیک نہیں ہے۔

لال ٹوپی کا خوف

ایک مرتبہ اس تحریک کے قائدین وفد بنا کر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ حضرت! اگر آپ اس تحریک میں شامل ہو جائیں تو انگریز کو بہت جلد یہاں سے بھگایا جا سکتا ہے۔ آپ چونکہ اس تحریک سے الگ ہیں اس لئے انگریزوں کی حکومت باقی ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے ساتھ اس تحریک میں شامل ہو جائیں۔ جواب میں حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے مجھے تو اس طریقے سے اتفاق نہیں، اس لئے میں اس میں کیسے شامل ہوں۔ اور آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کئی سالوں سے یہ تحریک چلا رہے ہیں، مظاہرے کر رہے ہیں، ہڑتالیں کر رہے ہیں، جلسے جلوس نکال رہے ہیں، اس سے اب تک آپ نے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس وفد میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! اب تک آزادی تو حاصل نہیں ہوئی، لیکن ایک بہت بڑا فائدہ حاصل ہو گیا ہے، وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کے دلوں سے لال ٹوپی کا خوف نکال دیا ہے۔ اس زمانے میں پولیس کی لال ٹوپی ہوا کرتی تھی اس لئے ''لال ٹوپی'' بول کر پولیس مراد ہوتی تھی۔ اب کسی آدمی کے دل میں پولیس کا خوف نہیں رہا۔ ورنہ پہلے یہ حال تھا کہ اگر پولیس آجاتی تھی تو سارا محلہ تھرا جاتا تھا، اب ہم نے

مظاہرے کر کے اور ہڑتالیں کر کے اس لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال دیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہمیں حاصل ہوگئی ہے۔ اور رفتہ رفتہ جب ہم آگے بڑھیں گے تو انگریز سے بھی نجات مل جائے گی۔

اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ آپ نے لوگوں کے دلوں سے لال ٹوپی کا خوف نکال دیا ہے، آپ نے بڑا خراب کام کیا، اس لئے کہ لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال دینے کے معنی یہ ہیں کہ اب چوروں اور ڈاکوؤں کے مزے آگئے۔ اب چور چوری کرے گا اور اس کو لال ٹوپی کا خوف نہیں ہوگا۔ ڈاکو ڈاکہ ڈالے گا اور اس کو لال ٹوپی کا خوف نہیں ہوگا۔ کم از کم آپ لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال کر اپنی سبز ٹوپی کا خوف ان کے دلوں میں داخل کر دیتے تو بیشک بڑی کامیابی کی بات تھی، لیکن آپ نے لال ٹوپی کا خوف تو دلوں سے نکال دیا اور دوسرا خوف داخل نہیں کیا تو اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں بدامنی اور بے چینی پیدا ہوگی اور لوگوں کے جان و مال، عزت اور آبرو خطرے میں پڑ جائیں گے۔ لہٰذا آپ نے یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا، اس کام پر میں آپ کی تعریف نہیں کرسکتا۔

خوف دلوں سے نکل گیا

یہ وہ بات ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساٹھ سال پہلے فرمائی تھی۔ لیکن آج اس بات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر لیجئے کہ آج وہ خوف جب دل سے نکل گیا تو اب بدامنی اور بے چینی کا ایک طوفان معاشرے پر مسلط ہے۔ ورنہ اُس زمانے کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی کسی بستی میں کسی ایک آدمی کا بھی قتل ہو جاتا تو پورا ملک ہل جاتا تھا کہ یہ قتل کیسے ہوا؟ اور اس کی تحقیق و تفتیش شروع ہو جاتی تھی۔ آج انسان کی جان مکھی اور مچھر سے زیادہ بے حقیقت ہوگئی ہے، اس لئے کہ خوف دل سے نکل گیا۔

خوفِ خدا پیدا کریں

بہر حال، یہ خوف ایسی چیز ہے کہ اس پر سارے عالم کا نظام قائم ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہو تو بدامنی، بے چینی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہو جائے۔ اس لئے قرآن کریم میں بار بار فرمایا: اِتَّقُوا اللّٰہَ، اِتَّقُوا اللّٰہَ، تقویٰ اختیار کرو۔ اور تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے خوف سے اس کی معصیتوں سے بچنا۔ جس طرح دنیا کا نظام خوف کے بغیر نہیں چل سکتا، اسی طرح دین کا مدار بھی اللہ کے خوف پر ہے۔ خدا نہ کرے اگر یہ خوف دل سے مٹ جائے یا اس میں کمی آجائے تو پھر گناہوں کا دور دورہ ہو جائے، جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ قرآن کریم میں کہیں جنت کا ذکر ہے، کہیں جہنم اور اس کے عذاب کا ذکر ہے، کہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا ذکر ہے تاکہ ہر مسلمان ان باتوں کو

بار بار سوچے اور ان کا دھیان کرے اور ان کے ذریعہ اپنے دل میں خدا کا خوف پیدا کرے۔

تنہائی میں اللہ کا خوف

پولیس کا خوف، قانون کا خوف یا سزا کا خوف یا جیل کا خوف ایسی چیز ہے جو صرف دوسروں کے سامنے جرائم کرنے سے باز رکھ سکتی ہے، لیکن جب خدا کا خوف دل میں اُتر جاتا ہے تو پھر جنگل کی تنہائی میں بھی اور رات کی تاریکی میں بھی وہ خوف انسان کو گناہ سے روک دیتا ہے جبکہ کوئی اور دیکھنے والا بھی موجود نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ رات کی اندھیری ہے اور جنگل کی تنہائی ہے اور کوئی دیکھنے والا موجود نہیں ہے، اس وقت اگر کوئی مؤمن گناہ سے بچ رہا ہے تو اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے جو اس کو گناہ سے روک رہی ہے، اللہ کا خوف اس کو گناہ سے باز رکھے ہوئے ہے۔

روزہ کی حالت میں خوفِ خدا

اس خوفِ خدا کا تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ اس دور میں بھی آدمی کتنا ہی فاسق اور فاجر اور گناہ گار ہو اور رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ لے۔ اب شدید گرمی پڑ رہی ہے، سخت پیاس لگی ہوئی ہے، زبان باہر کو آرہی ہے، کمرہ بند ہے اور کمرہ میں اکیلا ہے، کوئی دوسرا شخص پاس موجود نہیں اور کمرہ میں فرج موجود ہے۔ فرج میں ٹھنڈا پانی رکھا ہوا ہے، اس وقت اس انسان کا نفس یہ تقاضا کر رہا ہے کہ اس شدید پیاس کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں، لیکن کیا آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی کوئی مسلمان ایسا ہے جو اس وقت فرج میں سے پانی نکال کر گلاس میں ڈال کر پی لے؟ وہ ہرگز پانی نہیں پیئے گا، حالانکہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور کوئی اس کو لعنت ملامت بھی نہیں کرے گا اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا۔ اور شام کو باہر نکل کر لوگوں کے ساتھ افطاری کھالے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ پانی نہیں پیئے گا۔

اب بتایئے! وہ کون سی چیز ہے جو اس کو بند کمرے میں پانی پینے سے روک رہی ہے، اللہ کے خوف کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جو اس کو روک رہی ہے۔ چونکہ ہمیں روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے اس لئے اس عادت کے نتیجے میں وہ خوف کار آمد ہو گیا۔

ہر موقع پر یہ خوف پیدا کریں

اب شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ جس طرح روزہ کی حالت میں بند کمرے میں اللہ کا خوف تمہیں پانی پینے سے روک رہا تھا، بالکل اسی طرح اگر نگاہ کا شدید تقاضا ہو رہا ہے کہ وہ غلط جگہ پڑ جائے تو اس

شدید تقاضے کو بھی اللہ کے خوف سے دبا کر اس نگاہ کو روک لو۔ اسی طرح غیبت کرنے یا جھوٹ بولنے کا شدید تقاضا ہو رہا ہے، تو جس طرح روزے کی حالت میں اللہ کے خوف سے پانی پینے سے رک گئے تھے، اسی طرح یہاں بھی غیبت اور جھوٹ سے رک جاؤ۔ یہ ہے اللہ کا خوف۔ یہ جب دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کسی بھی حالت میں اللہ کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرتا۔ یہ خوفِ خدا شریعت میں مطلوب ہے۔

جنت کس کے لئے ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ٥ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ٥﴾(۱)

کیا عجیب الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا کہ میں کسی دن اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوں گا تو کس منہ سے اپنے پروردگار کے سامنے جاؤں گا۔ اور یہ خوف اتنا شدید پیدا ہوا کہ اس خوف کے نتیجے میں اس نے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات پر عمل کرنے سے روک لیا تو ایسے انسان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ اور ایسے ہی انسان کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔

جنت کے اردگرد مشقت

ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ))(۲)

جنت کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں سے گھیر رکھا ہے جو انسان کی طبیعت کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی مشقت اور محنت والے کام جو طبیعت پر بار معلوم ہوتے ہیں ان سے جنت کو گھیرا ہوا ہے، گویا کہ اگر تم ان ناگوار کاموں کو کرلو گے تو جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ اس لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرو، اس کے نتیجے میں ناجائز خواہشات پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی اور جنت حاصل ہو جائے گی۔ اور یہ خوف اس درجہ کا ہو کہ اپنے ہر فعل اور ہر قول کے اندر یہ دھڑکا لگا ہو کہ یہ کہیں

---

(۱) النازعات: ۴۰۔۴۱، آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا، اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا۔ تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگی''

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، رقم: ۵۰۴۹، سنن الترمذی، کتاب صفة الجنة عن رسول الله، باب ما جاء صفت الجنة بالمكاره، رقم: ۲۴۸۲

میرے مالک کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام کے خوف کا یہ عالم تھا کہ ان کو اس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اوپر سزا جاری نہ کرا لیتے۔

عبادت پر بھی استغفار کرنا چاہئے

پھر جب اس خوف میں ترقی ہوتی ہے تو پھر یہ خوف صرف اس بات کا نہیں ہوتا کہ ہم سے گناہ نہ ہو جائے بلکہ پھر اس بات کا بھی خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم جو عبادت کر رہے ہیں وہ اللہ جل شانہ کے شایانِ شان ہے یا نہیں؟ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ گویا کہ وہ شخص ایسے اعمال بھی کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال ہیں، لیکن ڈر رہا ہے کہ کہیں یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے شایانِ شان نہ ہو اور اس عمل میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہو گئی ہو۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ عمل کرتا رہے اور ڈرتا رہے، قرآن کریم نے فرمایا:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾(۱)

ان کے پہلو رات کے وقت بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اور اللہ کے حضور کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہتے ہیں، لیکن اس وقت بھی دل خوف سے خالی نہیں ہوتا بلکہ اپنے پروردگار کو خوف کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ میرا عمل اللہ کے حضور پیش کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟

نیک بندوں کا حال

ایک دوسری جگہ پر نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾(۲)

یعنی اللہ کے نیک بندے رات کے وقت بہت کم سوتے ہیں۔ بلکہ اللہ کے حضور کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہتے ہیں، تہجد ادا کرتے ہیں، لیکن جب سحری کا وقت آتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! سحری کے وقت استغفار کرنے کا تو موقع نہیں ہے، اس لئے کہ استغفار تو کسی گناہ کے بعد ہوتا ہے، یہ تو ساری رات اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہے، کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ اپنی عبادت سے استغفار کرتے ہیں کہ جیسی عبادت کرنی چاہئے تھی ایسی عبادت ہم نہیں کر سکے، عبادت کا جیسا حق ادا کرنا چاہئے تھا ویسا حق ہم سے ادا نہ ہو سکا۔

(۱) السجدة:۱۶ (۲) الذاریات:۱۷۔۱۸

بہر حال، اللہ کے ان نیک بندوں کو صرف گناہ کا خوف نہیں ہوتا بلکہ عبادت کے غلط ہونے کا بھی خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے۔

اللہ کا خوف بقدر معرفت

خوف کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہوگا، اور جتنا نادان ہوگا اتنا ہی خوف کم ہوگا۔ دیکھئے ایک چھوٹا سا بچہ ہے، جو ابھی نادان ہے، اس کے سامنے بادشاہ آجائے یا وزیر آجائے یا شیر آجائے تو اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص بادشاہ کا مرتبہ جانتا ہے وہ بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے تھراتا ہے اور کانپتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ تھی، اس لئے ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ تھا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور خوف

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پریشان اور ڈرتے ہوئے، کانپتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا:

"نَافَقَ حَنظَلَةُ، یَا رَسُولَ اللّٰہِ!"

''اے اللہ کے رسول! حنظلہ تو منافق ہوگیا''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے منافق ہوگئے؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور جنت اور دوزخ کا ذکر سنتے ہیں اور آخرت کا ذکر سنتے ہیں تو اس کے نتیجے میں دل میں رقت اور گداز پیدا ہوتا ہے، اور دنیا سے اعراض پیدا ہوجاتا ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن جب ہم گھر جاتے ہیں، بیوی بچوں سے ملتے ہیں، کاروبارِ زندگی میں لگ جاتے ہیں تو دل کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی، بلکہ دنیا کی محبت ہمارے دلوں پر چھا جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں آکر ایک حالت اور باہر جاکر دوسری حالت ہوجاتی ہے، یہ تو منافق ہونے کی علامت ہے۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یَا حَنظَلَةُ! سَاعَةً وَسَاعَةً"(۱)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرة والمراقبة، رقم: ۴۹۳۷، سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہ، باب منه، رقم: ۲۴۳۸، سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب المداومة علی العمل، رقم: ۴۲۲۹، مسند أحمد، رقم: ۱۶۹۴۹

اے حنظلہ! گھبرانے کی بات نہیں، یہ تو وقت وقت کی بات ہے، کسی وقت دل میں رقت زیادہ ہوگئی اور کسی وقت کم ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر مدار نہیں ہے، بلکہ اصل مدار اعمال پر ہے کہ انسان کا کوئی عمل شریعت کے خلاف نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور خوف

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے کانوں سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن چکے تھے:

((عُمَرُ فِی الْجَنَّۃِ)) ''عمر جنت میں جائیں گے''(۱)

اور یہ واقعہ بھی سن چکے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں معراج پر گیا اور وہاں جنت کی سیر کی تو جنت میں، میں نے ایک بہت شاندار محل دیکھا، اور اس محل کے کنارے ایک خاتون بیٹھی وضو کر رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر کا محل ہے۔ وہ محل اتنا شاندار تھا کہ میرا دل چاہا کہ اندر جا کر اس محل کو دیکھوں، لیکن اے عمر! مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی کہ تم بہت غیور انسان ہو۔ اس لئے میں اس محل کے اندر داخل نہیں ہوا اور واپس آگیا۔ جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو رو پڑے، اور عرض کیا:

''اَوَ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَغَارُ''

''یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا''(۲)

دیکھئے! حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے لئے جنت کی بشارت سن چکے، اور جنت میں اپنے محل کے بارے میں سن چکے، اس کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لائے، جن کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتا دی تھی کہ مدینے میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ آپ ان سے پوچھ رہے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے مجھے یہ بتا دو کہ کہیں اس فہرست میں میرا نام تو نہیں ہے؟(۳)

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب مناقب عبد الرحمن بن عوف الزهری، رقم: ۳۶۸۰، سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب فی الخلفاء، رقم: ۴۰۳۱، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضائل العشرة، رقم: ۱۳۰، مسند أحمد، رقم: ۱۵۴۳

(۲) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب أبی حفص القرشی العدوی، رقم: ۳۴۰۳، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر، رقم: ۴۴۰۸، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل عمر، رقم: ۱۰۴، مسند أحمد، رقم: ۸۱۱۵

(۳) البدایة والنهایة (۱۹/۵)

خیال یہ آرہا تھا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے تو جنت کی بشارت دے دی تھی، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد کے اعمال کی وجہ سے ان بشارتوں پر پانی پھر جائے۔ دیکھئے! حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ لگا ہوا ہے۔ بہرحال، جس شخص کو جتنی زیادہ معرفت ہوتی ہے اتنا ہی اس کو خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہ خوف جب تک دل میں کسی نہ کسی درجے میں حاصل نہ ہو، یاد رکھئے! اس وقت تک تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا۔

خوف پیدا کرنے کا طریقہ

اس خوف کو پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت فجر کے بعد یا رات کو سوتے وقت مقرر کرے، پھر اس وقت اس بات کا تصور کرے کہ میں مر رہا ہوں، بسترِ مرگ پر لیٹا ہوا ہوں، اعزہ اور اقرباء جمع ہیں، میری روح نکل رہی ہے، اس کے بعد مجھے کفن پہنانے کے بعد دفن کیا جا رہا ہے، پھر فرشتے سوال و جواب کے لئے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں۔ ان سب باتوں کا دھیان کرکے سوچے، جب روزانہ انسان یہ سب باتیں سوچے گا تو انشاء اللہ دل سے رفتہ رفتہ غفلت کے پردے اُٹھنا شروع ہوجائیں گے۔ ہم پر غفلت اس لئے چھائی ہوئی ہے کہ ہم اور آپ موت سے غافل ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو مٹی دے کر آتے ہیں، اپنے کاندھوں پر جنازہ اُٹھاتے ہیں، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ فلاں آدمی بیٹھے بیٹھے دنیا سے رخصت ہوگیا، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس دنیا کو جمع کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے صبح شام دوڑ دھوپ کر رہا تھا، محنت اور مشقت برداشت کر رہا تھا، لیکن جب دنیا سے گیا تو ان کی طرف منہ موڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ان تمام چیزوں کو دیکھنے کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موت کا واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، اپنی طرف دھیان نہیں جاتا کہ مجھے بھی ایک دن اس طرح دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ))(۱)

اس چیز کو کثرت سے یاد کیا کرو جو ان ساری لذتوں کو ختم کرنے والی ہے یعنی موت۔ اس کو بھلاؤ نہیں، بلکہ اس کو کثرت سے یاد کرو۔ بہرحال، روزانہ صبح یا شام کے وقت ان چیزوں کا تھوڑا سا مراقبہ کرلے تو اس سے مطلوبہ خوف کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الزهد عن رسول الله، باب ماجاء فی ذکر الموت، رقم: ۲۲۲۹، سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب کثرة ذکر الموت، رقم: ۱۸۰۱

تقدیر غالب آجاتی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص جنت والوں کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت اس کے اوپر لکھی ہوئی تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص پھر جہنم والوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ آخر کار وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص ساری عمر جہنم والوں کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت اس کے اوپر لکھی ہوئی تقدیر غالب آجاتی ہے اور اس کے بعد وہ جنت کے عمل شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ آخر کار وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔(۱)

اپنے عمل پر ناز نہ کریں

اس حدیث سے یہ سبق ملا کہ کوئی شخص اپنے عمل پر ناز نہ کرے کہ میں فلاں عمل کر رہا ہوں اور فلاں عمل کر رہا ہوں، اس لئے کہ ان اعمال کا کوئی اعتبار نہیں، اعتبار زندگی کے آخری اعمال کا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ))(۲)

یعنی خاتمہ کا اعتبار ہے کہ خاتمے کے وقت وہ کیسے اعمال کر رہا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی عمل کی نحوست انسان کو جہنمیوں کے اعمال کی طرف لے جائے، اسلئے نیک عمل کرتے ہوئے بھی ڈرنا چاہئے۔

بُرے عمل کی نحوست

لیکن ایک بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ اس انسان سے جہنمیوں والے اعمال جبری طور پر نہیں کرائے جائیں گے تاکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جائے۔ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ وہ یہ سارے اعمال اپنے اختیار سے کرتا ہے، مجبور نہیں ہوتا۔ لیکن ان اعمال کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ وہ پچھلے سارے نیک

(۱) صحيح البخاری، كتاب تفسير القرآن، باب فسنيسره للعسرى، رقم: ٤٥٦٨، صحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمی فی بطن أمه، رقم: ٤٧٨٧، سنن الترمذی، كتاب القدر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء فی الشقاء والسعادة، رقم: ٢٠٦٢، سنن أبی داؤد، كتاب السنة، باب فی القدر، رقم: ٤٠٨٦، سنن أبی ماجه، المقدمة، فی القدر، رقم: ٧٥، مسند أحمد، رقم: ١٩

(۲) صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب الأعمال بالخواتيم وما يخاف منها، رقم: ٦٠١٢، مسند أحمد، رقم: ٢١٧٦٨

اعمال کے اجر و ثواب کو ختم کر دیتی ہے، اور برے اعمال کی طرف انسان کو گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ بعض گناہوں کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ اس نحوست کی وجہ سے وہ پھر دوسرے گناہ میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، اور دوسرے گناہ کی نحوست سے وہ تیسرے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور آہستہ آہستہ وہ گناہوں کے اندر اتنا منہمک ہو جاتا ہے کہ اس کے نتیجے میں اس کی ساری پچھلی زندگی پر پانی پھر جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ کسی بھی چھوٹے گناہ کو معمولی سمجھ کر مت کرو، اس لئے کہ کیا پتہ یہ چھوٹا گناہ تمہاری عمر بھر کی نیکیوں کو ختم کر دے۔ اور پھر کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کر لینا ہی اس کو کبیرہ بنا دیتا ہے، اور اس کا نقد وبال یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، رفتہ رفتہ پھر وہ گناہوں کے اندر مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھوٹے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹی سی چنگاری، اور بڑے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے بڑی آگ اور بڑا انگارہ۔ اب کوئی شخص یہ سوچ کر کہ یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے اور بڑی آگ تو ہے نہیں، لاؤ میں اس کو اپنے صندوق میں رکھ لیتا ہوں، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چھوٹی سی چنگاری سارے صندوق اور کپڑوں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔

بزرگوں کی گستاخی کا وبال

اسی طرح اللہ والوں کی بے حرمتی کرنا، ان کی شان میں گستاخی کرنا یا ان کا دل دکھانا یہ ایسی چیز ہے کہ بعض اوقات اس کی وجہ سے انسان کی مت الٹی جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی اللہ والے سے تمہیں اختلاف ہوگیا تو اس اختلاف کو اختلاف کی حد تک رکھو، لیکن اگر تم نے اس کی شان میں گستاخی اور بے ادبی شروع کر دی تو اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات انسان گناہوں میں پھنستا چلا جاتا ہے۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے، جس کا نام ہے ''درسِ عبرت'' اس میں ایک بہت بڑے بزرگ کا عبرت ناک واقعہ لکھا ہے، جو ساری عمر شیخ، بزرگ اور اللہ والے رہے، اور پھر اچانک مت الٹی ہوئی، اور برے کاموں کے اندر مبتلا ہو گئے۔ تو بعض اوقات یہ چھوٹے سے گناہ کا وبال ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ سوء خاتمہ پر منتج ہو جائے۔ اسی لئے تمام بزرگ ہمیشہ خاتمہ بالخیر کی دعائیں کراتے ہیں۔

نیک عمل کی برکت

اس کے برعکس بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے اعمال خراب ہیں، گناہوں کے اندر

مبتلا ہے، اچانک اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کی توفیق دیدی، اور یہ توفیق بھی کسی نیک عمل کے نتیجے میں ملتی ہے، مثلاً پہلے کسی چھوٹے نیک عمل کی توفیق ہوگئی اور پھر اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مزید نیک اعمال کی توفیق عطا فرمادی، اور اس کے نتیجے میں اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل گیا۔ اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا))(۱)

''تم میں سے کوئی بھی شخص کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھے''

کیا پتہ کہ وہی نیکی تمہاری زندگی کے اندر انقلاب پیدا کردے اور اس کی وجہ سے بیڑا پار ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے۔ اللہ والوں کے ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ چھوٹی سی نیکی کی اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے زندگی میں انقلاب پیدا فرمادیا۔ اس لئے چھوٹی سی نیکی کو بھی حقیر مت سمجھو۔ اور میں نے ایک رسالہ ''آسان نیکیاں'' کے نام سے لکھ دیا ہے۔ جس میں ایسے چھوٹے چھوٹے اعمال لکھ دیئے ہیں جن کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ اگر انسان ان نیک کاموں کو کرلے تو اس کے نتیجے میں اس کے نیک اعمال میں بہت زیادہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ رسالہ ضرور پڑھنا چاہئے اور ان نیکیوں کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تقدیر کی حقیقت

بعض لوگ اس حدیث کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ جب تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ کون شخص جنتی ہے اور کون سا شخص جہنمی ہے تو اب عمل کرنے سے کیا فائدہ۔ ہوگا تو وہی جو تقدیر میں لکھا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم وہی عمل کروگے جو تقدیر میں لکھا ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر میں وہی بات لکھی ہے جو تم لوگ اپنے اختیار سے کروگے۔ اس لئے کہ تقدیر تو علم الٰہی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کو پہلے سے پتہ تھا کہ تم اپنے اختیار سے کیا کچھ کرنے والے ہو۔ لہٰذا وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا۔ لیکن تمہارا جنت میں جانا یا جہنم میں جانا درحقیقت تمہارے اختیاری اعمال ہی کی بنیاد پر ہوگا۔ یہ بات نہیں ہے کہ انسان عمل وہی کرے گا جو تقدیر میں لکھا ہے، بلکہ تقدیر میں وہی لکھ دیا گیا ہے جو انسان اپنے اختیار سے عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے اور اس اختیار کے مطابق انسان عمل کرتا رہتا ہے۔ اب یہ سوچنا کہ تقدیر میں تو سب لکھ دیا گیا ہے، لہٰذا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ، یہ درست نہیں ہے۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب البرّ والصلة والأداب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، رقم: ۴۷۶۰، مسند أحمد، رقم: ۱۵۳۸۹

چنانچہ جب حضورِ اقدس ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھ لیا:

((فَفِيمَا الْعَمَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!))

''جب یہ فیصلہ ہو چکا کہ فلاں شخص جنتی اور فلاں شخص جہنمی، تو پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ؟''

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

((اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ))

''عمل کرتے رہو، اس لئے کہ ہر انسان کو وہی کام کرنا ہوگا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا تھا، لہٰذا تم اپنے اختیار کو کام میں لاکر عمل کرتے رہو''(۱)

بے فکر نہ ہو جائیں

اس حدیث کو یہاں لانے کا منشاء یہ ہے کہ آدمی یہ نہ سوچے کہ میں بڑے بڑے وظائف اور تسبیحات پڑھ رہا ہوں اور نوافل پڑھ رہا ہوں اور اپنی طرف سے پوری شریعت پر چل رہا ہوں اس لئے اب میں مطمئن ہو جاؤں۔ ارے آخر دم تک انسان کو مطمئن نہیں ہونا چاہئے، بلکہ یہ دھڑکا اور یہ خوف انسان کو لگا رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہ حالت بدل جائے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اندریں راہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

اس راستے میں تو ہر وقت تراش خراش چلتی رہتی ہے، ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں یہ غلط راستے پر تو نہیں جا رہا ہے۔ بڑے بڑے لوگ بے فکری کی وجہ سے پھسل گئے، اس لئے آخر دم تک انسان کو بے فکر نہ ہونا چاہئے۔

جہنم کا سب سے ہلکا عذاب

ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب جس شخص

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن، باب فسنيسره للعسرى، رقم: ٤٥٦٨، صحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه، رقم: ٤٧٨٧، سنن الترمذي، كتاب القدر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الشقاء والسعادة، رقم: ٢٠٦٢، سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في القدر، رقم: ٤٠٨٦، سنن أبي ماجه، المقدمة، في القدر، رقم: ٧٥، مسند أحمد، رقم: ١٩

کو ہوگا، وہ ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ اس کے پاؤں کے تلووں کے نیچے دو چنگاریاں رکھ دی جائیں گی، مگر ان کی شدت اتنی زیادہ ہوگی کہ اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا، اور وہ شخص یہ سمجھ رہا ہوگا کہ شاید سب سے زیادہ سخت عذاب مجھ کو ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کو سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔ (۱)

بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ عذاب حضور اقدس ﷺ کے چچا ابو طالب کو ہوگا، کیونکہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی مدد اور نصرت بہت کی تھی، لیکن آخر وقت تک ایمان نہیں لائے۔ اس لئے ان کو یہ عذاب ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

بہر حال، اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب سب سے ہلکے عذاب کی وجہ سے یہ حال ہوگا کہ اس چنگاری کے نتیجے میں اس شخص کا دماغ کھول رہا ہوگا تو جن کے لئے شدید عذاب کی وعید آئی ہے، ان کا کیا حال ہوگا؟ جہنم کے اس عذاب کا انسان کبھی کبھی تصور کر لیا کرے تو اس کے نتیجے میں انسان کے اندر خوف پیدا ہوتا ہے اور اس کے دل میں تقویٰ جاگزیں ہوتا ہے۔

جہنمیوں کے درجات

ایک حدیث میں مختلف جہنمیوں کا حال بیان فرماتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ جہنم کی آگ ان کے ٹخنے تک پہنچی ہوگی۔ جس کے صرف تلووں میں چنگاری رکھی جائے گی اس کا حال تو آپ نے اوپر کی حدیث میں سن لیا۔ اگر وہ آگ ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اور بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ جہنم کی آگ ان کے گھٹنوں تک پہنچی ہوئی ہوگی۔ اور بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ آگ ان کی کمر تک پہنچی ہوئی ہوگی۔ اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کی ہنسلی کی ہڈی تک آگ پہنچی ہوئی ہوگی۔ یہ جہنمیوں کے مختلف درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

میدانِ حشر میں انسانوں کا حال

یہ تو جہنم کا حال تھا، لیکن جہنم میں جانے سے پہلے جب میدانِ حشر میں پیشی ہوگی، اس وقت لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، یہاں تک کہ ایک شخص اپنے پسینے میں آدھے کانوں تک ڈوبا ہوا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم: ٦٠٧٦، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب أھون أھل النار عذابا، رقم: ٢٦١، سنن الترمذی، کتاب صفة جھنم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب ماجاء أن أکثر أھل النار النساء، رقم: ٢٥٢٩، مسند أحمد، رقم: ٢٥٠٤

ہوگا، گویا کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے پسینہ نکلتے نکلتے اتنا زیادہ ہوگیا کہ وہ آدھے کانوں تک پہنچ گیا۔
ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کا اتنا پسینہ بہے گا کہ وہ ستر ہاتھ زمین کے اندر بہہ کر چلا جائے گا۔ اور وہ پسینہ لوگوں کو ڈھانپتا رہے گا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔(۱)

جہنم کی وسعت

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں آپ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ یہ کس چیز کے گرنے کی آواز ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج سے ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم کے اندر پھینکا گیا تھا، آج وہ پتھر اس کی تہہ میں پہنچا ہے، یہ اس پتھر کے گرنے کی آواز ہے۔(۲)

پہلے لوگ اس کو بہت مبالغہ سمجھتے تھے کہ وہ پتھر ستر سال سفر کرنے کے بعد تہہ میں پہنچا، لیکن اب تو سائنس نے ترقی کرلی ہے، چنانچہ سائنس کا کہنا ہے کہ بہت سے ستارے ایسے ہیں کہ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں ان کی روشنی زمین کی طرف سفر کررہی ہے، لیکن آج تک وہ روشنی زمین تک نہیں پہنچی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اس قدر وسیع ہے تو پھر اس میں کیا بعد ہے کہ ایک پتھر جہنم کے اندر ستر سال سفر کرنے کے بعد اس کی تہہ میں پہنچا ہو۔ بہرحال، اس حدیث کے ذریعہ جہنم کی وسعت بتلانا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جہنم سے محفوظ رکھے۔

ان تمام احادیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کبھی کبھی اپنی موت کا اور جنت اور جہنم کی ان باتوں کا تصور کیا کرے۔ اس سے رفتہ رفتہ دلوں میں گداز اور خوف پیدا ہوگا۔ اس کے ذریعہ پھر نیک اعمال کا کرنا آسان ہوجائے گا اور گناہوں کو چھوڑنا بھی آسان ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں میں یہ خوف پیدا فرمادے۔ اور گناہوں سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) مسند أحمد، رقم: ١٦٧٩٨

(۲) صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب في شدة حر نار جهنم وبعد قعرها، رقم: ٥٠٧٨، مسند أحمد، رقم: ٨٤٨٤

مجاہدہ کی ضرورت واہمیت ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ٥﴾(۱)

گذشتہ جمعہ کو "مجاہدہ" سے متعلق جو گزارشات کی تھیں، ان کا خلاصہ یہ تھا کہ "مجاہدہ" کے معنی یہ ہیں کہ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کر کے اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق چلنے کی فکر کرنا۔ یہ مجاہدہ ہے۔ آج اس کی مزید تفصیل عرض کرنی ہے۔ تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ مجاہدہ کیوں کرنا پڑتا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

دنیاوی کاموں میں "مجاہدہ"

دین کا کام "مجاہدہ" کے بغیر نہیں چلتا، بلکہ دنیا کے کام بھی مجاہدے کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی شخص روزی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس کو بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے اپنے نفس کے تقاضوں کو کچلنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ نفس کا تقاضا تو یہ ہے کہ آرام سے گھر میں پڑا سوتا رہے، لیکن وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں سوتا رہ گیا تو روزی کیسے کماؤں گا۔

بچپن سے "مجاہدہ" کی عادت

بچپن ہی سے بچے کو مجاہدے کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ بچے کو جب شروع شروع میں پڑھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے تو اس کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے۔ پڑھنے کے لئے جانے کو اس کا دل نہیں چاہتا، لیکن اس کو اس کی طبیعت کے خلاف پڑھنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ یہ "مجاہدہ" ہے، لہٰذا تعلیم حاصل کرنے کے لئے، روزی کمانے کے لئے، بلکہ دنیا کے تمام مقاصد کے لئے انسان کو اپنی طبیعت کے خلاف کرنا پڑتا ہے۔ اگر انسان یہ سوچے کہ میں اپنی طبیعت کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا، ایسا شخص نہ دنیا کا کوئی مقصد حاصل کر سکتا ہے، اور دین کا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔

☆ اصلاحی خطبات (۲/۲۴۶ تا ۲۶۲)، ۱۷ مئی ۱۹۹۱ء، بروز جمعہ بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) العنکبوت: ٦٩

جنت میں مجاہدہ نہ ہوگا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالَم پیدا فرمائے ہیں۔ ایک عالم وہ ہے جس میں آپ کی ہر خواہش پوری ہوگی، اس میں خواہش کے خلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جو دل چاہے گا، وہ ہوگا۔ اس میں انسان نفس کی خواہش کے مطابق کرنے کے لئے آزاد ہوگا، اس کو اس کے مواقع میسر ہوں گے، وہ عالم ''جنت'' ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۝﴾(۱)

یعنی جو تمہارا دل چاہے گا، وہ ملے گا، اور جو مانگو گے وہ ملے گا۔

بعض روایات میں یہ تفصیل آئی ہے کہ مثلاً بیٹھے بیٹھے یہ دل چاہا کہ انار کا جوس پی لوں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ قریب میں نہ تو انار ہے، اور نہ انار کا درخت ہے، اور نہ جوس نکالنے والا ہے، لیکن یہ ہوگا کہ جس وقت تمہارے دل میں اس کے پینے کا خیال آیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انار کا جوس نکل کر تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو یہ قدرت عطا فرمائیں گے کہ جس چیز کا دل چاہے گا، وہ ملے گا۔ وہاں پر تمہیں کسی خواہش کو کچلنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی تقاضے کو دبانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی خواہش کے خلاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ عالم جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے وہ عالم عطا فرمادے۔

عالَم جہنم

دوسرا عالم اس کے بالکل برعکس ہے، وہاں ہر کام طبیعت کے خلاف ہوگا، ہر کام دکھ دینے والا ہوگا، ہر کام غم میں مبتلا کرنے والا، ہر کام میں تکلیف اور مصیبت ہوگی، کوئی آرام، کوئی راحت اور کوئی خوشی نہیں ہوگی، وہ عالم دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

یہ عالم دنیا ہے

تیسرا عالم وہ ہے جس میں طبیعت کے مطابق بھی کام ہوتے ہیں، اور طبیعت کے خلاف بھی کام ہوتے ہیں، خوشی بھی حاصل ہوتی ہے، غم بھی آتا ہے، تکلیف بھی پہنچتی ہے، راحت بھی ملتی ہے، اس عالم میں کسی کی کوئی تکلیف خالص نہیں، کوئی راحت خالص نہیں، ہر راحت میں تکلیف کا کوئی کانٹا لگا ہوا ہے، اور ہر تکلیف میں راحت کا پہلو بھی ہے۔ یہ عالم دنیا ہے۔ اس دنیا میں آپ بڑے سے بڑے

---

(۱) حٰمٓ السجدۃ: ۳۱

سرمایہ دار، بڑے سے بڑے دولت مند، بڑے سے بڑے صاحبِ وسائل سے پوچھ لیجئے کہ تمہیں کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہے یا نہیں؟ یا تم ساری عمر آرام اور اطمینان سے رہے؟ کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہہ دے کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور کوئی کام میری طبیعت کے خلاف نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ عالم دنیا ہے، جنت نہیں ہے، یہاں راحت بھی پہنچے گی، تکلیف بھی پہنچے گی۔ یہ دنیا تو اسی کام کے لئے بنائی گئی ہے۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ مجھے راحت ہی راحت ملے، کبھی تکلیف نہ ہو، تو ایسا کبھی زندگی بھر نہیں ہوسکتا۔ ایک شاعر نے کہا ہے کہ۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

لہٰذا یہ دنیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی کام کے لئے بنائی ہے کہ اس میں تمہارے دل کو راحتیں بھی ملیں گی، اور اس کو توڑنے والے اسباب اور حالات بھی ہوں گے، اس لئے جیتے جی مرتے دم تک غم سے نجات ممکن نہیں۔ اور تو اور انبیاء علیہم السلام جو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں، ان کو بھی تکلیفیں پیش آئیں، بلکہ بسا اوقات عام لوگوں سے زیادہ پیش آئیں، ان کو بھی طبیعت کے خلاف واقعات پیش آئے، اس دنیا کے اندر کوئی انسان بھی ان سے بچ نہیں سکتا، اگر انسان کافر بن کر رہے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا، اگر مؤمن بن کر رہے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا، خدا کا انکار کرے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا۔

یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کرلو

لہٰذا جب اس دنیا میں طبیعت کے خلاف باتیں پیش آنی ہی ہیں، تو پھر طبیعت کے خلاف کام کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ طبیعت کے خلاف کام بھی کرو، صدمے بھی اُٹھاؤ، تکلیفیں بھی برداشت کرو، لیکن ان تکلیفوں کے بدلے میں آخرت میں کوئی نتیجہ نہ نکلے، اس غم سے آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے خلاف کام کرے، نفس کے تقاضے کو کچلے، تاکہ آخرت سنور جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجائے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت یہ ہے کہ اس دنیا میں طبیعت کے خلاف تو ہونا ہی ہے۔ تمہارا دل چاہے، یا نہ چاہے، لیکن ایک مرتبہ یہ عہد کرلو کہ طبیعت کے خلاف وہ کام کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

مثلاً نماز کا وقت ہوگیا۔ مسجد سے پکار آرہی ہے، لیکن جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ اور سستی ہورہی ہے، تو اب ایک راستہ یہ ہے کہ دل کے چاہنے پر عمل کرلیا، اور بستر پر لیٹے رہے، اور اتنے میں

دروازے پر دستک ہوئی، معلوم ہوا کہ دروازے پر ایک ایسا آدمی آ گیا ہے جس کے لئے نکلنا ضروری ہے، چنانچہ اس کی خاطر بستر چھوڑا، اور باہر نکل گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ طبیعت کے خلاف بھی ہوا۔ خواہش کے خلاف بھی ہوا، اور آرام بھی نہیں ملا، تکلیف جوں کی توں رہی۔ لہٰذا آدمی یہ سوچے کہ تکلیف سے بچنا تو میرے قبضہ اور قدرت میں نہیں ہے، اس لئے کیوں نہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے تکلیف برداشت کر لوں۔ یہ سوچ کر اس وقت اُٹھ کر نماز کے لئے چلا جائے۔

اگر اس وقت بادشاہ کا پیغام آ جائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ ہمارے لئے بڑی کارآمد باتیں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے کہ بھئی! اگر تمہیں نماز کے لئے جانے میں سستی ہو رہی ہو یا کسی دین کے کام میں سستی ہو رہی ہو، مثلاً فجر کی نماز کے لئے یا تہجد کی نماز کے لئے سستی ہو رہی ہے۔ آنکھ تو کھل گئی، مگر نیند کا غلبہ ہے، بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اس نیند کے غلبے کے عالم میں اگر تمہارے پاس یہ پیغام آ جائے کہ سربراہِ مملکت تمہیں بہت بڑا اعزاز دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ اعزاز اسی وقت تمہیں ملے گا، تو یہ بتاؤ کہ اس وقت وہ نیند اور وہ سستی باقی رہے گی؟ ظاہر ہے کہ وہ نیند اور سستی سب غائب ہو جائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے دل میں اس اعزاز کی قدر و منزلت ہے، جس کی وجہ سے تم طبیعت کے خلاف کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے، اور یہ سوچو گے کہ کہاں کی غفلت، کہاں کی نیند، اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے دوڑ جاؤ، اگر یہ موقع نکل گیا تو پھر ہاتھ آنے والا نہیں، چنانچہ اس کام کے لئے نیند اور آرام چھوڑ کر فوراً نکل کھڑے ہو گے، لہٰذا جب تم ایک دنیا کے بادشاہ سے اعزاز حاصل کرنے کے لئے نیند چھوڑ سکتے ہو، اپنی راحت چھوڑ سکتے ہو، تو پھر اللہ جل جلالہ اور احکم الحاکمین کو راضی کرنے کے لئے راحت اور نیند نہیں چھوڑ سکتے؟ جب کسی نہ کسی وجہ سے راحت اور نیند چھوڑنی ہے تو پھر کیوں نہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے راحت و آرام چھوڑا جائے؟

اللہ تعالیٰ کی معیت کوشش کرنے والوں کے لئے

حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی پیغام ہے کہ اپنے نفس کو طبیعت کے خلاف ایسے کام کرنے کی عادت ڈالو جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے ہوں، اسی کا نام ''مجاہدہ'' ہے۔ جو صدمے اور جو تکلیفیں غیر اختیاری طور پر پہنچ رہی ہیں، بظاہر ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو لوگ ہماری خاطر یہ ''مجاہدہ'' کریں گے، ہماری خاطر نفس کے خلاف کام کریں گے تو ہم ضرور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے چلیں گے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾(۱)

اور وہ راستہ پر تنہا نہیں ہوں گے، بلکہ جو شخص اس راستے پر چل رہا ہے، وہ محسنین میں سے ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ محسنین کا ساتھی بن جاتا ہے۔

وہ کام آسان ہو جائے گا

اللہ تبارک وتعالیٰ کیسے ان کا ساتھی بن جاتا ہے؟ اس طرح کہ شروع میں نفس کی مخالفت میں بڑی دشواری معلوم ہو رہی تھی، طبیعت کے خلاف کرنا بڑا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے تو پھر وہی راستہ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں۔ ایک شخص کو نماز کی عادت نہیں ہے، نماز پڑھنا بھاری معلوم ہوتا ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھنا مشکل لگتا ہے۔ لیکن اس نے نفس کے اس تقاضے کے باوجود نماز پڑھنی شروع کر دی، یہاں تک کہ نماز کا عادی بن گیا، اب عادی بننے کے بعد اسی شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ نماز پڑھنے میں کوئی مشقت ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہزار روپے لے لو، اور آج کی نماز چھوڑ دو، بتایئے کیا وہ شخص نماز چھوڑنے پر راضی ہوگا؟ ہرگز نہیں، جو شخص ایک مرتبہ نماز کا عادی بن گیا، وہ کبھی ہزاروں روپے لے کر بھی ایک نماز چھوڑنے پر راضی نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس کام کو پہلے وہ مشکل سمجھ رہا تھا تھوڑے سے عرصے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو آسان کر دیا۔

آگے قدم تو بڑھاؤ

یہی حال پورے دین کا ہے، اگر انسان بیٹھ کر سوچتا رہے تو اس کو مشکل نظر آئے گا، لیکن جب دین کے راستے پر چلنا شروع کر دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے آسان فرما دیتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے تھے کہ ایک لمبی سڑک سیدھی جا رہی ہو، اور اس کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں ہوں، دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی، اب اگر کوئی شخص اس سڑک پر کھڑا ہو کر دیکھے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ درختوں کی دونوں قطاریں آپس میں آگے جا کر مل گئی ہیں۔ اور آگے راستہ بند ہے۔ اگر کوئی احمق شخص یہ کہے کہ چونکہ آگے چل کر درختوں کی قطاریں آپس میں مل گئی ہیں، اس لئے اس سڑک پر چلنا بیکار ہے، تو یہ شخص کبھی راستہ قطع نہیں کر سکے گا، اور کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ وہی شخص منزل تک پہنچ سکے گا جو راستہ کو بند دیکھنے کے باوجود آگے قدم بڑھائے گا۔ اس لئے کہ جب وہ آگے قدم بڑھائے گا تو اسے نظر آئے گا کہ حقیقت میں راستہ بند نہیں تھا، بلکہ آنکھیں

---

(۱) العنکبوت: ۶۹

دھوکہ دے رہی تھیں، جوں جوں وہ آگے بڑھتا چلا جائے گا، راستے کھلتے چلے جائیں گے، اس لئے دین کے راستے پر چلنے والوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ دور دور سے مشکل سمجھ کر مت بیٹھ جاؤ۔ اللہ کے بھروسے پر آگے قدم بڑھانا شروع کردو۔ جب آگے قدم بڑھاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راستہ آسان فرمادیں گے۔ البتہ ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، اور طبیعت کے خلاف کام کرنے کا عزم کرنا پڑے گا۔ اور اسی کا نام ''مجاہدہ'' ہے۔

جائز کاموں سے رکنا بھی مجاہدہ ہے

اصل مجاہدہ تو یہ ہے کہ انسان جو ناجائز اور شریعت کے خلاف کام کررہا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچائے، اور اپنے نفس پر زبردستی دباؤ ڈال کر ان سے باز رہے، لیکن چونکہ ہمارا نفس لذتوں کا، خواہشات کا اور راحتوں کا عادی ہو چکا ہے، اور اتنا زیادہ عادی بنا ہوا ہے کہ اگر اس کو اللہ کے راستے کی طرف اور شریعت کی طرف موڑنا چاہو تو آسانی سے نہیں مڑتا، بلکہ دشواری پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس نفس کو رام کرنے کے لئے اور اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے تابع بنانے کے لئے اس کو بعض مباح اور جائز کاموں سے بھی روکنا پڑتا ہے، اس لئے کہ جب نفس کو جائز کاموں سے روکیں گے تو پھر اس کو لذتوں کو چھوڑنے کی عادت پڑے گی، اور پھر اس کے لئے ناجائز امور سے بچنا بھی آسان ہو جائے گا، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس کو بھی ''مجاہدہ'' کہا جاتا ہے۔

مثلاً خوب پیٹ بھر کر کھانا کوئی گناہ کا کام نہیں، لیکن صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خوب پیٹ بھر کر مت کھاؤ، اس لئے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نفس غافل ہو جائے گا، اور لذتوں کا خوگر ہو جائے گا، اس لئے نفس کو عادی بنانے کے لئے کھانے میں تھوڑی سی کمی کردو، یہ بھی ''مجاہدہ'' ہے۔

جائز کاموں میں مجاہدہ کیوں؟

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا بات ہے کہ صوفیاء کرام بعض جائز کاموں سے بھی روک دیتے ہیں؟ اور ان کو چھڑا دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جائز قرار دیا ہے؟ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو اس کی مثال یہ ہے کہ یہ کتاب کا ورق ہے، اس ورق کو موڑو، موڑ دیا، اچھا اس کو سیدھا کرو، اب وہ ورق سیدھا نہیں ہوتا، بہت کوشش کرلی۔ لیکن وہ دوبارہ مڑ جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس ورق کو مخالف سمت میں موڑ دو، یہ سیدھا ہو جائے گا، پھر فرمایا کہ یہ نفس کا کاغذ بھی گناہوں کی طرف مڑا ہوا ہے، معصیتوں کی طرف مڑا ہوا ہے، اب اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ سیدھا نہیں ہوگا، اس کو

دوسری طرف موڑ دو، اور تھوڑے سے مباحات بھی چھڑا دو، جس کے نتیجے میں یہ بالکل سیدھا ہو جائے گا۔اور راستے پر آجائے گا۔یہ بھی ''مجاہدہ'' ہے۔

چار مجاہدات

چنانچہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے یہاں چار چیزوں کا مجاہدہ کرنا مشہور ہے:

(۱) تقلیلُ الطعام، کم کھانا

(۲) تقلیلُ الکلام، کم بولنا

(۳) تقلیلُ المنام، کم سونا

(۴) تقلیلُ الاختلاط مع الانام، لوگوں سے کم ملنا

کم کھانا ''مجاہدہ'' ہے

(۱) تقلیلُ الطعام، کم کھانا

پہلے زمانے میں صوفیاء کرام کم کھانے پر بڑے بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے، یہاں تک کہ فاقہ کشی تک نوبت آجاتی تھی، لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ یہ زمانہ اب اس قسم کے مجاہدوں کا نہیں ہے، اب تو لوگ ویسے ہی کمزور ہیں۔اگر کھانا کم کردیں گے تو اور بیماریاں آجائیں گی، اور اس کے نتیجے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلے جو عبادت کرتا تھا، اس سے بھی محروم ہو جائے۔اس لئے فرمایا کہ آج کے دور میں انسان ایک بات کی پابندی کرلے تو پھر تقلیلِ طعام کا مقصد حاصل ہو جائے گا، وہ یہ کہ جب کھانا کھائے تو کھانا کھاتے وقت ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ اس وقت دل میں یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ اب مزید کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ کچھ اور کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ بس جس وقت یہ تردد کا مرحلہ آئے، اس وقت کھانا چھوڑ دو، اس سے تقلیلِ طعام کا منشا پورا ہو جائے گا۔

اور یہ جو تردد پیدا ہوتا ہے کہ مزید کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ یہ عقل اور طبیعت کے درمیان لڑائی ہوتی ہے۔کیونکہ کھانا کھانے میں مزہ آرہا ہے، تو اب نفس یہ تقاضا کررہا ہے کہ اور کھانا کھا کر مزہ لے لے، اور عقل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اب مزید کھانا مت کھاؤ، اب مزید کھاؤ گے تو کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ، نفس اور عقل کے درمیان یہ لڑائی ہوتی ہے، اور اس لڑائی کا نام تردد ہے، لہٰذا ایسے موقع پر نفس کے تقاضے کو چھوڑ دو، اور عقل کے تقاضے پر عمل کرلو۔

وزن بھی کم اور اللہ بھی راضی

یہ مضمون میں نے حضرت والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سنا، اور مواعظ میں بھی پڑھا، لیکن بعد میں ایک ماہر ڈاکٹر کا مضمون نظر سے گزرا، جس میں لکھا تھا:

آج کل لوگ اپنے بدن کا وزن کم کرنے کے لئے طرح طرح کے نسخے استعمال کرتے ہیں۔ کسی نے روٹی چھوڑ دی۔ کسی نے دوپہر کا کھانا چھوڑ دیا۔ آجکل کی اصطلاح میں اس کو ''ڈائیٹنگ'' کہتے ہیں۔ یورپ میں اس کا بہت رواج ہے، یہ چیز وہاں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جسم کا وزن کم ہو جائے۔ اور خاص طور پر خواتین میں اس کا اتنا رواج ہے کہ گولیاں کھا کھا کر وزن کم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور بعض اوقات اس میں مر بھی جاتی ہیں۔

اس کے بعد وہ ڈاکٹر لکھتا ہے کہ میرے نزدیک وزن کم کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی نہ تو کسی وقت کا کھانا مستقل چھوڑے، نہ روٹی کم کرے، بلکہ ساری عمر اس کا معمول بنالے کہ جتنی بھوک ہے، اس سے تھوڑا سا کم کھا کر کھانا بند کر دے۔ اس کے بعد اس ڈاکٹر نے بعینہ یہ بات لکھی ہے کہ جس وقت کھانا کھاتے ہوئے یہ تردد ہو جائے کہ کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں، اس وقت کھانا چھوڑ دے۔ جو شخص اس پر عمل کرے گا، اس کو کبھی جسم بڑھنے کی اور معدے کے خراب ہونے کی شکایت نہیں ہوگی، اور نہ اس کو ڈائیٹنگ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

یہی بات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کئی سال پہلے لکھ گئے تھے۔ اب چاہو تو وزن کم کرنے کی خاطر اس پر عمل کرلو، چاہو تو اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اس مشورے پر عمل کرلو۔ لیکن اگر نفس کے علاج کے طور پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کرو گے تو اس کام میں اجر و ثواب بھی ملے گا، اور وزن بھی کم ہو جائے گا۔ اور اگر صرف وزن کم کرنے کی خاطر کرو گے تو شاید وزن تو کم ہو جائے گا۔ لیکن اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

نفس کو لذت سے دور رکھا جائے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ہمارے لئے یہ عمل کتنا آسان کر دیا۔ ورنہ پہلے زمانے میں تو صوفیاء کرام خدا جانے کیا کیا ریاضتیں کرایا کرتے تھے۔ صوفیاء کرام کے یہاں لنگر ہوا کرتے تھے۔ اس لنگر کے اندر شوربا بنتا تھا۔ خانقاہ میں جو مریدین ہوا کرتے تھے، ان کو یہ حکم ہوتا تھا کہ جس کے پاس ایک پیالہ شوربے کا آئے تو وہ اس شوربے میں ایک پیالہ پانی ملائے، اور پھر کھائے، تاکہ نفس کو

لذت گیری کی قید سے آزاد کیا جائے۔ اس کے علاوہ ان سے فاقے بھی کرواتے تھے۔ لیکن وہ زمانہ اور تھا، اور آجکل کا زمانہ اور ہے۔ جیسے طب کے اندر زمانے کے بدلنے سے علاج کے طریقے بدل جاتے ہیں۔ اس طرح حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ہمارے زمانے کے لحاظ سے، ہمارے مزاجوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نسخے تجویز کر گئے، تقلیلِ طعام کا یہ نسخہ ہمارے لئے تجویز کر گئے، جس سے تقلیلِ طعام کا منشا حاصل ہو جائے گا۔

پیٹ بھرے کی مستیاں

پورا پیٹ بھر کر اس طرح کھانا کہ اس کا کوئی حصہ خالی نہ رہے، اگرچہ فقہی اعتبار سے ناجائز نہیں، حرام نہیں، لیکن یہ انسان کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی بیماریوں کا سبب اور ذریعہ ہے، اس لئے کہ جتنی معصیتیں اور نافرمانیاں ہیں، وہ سب بھرے ہوئے پیٹ پر سوجھتی ہیں۔ اگر آدمی کا پیٹ بھرا ہوا نہ ہو تو یہ گناہ اور نافرمانیاں نہیں سوجھتیں۔ اس لئے حکم یہ ہے کہ ''شِبَع'' یعنی پیٹ بھرے ہونے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ اسی کا نام ''تقلیلِ طعام'' کا مجاہدہ ہے۔

کم بولنا ''مجاہدہ'' ہے

دوسری چیز ہے ''تقلیلِ کلام'' بات کم کرنا۔ یعنی صبح سے شام تک یہ ہماری زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے، اور اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ جو منہ میں آرہا ہے، انسان بول رہا ہے، یہ صورتِ حال غلط ہے۔ اس لئے جب تک انسان اس زبان کو لگام نہیں دے گا، اور اس کو قابو نہیں کرے گا، اس وقت تک یہ گناہ کرتی رہے گی۔ یاد رکھئے، حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز اس کی زبان ہے،(۱) اس لئے کہ جب زبان کو آزاد چھوڑ رکھا ہے، اس پر روک ٹوک نہیں ہے تو پھر وہ زبان جھوٹ میں مبتلا ہوگی، غیبت میں مبتلا ہوگی، دل آزاری میں مبتلا ہوگی، ان گناہوں کے سبب وہ جہنم میں جائے گا۔

زبان کے گناہوں سے بچ جائے گا

اس لئے انسان کو ''تقلیلِ کلام'' کا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے کہ بات کم کرے، زبان سے فضول بات نہ نکالے، ضرورت کے مطابق بات کرے، اور بولنے سے پہلے یہ سوچے کہ یہ بات کرنا میرے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ کہیں گناہ کی بات تو نہیں، اور بلاوجہ زبان چلانے سے بچے، اور پھر آہستہ آہستہ

---

(۱) المعجم الکبیر، رقم: ۱۶۶۲۶ (۱۵/۱۴)

انسان کم بولنے کا عادی ہوجاتا ہے، پھر یہ ہوتا ہے کہ بولنے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن اس نے اپنی اس خواہش کو دبا دیا تو اس کے نتیجے میں زبان پر قابو پیدا ہوجاتا ہے۔ اور پھر وہ جھوٹ، غیبت اور اس طرح کے دوسرے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا۔

جائز تفریح کی اجازت ہے

یہ جو فضول قسم کی مجلس آرائی ہوتی ہے، جس کو آجکل کی اصطلاح میں گپ شپ کہا جاتا ہے، کوئی دوست مل گیا تو فوراً اس سے کہا کہ آؤ ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں، یہ گپ شپ لازماً انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ ہاں! شریعت نے ہمیں تھوڑی بہت تفریح کی بھی اجازت دی ہے۔ نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً فَسَاعَةً))(۱)

''دِلوں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے آرام بھی دیا کرو''

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر قربان جایئے کہ ہمارے مزاج، ہماری نفسیات اور ہماری ضروریات کو ان سے زیادہ پہچاننے والا اور کون ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ان سے کہا گیا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کچھ نہ کرو، ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہو تو یہ ایسا نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے کہ یہ فرشتے نہیں ہیں۔ یہ تو انسان ہیں۔ ان کو تھوڑے سے آرام کی بھی ضرورت ہے، تھوڑی سی تفریح کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے تفریح کے لئے کوئی بات کرنا، خوش طبعی کے ساتھ ہنس بول لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ پسندیدہ ہے، اور نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ لیکن اس میں زیادہ منہمک ہوجانا کہ اسی میں کئی کئی گھنٹے برباد ہورہے ہیں، قیمتی اوقات ضائع ہورہے ہیں تو یہ چیز انسان کو لازمی طور پر گناہ کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ تم باتیں کم کرنے کی عادت ڈالو، اور یہ بھی ''مجاہدہ'' ہے۔

مہمان سے باتیں کرنا سنت ہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے۔ وہ باتیں بہت کرتے تھے۔ جب بھی آتے تو بس اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کردیتے، اور رکنے کا نام نہ

(۱) کنزالعمال، رقم: ٥٣٥٤ (٣٧/٣)، کشف الخفاء، رقم: ١٤٠٠ (٣٨٣/٢)، سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد (٣٩٤/٩)، جامع بيان العلم وفضله، رقم: ٤٨٣ (٨/٢)، جامع الأحاديث، رقم: ١٢٧٨٩ (١٤٨/١٣)

لیتے۔ ہمارے سب بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص مہمان بن کر ملنے کے لئے آتا تو اس کا اکرام کرتے، اس کی بات سنتے، اور حتی الامکان اس کی تشفی کی کوشش کرتے۔ یہ کام ایک مصروف آدمی کے لئے بڑا مشکل ہے۔ جن لوگوں کی زندگی مصروفیات سے بھری ہو، وہ جان سکتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ سے کوئی شخص ملنے کے لئے آتا، اور آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اس کی طرف سے کبھی منہ نہیں موڑتے تھے، جب تک وہ خود ہی منہ نہ موڑ لے، اس کی بات سنتے رہتے تھے، چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں:

((حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَ الْمُنْصَرِفُ))(۱)

"حتیٰ کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے"

یہ کام بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ بعض لوگ لمبی بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں، ان کی پوری بات پوری توجہ سے سننا ایک مشکل کام ہے، لیکن حضور ﷺ کی سنت کی وجہ سے ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ آنے والے کی بات سنتے، اس کی تشفی کرتے۔

اصلاح کا ایک طریقہ

لیکن اگر کوئی شخص اصلاح کی غرض سے آتا تو اس پر روک ٹوک ہوتی تھی، بہر حال! وہ صاحب آکر باتیں شروع کر دیتے۔ اور حضرت والد صاحب مسکیت سے اس کی باتیں سنتے رہتے۔ ایک دن اُن صاحب نے آکر حضرت والد صاحب سے بیعت کی درخواست کی کہ حضرت! میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، میرے لئے کوئی وظیفہ کوئی تسبیح بتا دیجئے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارے لئے کوئی تسبیح اور وظیفہ نہیں ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ زبان کو قابو میں کرو، اس پر تالو ڈالو، تم جو ہر وقت بولتے رہتے ہو، زبان نہیں رکتی، یہ غلط ہے۔ آئندہ جب آؤ تو بالکل خاموش بیٹھے رہو، زبان سے کوئی لفظ نہ نکالنا۔ اب اس پابندی کے نتیجے میں ان صاحب پر قیامت گزر گئی۔ یہ خاموش بیٹھنے کا مجاہدہ ان کے لئے ہزار مجاہدوں سے بھاری تھا۔ اب یہ ہوتا کہ بار بار ان کے دل میں بولنے کا تقاضا پیدا ہوتا، لیکن پابندی کی وجہ سے نہ بولنے پر مجبور ہیں۔ اور اسی علاج کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سارا طریق طے کرا دیا۔ اس لئے کہ حضرت والد صاحب یہ سمجھ گئے تھے کہ ان کی

---

(۱) الشمائل المحمدیة للترمذی، رقم: ۳۳۱ (۳۷۷/۱)، کنز العمال، رقم: ۱۸۵۳۵ (۱٦٤/۷)، الشفاء بتعریف حقوق المصطفی (۱۲۰/۱)، دلائل النبوة للبیهقی (۲٦۹/۱)، شعب الإیمان (۱۵٤/۲)، المعجم الکبیر للطبرانی (۳۰/۱٦)

بنیادی بیماری یہ ہے، جب یہ قابو میں آجائے گی تو سب کام آسان ہو جائے گا، چنانچہ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ ہر ایک کی بیماری الگ الگ ہے، لہٰذا حالات کو دیکھ کر شیخ علاج تجویز کرتا ہے کہ اس کے لئے کونسا علاج مفید ہوگا۔ بہرحال یہ "تقلیل کلام" کا مجاہدہ ہے۔

کم سونا "مجاہدہ" ہے

تیسرا مجاہدہ ہے "تقلیل منام" یعنی کم سونا، اس میں بھی پہلے تو نہ سونے کا مجاہدہ ہوتا تھا، چنانچہ جیسا کہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ کم سونے کی حد یہ ہے کہ آدمی کو دن رات میں کم از کم چھ گھنٹے ضرور سونا چاہئے، چھ گھنٹے سے کم نہ کرے، ورنہ بیمار ہو جائے گا۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو بے وقت سونے کی عادت ہے تو وہ اس کو ختم کرے، یہ بھی کم سونے کی حد میں داخل ہے، اور یہ بھی "مجاہدہ" ہے۔

لوگوں سے تعلقات کم رکھنا "مجاہدہ" ہے

چوتھا مجاہدہ ہے "تقلیل الاختلاط مع الانام" یعنی لوگوں سے میل جول کم کرنا، اور بہت زیادہ میل جول سے پرہیز کرنا، اس لئے کہ انسان کے جتنے زیادہ تعلقات ہوں گے، اتنا ہی گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ تجربہ کرکے دیکھ لو۔ آجکل تو تعلقات بڑھانا باقاعدہ ایک فن اور ہنر بن گیا ہے، جس کو "پبلک ریلیشن" (Public Relation) کہا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ تعلقات زیادہ پیدا کرو، اور اپنا اثر ورسوخ بڑھاؤ، اور ان تعلقات کی بنیاد پر اپنا کام نکالو، لیکن ہمارے بزرگوں نے اس سے منع فرمایا ہے کہ بلاضرورت تعلقات نہ بڑھائے جائیں، بلکہ تعلقات کو کم کیا جائے۔

دل ایک آئینہ ہے

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو ایک آئینہ بنایا ہے، جو تصویر انسان کے سامنے سے گزرتی ہے، اس کا عکس دل پر جم جاتا ہے، لہٰذا جب انسان کے تعلقات زیادہ ہوں گے تو اس میں پھر اچھے لوگ بھی آئیں گے، اور برے بھی آئیں گے، اور جب برے کاموں میں مصروف لوگ ملاقات کریں گے تو ان کے کاموں کا عکس دل پر پڑے گا، اور اس سے دل خراب ہوگا، اس لئے فرمایا کہ دوسرے لوگوں سے بلاضرورت زیادہ نہ ملو، دوسرے لوگوں سے تعلقات جتنے کم ہوں گے، اتنا ہی اللہ جل شانہ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۔

تعلق حجاب است و بے حاصلی
چون پیوند ہا بگسلی واصلی

یعنی یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں حجاب اور پردے بن جاتے ہیں۔ دنیا کی جتنی محبتیں بڑھیں گی کہ اس سے بھی محبت ہے، اس سے بھی محبت ہے، اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق میں کمی آئے گی۔ البتہ جو حقوق العباد ہیں، وہ بیشک ادا کرتے ہیں، ان میں کوتاہی نہیں کرنی ہے۔ لیکن بلاوجہ تعلقات نہیں بڑھانا چاہئے، اسی کا نام "تقلیل الاختلاط مع الانام" ہے۔

بہر حال یہ مجاہدات اس لئے کرائے جاتے ہیں، تاکہ ہمارا یہ نفس قابو میں آجائے۔ اور ناجائز کاموں پر اکسانا چھوڑ دے، اس لئے یہ مجاہدات ہر انسان کو کرنے چاہئیں اور بہتر یہ ہے کہ یہ مجاہدات کسی رہنما کی نگرانی میں کرے، خود اپنی مرضی اور اپنے فیصلے سے نہ کرے، اس لئے کہ اگر انسان خود سے یہ فیصلہ کرے گا کہ میں کتنا کھاؤں، کتنا نہ کھاؤں، کتنا سوؤں، کتنا نہ سوؤں، کتنے لوگوں سے تعلقات رکھوں، کن سے تعلقات نہ رکھوں، تو اس میں بے اعتدالی ہو سکتی ہے، لیکن جب کسی رہنما کی رہنمائی میں یہ کام کرے گا تو انشاء اللہ اس کے فوائد حاصل ہوں گے، اور ہر کام اعتدال میں رہ کر ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اللہ تعالیٰ سے تعلق کا آسان طریقہ ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاسْمِہٖ، عِمَامَۃً أَوْ قَمِیْصًا أَوْ رِدَاءً یَقُوْلُ ((اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ، أَسْأَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ))(۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب آپ کوئی نیا کپڑا پہنتے، تو اس کپڑے کا نام لیتے، چاہے وہ عمامہ یا قمیص ہو یا چادر ہو، اور اس کا نام لے کر یہ دعا کرتے:

((اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ، أَسْأَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ))

''اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ لباس عطا فرمایا، میں آپ سے اس لباس کے خیر کا سوال کرتا ہوں، اور جن کاموں کے لئے یہ بنایا گیا ہے، ان میں سے بہتر کاموں کا سوال کرتا ہوں، اور میں آپ سے اس لباس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں، اور جن برے کاموں کے لئے یہ بنایا گیا ہے، اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں''

ہر وقت کی دعا الگ ہے

لباس پہنتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اگر کسی کو یہ الفاظ یاد نہ

☆ اصلاحی خطبات (۴/۱۳۲ تا ۱۴۳)، ۷ ستمبر ۱۹۹۳ء، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول اللہ، باب ما یقول إذا لبس ثوبا جدیدا، رقم: ۱۶۸۹، سنن أبی داود، کتاب اللباس، باب، رقم: ۳۵۰۴، مسند أحمد، رقم: ۱۰۸۱۸

ہوں تو پھر اُردو ہی میں لباس پہنتے وقت یہ الفاظ کہہ لیا کرے۔حضور اقدس ﷺ کا اس اُمت پر یہ عظیم احسان ہے کہ آپ ﷺ نے قدم قدم پر اللہ جل شانہ سے دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا۔ہم تو وہ لوگ ہیں جو محتاج تو بے انتہاء ہیں، لیکن ہمیں مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔ہمیں نہ تو یہ معلوم ہے کہ کیا مانگا جائے۔اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس طرح مانگا جائے۔لیکن حضور اقدس ﷺ نے ہمیں طریقہ بھی سکھادیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو۔صبح سے لے کر شام تک بے شمار اعمال انسان انجام دیتا ہے۔تقریباً ہر عمل کے لئے علیحدہ دعا حضور اقدس ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔مثلاً فرمایا کہ صبح کو جب بیدار ہو تو یہ دعا پڑھو، جب استنجاء کے لئے جانے لگو تو یہ دعا پڑھو، استنجاء سے فارغ ہو کر باہر آؤ تو یہ دعا پڑھو، جب وضو شروع کرو تو یہ دعا پڑھو، وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتے رہو، وضو سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھو، جب نماز کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھو، اور پھر مسجد میں عبادت کرتے رہو، پھر جب مسجد سے باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھو، جب بازار میں پہنچو تو یہ دعا پڑھو، گویا کہ ہر ہر نقل وحرکت پر حضور اقدس ﷺ نے دعائیں تلقین فرمادیں کہ یہ دعائیں اس طرح پڑھا کرو۔

تعلق مع اللہ کا طریقہ

یہ ہر ہر نقل وحرکت پر علیحدہ علیحدہ دعا کیوں تلقین فرمائی؟ یہ درحقیقت حضور اقدس ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کے لئے نسخہ اکسیر بتادیا۔اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا آسان ترین اور مختصر ترین راستہ یہ ہے کہ ہر وقت انسان اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے اور دعا کرتا رہے قرآن کریم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾(۱)

''اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو، کثرت سے اس کا ذکر کرو''

حضور اقدس ﷺ سے کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ، سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے:

((لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ))(۲)

یعنی تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہے، ہر وقت زبان پر ذکر جاری رہے۔خلاصہ

---

(۱) الاحزاب: ٤١

(۲) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما جاء فی فضل الذکر، رقم: ۳۲۹۷، سنن ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب فضل الذکر، رقم: ۳۷۸۳، مسند أحمد، رقم: ۱۷۰۲۰

یہ کہ کثرت سے ذکر کرنے کا حکم قرآن کریم نے بھی دیا، اور حضور اقدس ﷺ نے حدیث میں اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ذکر سے بے نیاز ہے

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کثرتِ ذکر کا کیوں حکم دیا؟ العیاذ باللہ، کیا اللہ تعالیٰ کو ہمارے ذکر سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو اس بات سے مزہ آتا ہے کہ میرے بندے میرا ذکر کر رہے ہیں؟ کیا اس کو اس سے لذت آتی ہے؟ یا اس کو کوئی نفع ملتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہو، اور اس پر ایمان رکھتا ہو، وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر ساری کائنات ہر وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے تو اس کی کبریائی میں، اس کے جلال و جمال میں، اس کی عظمت میں ایک ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر (العیاذ باللہ) ساری کائنات مل کر اس بات کا عہد کر لے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ کو بھلا دیں، ذکر سے غافل ہو جائیں، اور معصیتوں کا ارتکاب کرنے لگیں، نافرمانیوں میں مبتلا ہو جائیں تو اس کی عظمت وجلال میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوگی۔ وہ ذات تو بے نیاز ہے ''اللہ الصمد'' وہ ہمارے ذکر سے بھی بے نیاز، ہمارے سجدوں سے بھی بے نیاز، ہماری تسبیح سے بھی بے نیاز، اس کو ہمارے ذکر کی ضرورت نہیں۔

تمام برائیوں کی جڑ، اللہ سے غفلت

لیکن یہ جو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، اس سے ہمارا ہی فائدہ ہے، اس لئے کہ دنیا میں جتنے جرائم، بدعنوانیاں اور بداخلاقیاں برائیاں ہوتی ہیں اگر ان سب برائیوں کی جڑ دیکھی جائے تو وہ اللہ سے غفلت ہے۔ جب انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے، تب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ہو، اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں ہو کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو پھر گناہ سرزد نہیں ہوگا۔

چور جس وقت چوری کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو چوری کا ارتکاب نہ کرتا، بدکار جس وقت بدکاری کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو وہ بدکاری کا ارتکاب نہ کرتا، اسی بات کو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ لَا يَشْرَبُ الشَّارِبُ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ))(۱)

یعنی جب زنا کرنے والا زنا کرتا ہے، اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، مؤمن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایمان اس وقت مستحضر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر مستحضر نہیں ہوتا، جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ہوتی تو وہ گناہ کا ارتکاب نہ کرتا، لہٰذا ساری برائیاں، سارے مظالم، ساری بداخلاقیاں جو دنیا کے اندر پائی جارہی ہیں، ان کا بنیادی سبب اللہ کے ذکر سے غفلت ہے۔

اللہ کہاں گیا؟

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر پر جارہے تھے۔ جنگلوں کا سفر تھا۔ اور اس وقت آجکل کی طرح ہوٹلوں کا رواج تو تھا نہیں، اس لئے جب بھوک لگی، اور زادِراہ ختم ہوگیا، تو آس پاس بستی تلاش کی کہ قریب میں کوئی بستی ہو تو وہاں جاکر کھانا کھالیا جائے۔ تلاش کے دوران دیکھا کہ بکریوں کا ایک گلہ چر رہا ہے۔ آپ نے قریب جاکر چرواہے کو تلاش کیا۔ اور اس سے ملاقات کرکے اس سے کہا کہ میں مسافر ہوں۔ اور بھوک لگی ہوئی ہے، اس لئے بکری کا دودھ نکال دو اور مجھ سے اس کے پیسے لے لو۔ تاکہ میں دودھ پی کر اپنی بھوک کا مداوا کرلوں یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھی دنیا سے زیادہ کے حکمراں اور بادشاہ بن چکے تھے جواب میں چرواہے نے کہا کہ جناب میں آپ کو ضرور دودھ دے دیتا، مگر بات یہ ہے کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، یہ میرے مالک کی ہیں، اور اس نے مجھے چرانے کے لئے دی ہیں، اس لئے یہ بکریاں بھی میرے پاس امانت ہیں، اور ان کا دودھ بھی میرے پاس امانت ہے، اس لئے میں مالک کی اجازت کے بغیر اس کا دودھ دینے کا مجاز نہیں ہوں، اس لئے مجبوری ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ اس شخص کا تھوڑا امتحان لیا جائے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس چرواہے سے کہا کہ میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کرلو،

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب لا یشرب الخمر، رقم: ۶۲۷۴، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی، رقم: ۸۷، سنن الترمذی، کتاب الإیمان عن رسول اللّٰہ، باب ما جاء لا یزنی الزانی وھو مؤمن، رقم: ۲۵۴۹، سنن النسائی، کتاب قطع السارق، باب تعظیم السرقة، رقم: ۴۷۸۷، سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه، رقم: ۴۰۶۹، سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب النهی عن النهبة، رقم: ۳۹۲۶، مسند أحمد، رقم: ۷۸۵۵

اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے، اور میرا بھی فائدہ ہے۔ اس چرواہے نے پوچھا کہ وہ کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا کرو کہ ایک بکری تم مجھے فروخت کر دو، اور اس بکری کی جو قیمت ہو وہ تم مجھ سے لے لو، اس میں میرا تو یہ فائدہ ہے کہ میں اس بکری کو اپنے ساتھ سفر میں رکھوں گا۔ اور جب ضرورت ہوگی، اس کا دودھ نکال کر پی لوں گا، اور تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں بکری کے پیسے مل جائیں گے۔ رہا مالک، تو اگر مالک پوچھے کہ بکری کہاں گئی تو اس کو یہ کہہ دینا اس کو بھیڑیا کھا گیا، اس لئے کہ اس قسم کے واقعات جنگل میں پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ اس لئے اس کو یقین آجائے گا اس میں تمہارا بھی بھلا ہو جائے گا، میرا بھی بھلا ہو جائے گا چرواہے نے جونہی یہ تدبیر سنی تو فوراً اس کی زبان پر یہ کلمات آئے:

"یَا هٰذَا فَاَیْنَ اللّٰهُ؟"

"پھر اللہ کہاں گیا؟"

یعنی اگر یہ سب کام میں کرلوں تو اگرچہ مالک تو نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے، یہ سب کچھ حقیقت میں جھوٹ ہے۔ فریب اور دھوکہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر میں کیا جواب دوں گا؟(۱)

ذکر سے غفلت، جرائم کی کثرت

یہ ہے اللہ کا ذکر، اللہ کی یاد، جو دل میں اس طرح جم گیا کہ کسی بھی وقت، جنگل کی تنہائی میں بھی، رات کی تاریکی میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر دل سے نکلتا نہیں بہرحال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس چرواہے کا جواب سنا تو فرمایا کہ جب تک تم جیسے انسان اس روئے زمین پر موجود رہیں گے، اور جب تک اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کا احساس دلوں میں موجود ہوگا، اس وقت تک اس روئے زمین پر ظلم نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ جواب دہی کا احساس وہ چیز ہے جو تنہائی میں بھی انسان کے دل پر پہرے بٹھا دیتا ہے۔ اور اگر یہ احساس باقی نہ رہے تو اس کا انجام آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ پولیس کی تعداد بڑھ رہی ہے، محکموں میں اضافہ ہو رہا ہے، عدالتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، فوج لگی ہوئی ہے، گلی کوچوں میں پہرے لگے ہوئے ہیں مگر پھر بھی ڈاکے پڑ رہے ہیں، لوگوں کے جان و مال اور آبرو پر کس طرح حملے ہو رہے ہیں، جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ جرائم کی جڑ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی، جب تک اللہ جل شانہ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں نہ سما جائے، جب تک اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس دل میں پیدا نہ ہو، لہٰذا جب تک دل میں یہ شمع

(۱) أسد الغابة في معرفة الصحابة (۲۲۸/۳)، کتب تاریخ میں یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سفر کا مذکور ہے، جیسا کہ اس جلد میں بھی پہلے گزر چکا ہے۔

فروزاں نہیں ہوتی، اس وقت تک ہزار پہرے بٹھالو، ہزار فوجی بلالو، مگر جرائم بند نہیں ہوں گے، ذرا سی کسی کی آنکھ بہکے گی، اور جرم ہو جائے گا۔ بلکہ جو آنکھ حفاظت کے لئے مقرر تھی، آج وہ آنکھ جرم کرار ہی ہے۔ جس کو لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے بٹھایا گیا تھا، وہی لوگ جان و مال پر ڈاکے ڈال رہے ہیں لہٰذا جب تک اللہ کا ذکر، اس کی یاد دل میں نہ ہو، جواب دہی کا احساس دل میں نہ ہو، اس وقت تک جرائم کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

جرائم کا خاتمہ حضور ﷺ نے فرمایا

جرائم کا خاتمہ تو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا کہ نہ پولیس ہے، نہ محکمہ ہے، نہ عدالت، نہ فوج، بلکہ جس کسی سے جرم صادر ہو گیا تو وہ روتا ہوا آرہا ہے کہ یا رسول اللہ مجھ پر سزا جاری کر دیجئے، تاکہ میں آخرت کے عذاب سے بچ جاؤں، اور ایسی سزا جاری کریں کہ پتھر مار مار کر مجھے ہلاک کر دیجئے، اور مجھے رجم کر دیجئے بس بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا خوف دل میں سما گیا۔ اسی لئے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، ورنہ ہمارے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن جتنا ذکر کرو گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں پیدا ہو گا، اور پھر جرم گناہ، معصیت اور نافرمانی سے ان شاء اللہ بچاؤ ہو گا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

زبانی ذکر بھی مفید و مطلوب ہے

لوگ کہتے ہیں کہ اگر صرف زبان سے ''اللہ اللہ'' کر رہے ہیں، یا ''سبحان اللہ'' کہہ رہے ہیں، یا زبان سے ''الحمد للہ'' کہہ رہے ہیں، اور دل کہیں ہے، دماغ کہیں ہے تو اس سے کیا حاصل؟ یاد رکھو یہ زبان سے ذکر کرنا پہلی سیڑھی ہے۔ اگر یہ سیڑھی قطع نہ کی تو دوسری سیڑھی پر کبھی نہیں پہنچ سکتے، زندگی بھر نہیں پہنچ سکتے، اور اگر یہ سیڑھی قطع کر لی اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا شروع کر دیا تو کم از کم ایک سیڑھی تو طے ہو گئی، پھر اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دوسری سیڑھی بھی قطع کرا دیں گے۔ اس لئے اس ذکر کو بیکار مت سمجھو، یہ ذکر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اگر ہمارا سارا جسم نہ سہی تو کم از کم ایک عضو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہے۔ اگر اس میں لگے رہے تو ان شاء اللہ آگے جا کر یہی ترقی کر جائے گا۔

تعلق مع اللہ کی حقیقت

بہر حال، اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد کے دل میں سما جانے کا نام ہی ''تعلق مع اللہ'' ہے۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ رابطہ اور تعلق قائم ہے۔ صوفیائے کرام کے سلسلوں میں جتنی

ریاضتیں، مجاہدات، وظیفے اور اشغال ہیں، ان سب کا حاصل اور خلاصہ اور مقصود صرف ایک ہی چیز ہے، وہ ہے "تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنا"، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر انسان سے گناہ بھی نہیں ہوتے، پھر انسان اللہ کی عبادت بھی اپنی بساط کے مطابق بہتر سے بہتر انجام دیتا ہے، پھر اخلاقِ فاضلہ اس کو حاصل ہو جاتے ہیں، اور اخلاقِ رذیلہ سے نجات مل جاتی ہے، یہ سب چیزیں تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

ہر وقت مانگتے رہو

اس تعلق مع اللہ کو حاصل کرنے کے لئے صوفیاء کرام کے یہاں بڑے لمبے چوڑے مجاہدات اور ریاضتیں کرائی گئی ہیں۔ لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس تعلق مع اللہ کو حاصل کرنے کے لئے میں تمہیں ایک مختصر اور آسان راستہ بتاتا ہوں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اور ہر لمحے مانگنے اور مانگتے رہنے کی عادت ڈالو، ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو، جو دکھ اور تکلیف پہنچے، پریشانی ہو، جو ضرورت اور حاجت ہو، بس اللہ تعالیٰ سے مانگو، مثلاً اگر گرمی لگ رہی ہے، کہو، اے اللہ! گرمی دور فرما دیجئے، بجلی چلی گئی، یا اللہ! بجلی عطا فرما دیجئے، بھوک لگ رہی ہے، کہو، یا اللہ! اچھا کھانا دے دیجئے، گھر میں داخل ہو رہے ہیں، کہو، یا اللہ! گھر میں اچھا منظر سامنے آئے، عافیت کی خبر ملے، کوئی پریشانی کی بات نہ ہو، دفتر میں داخل ہونے سے پہلے کہو یا اللہ! دفتر جا رہا ہوں، حالات ٹھیک رہیں، طبیعت کے موافق رہیں، کوئی ناخوشگوار بات پیش نہ آئے، کوئی تکلیف کی بات پیش نہ آئے۔ بازار جا رہے ہو، کہو، یا اللہ! فلاں چیز خریدنے جا رہا ہوں، مناسب قیمت پر مناسب چیز دلا دیجئے۔ ہر وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

یہ چھوٹا سا چٹکلا ہے

واقعہ یہ ہے کہ کہنے کو یہ معمولی بات ہے، اس لئے کہ یہ کام اتنا آسان ہے جس کی کوئی حد نہیں، اسی وجہ سے اس کی قدر نہیں ہوتی، لیکن اس نسخے پر عمل کر کے دیکھو، اللہ تعالیٰ سے مانگ کے دیکھو، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے رٹ لگاؤ، جو مسئلہ سامنے آئے، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، یا اللہ یہ کام کر دیجئے، اگر اس کی عادت ڈال لو تو پھر کوئی لمحہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے سے خالی نہیں جائے گا۔ مثلاً ایک آدمی سامنے سے آپ سے ملاقات کے لئے آرہا ہے، آپ ایک لمحے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں کہ یا اللہ! یہ شخص اچھی خبر لے کر آیا ہو، کوئی بری خبر لے کر نہ آیا ہو، یا اللہ! یہ شخص جو بات کہنا چاہ رہا ہے، اس کا اچھا نتیجہ نکال دیجئے ڈاکٹر کے پاس دوا کے لئے جا رہے ہیں، کہو، یا اللہ!

اس ڈاکٹر کے دل میں صحیح تجویز ڈال دیجئے، صحیح دوا اس کے دل میں ڈال دیجئے، گویا کہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو یہ چھوٹا سا چٹکلا اور چھوٹا سا نسخہ ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس چٹکلے پر عمل کر کے دیکھو، کیا سے کیا ہو جاتا ہے، انسان اس کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

ذکر کے لئے کوئی قید و شرط نہیں

اور یہ جو مسنون دعائیں ہیں، حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذریعہ اس نسخے کی طرف لا رہے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور دعا کرو، اور اللہ تعالیٰ نے اس مانگنے کو اور فریاد کو اتنا آسان فرما دیا ہے کہ اس پر کوئی قید اور شرط نہیں لگائی، بلکہ کسی بھی حالت میں ہو، اللہ تعالیٰ سے مانگو، نہ وضو کی شرط، نہ قبلہ رو ہونے کی شرط، حتیٰ کہ جنابت کی حالت میں بھی دعا مانگنا ممنوع نہیں ہے، اگرچہ اس حالت میں قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں لیکن دعا کر سکتے ہو، حتیٰ کہ جس وقت انسان قضاء حاجت میں مصروف ہے، اس وقت زبان سے کوئی دعا نہیں کرنی چاہئے، زبان سے ذکر نہیں کرنا چاہئے، اس وقت بھی دل دل میں ذکر کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس ذکر کو اتنا آسان کر دیا کہ کوئی قید و شرط نہیں، اور کوئی خاص طریقہ نہیں، اگر موقع ہو تو باوضو ہو کر قبلہ رو ہو کر ہاتھ اُٹھا کر مانگو لیکن اگر ایسا موقع نہ ملے تو نہ وضو کی شرط، نہ ہاتھ اُٹھانے کی شرط، نہ زبان سے بولنے کی شرط، بلکہ دل دل میں اللہ تعالیٰ سے مانگ لو، یا اللہ یہ کام کر دیجئے۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص سوال کرنے کے لئے آتا ہے، اور آکر یہ کہتا ہے کہ حضرت ایک بات پوچھنی ہے، تو اس وقت فوراً دل دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ، یہ شخص معلوم نہیں کیسا سوال کرے گا۔ اے اللہ اس سوال کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے، اور کبھی اس عمل سے تخلف نہیں ہوتا، ہمیشہ یہ عمل کرتا ہوں۔

مسنون دعاؤں کی اہمیت

اب ہر ہر موقع پر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا نکتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سکھایا کہ مانگنے کی خاص خاص جگہیں بتا دیں کہ اس جگہ تو مانگ ہی لو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسانِ عظیم پر قربان جائیے کہ انہوں نے دعا مانگنا بھی سکھا دیا۔ ارے تم خود کیا مانگو گے؟ کس طرح مانگو گے؟ کن الفاظ سے مانگو گے؟ تمہیں تو مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔ یہ مانگنے کا ڈھنگ بھی میں ہی تم کو بتا دیتا ہوں کہ یہ مانگو، اور اس طرح مانگو، ان الفاظ سے مانگو، یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے، اب ہمارا آپ کا

کام یہ ہے کہ ان دعاؤں کو یاد کریں، اور جب وہ موقع آئے تو توجہ کے ساتھ وہ دعا مانگ لیا کریں، بس اتنا سا کام ہے۔ سب کام حضور اقدس ﷺ کر گئے۔ پکی پکائی روٹی تیار کر کے پوری اُمت کے لئے چھوڑ گئے۔ اب اُمت کا کام ہے کہ اس روٹی کو اُٹھا کر اپنے حلق میں ڈال لے، بس اتنا کام بھی ہم سے نہیں ہوتا۔ اور علماء نے ادعیہ ماثورہ اور مسنون دعاؤں کے نام سے بے شمار کتابیں لکھ دیں، اور اس میں وہ دعائیں جمع کر لیں، تاکہ ہر مسلمان اس کو آسانی کے ساتھ یاد کر لے پہلے مسلمان گھرانوں میں یہ رواج تھا کہ جب بچے نے بولنا شروع کیا تو سب سے پہلے اس کو دعائیں سکھائی جاتیں۔ کہ بیٹا بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤ، کھانے کے بعد یہ دعا پڑھو، بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھو، کپڑے پہنو تو یہ دعا پڑھو، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کام کے لئے باقاعدہ کلاس لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اور پھر بچپن کا حافظہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسے پتھر پر لکیر، ساری عمر یاد رہتا ہے، اب بڑی عمر میں یاد کرانا آسان کام نہیں، لیکن بہر حال، یہ کام کرنے کا ہے، ہر مسلمان اس کو غنیمت سمجھے اور یہ مسنون دعائیں کوئی لمبی چوڑی نہیں ہوتیں۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ روزانہ ان مسنون دعاؤں میں سے ایک دعا یاد کر لو، اور پھر اس کو موقع پر پڑھنے کا عزم کر لو کہ جب یہ موقع آئے گا، اس دعا کو ضرور پڑھیں گے، پھر دیکھئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے کیسے انوار و برکات عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر وقت اپنا ذکر کرنے اور اس میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کیا آپ کو خیالات پریشان کرتے ہیں؟ ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

اَمَّا بَعْدُ!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسے کے بارے میں پوچھا گیا کہ دل میں کفر وشرک کے اور فسق و فجور کے جو وسوسے آتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ذَاكَ مَحْضُ الْإِيْمَانِ))

"یہ وسوسے خالص ایمان کی علامت ہیں"

ان سے مت گھبراؤ اور ان کی وجہ سے مایوس مت ہو جاؤ اور ان کی وجہ سے زیادہ پریشان مت ہو، کیونکہ یہ خالص ایمان کی علامت ہیں۔ (۱)

ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! بعض اوقات ہمارے دل میں ایسے وسوسے اور خیالات آتے ہیں کہ ان خیالات کو زبان پر لانے کے مقابلے میں ہمیں جل کر کوئلہ ہو جانا زیادہ پسند ہے، یعنی ان خیالات کو زبان سے ظاہر کرنا آگ میں جل جانے سے زیادہ برا لگتا ہے۔ اس کے جواب میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو ایمان کی علامت ہے۔ (۲)

شیطان ایمان کا چور ہے

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ "وسوسہ" شیطان کا عمل ہے کیونکہ شیطان ہی انسان کے دل میں یہ وسوسے ڈالتا ہے۔ اور شیطان

☆ اصلاحی خطبات (۹/۱۵۶ تا ۱۷۵)، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔

(۱) كنز العمال، رقم: ١٢٥٨ (١/٤٣٩)، مجمع الزوائد (١/١٢)، جامع الأحاديث، رقم: ١٢٤٧٣ (١٣/٢٧)، مسند أحمد، رقم: ٢٤٧٩٦، المعجم الأوسط، رقم: ٨٥٤٢ (٨/٢٤٩)، مسند اسحاق بن راهويه، رقم: ١٧٩٦ (٣/١٠٣٩)، صحيح ابن حبان، رقم: ٣٥٩ (١/٣٥٠)

(۲) كنز العمال، رقم: ١٢٦٣ (١/٤٤٠)

ایمان کا چور ہے، یہ تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے۔ چور اور ڈاکو اس گھر میں ڈاکہ ڈالے گا جس گھر میں دولت ہو، اگر دولت ہے ہی نہیں تو پھر ڈاکو ڈاکہ کیوں ڈالے گا۔ لہٰذا شیطان جو تمہارے دل میں وسوسے ڈال رہا ہے اور تمہارے دل میں داخل ہو رہا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارے دل میں ایمان کی دولت موجود ہے، اگر یہ ایمان کی دولت نہ ہوتی تو یہ ڈاکو اس گھر میں داخل نہ ہوتا، اس وجہ سے ان سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ میرے دل میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ان کو ظاہر کرنے کے مقابلے میں جل کر مر جانا زیادہ پسند ہے، یہ اندر سے تمہارا ایمان بول رہا ہے۔ تمہارا ایمان یہ بول رہا ہے کہ بات زبان سے نکالنے والی نہیں۔ اگر دل میں ایمان نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو عین ایمان کی علامت ہے۔

وساوس پر گرفت نہیں ہوگی

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ اِلَى الْوَسْوَسَةِ))(۱)

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے شیطان کے مکر اور جال کو وسوسے کی حد تک محدود کر دیا، اس سے آگے نہیں بڑھایا''

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ شیطان کی تدبیر تمہارے اُوپر اس سے زیادہ کارگر نہیں ہو رہی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا))(۲)

''اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے دلوں میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس سے درگزر فرما دیا ہے اور ان کو معاف فرما دیا ہے، ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا'' (البتہ عمل پر مؤاخذہ ہوگا)

---

(۱) إحياء علوم الدين (۳/۳۱٤)، سنن أبي داؤد میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: الحمد لله الذی ردّ كيدهٗ الى الوسوسة، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في ردّ الوسوسة، رقم: ٤٤٤٨

(۲) صحيح البخاری، كتاب العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه، رقم: ۲۳٤۳، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب، رقم: ۱۸۱، سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في الوسوسة بالطلاق، رقم: ۱۸۸۸، سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب من طلق في نفسه ولم يتكلم به، رقم: ۲۰۳۰، مسند أحمد، رقم: ۸۷٤۵

عقیدوں کے بارے میں خیالات

وسوسے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وسوسے عقیدے کے بارے میں ہیں، یعنی دل میں شیطان اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں وسوسہ ڈالے یا آخرت کے بارے میں وسوسہ ڈالے کہ معلوم نہیں کہ آئے گی یا نہیں۔ اس قسم کے وسوسوں کے بارے میں تو حضورِ اقدس ﷺ نے خود فرمایا کہ جب تک تم اپنا عقیدہ درست رکھو گے، پھر چاہے خیالات اور وساوس کیسے بھی آجائیں اس پر انشاء اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا اور نہ ان خیالات کی وجہ سے انسان کافر ہوتا ہے۔ ان خیالات کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں شیطان ہوگیا، میں تو کافر ہوگیا۔ یاد رکھئے! ان وسوسوں کے دل میں آنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک انسان اپنے دل، اپنی زبان اور اپنے عمل سے مؤمن ہے۔ لہٰذا آدمی کو مطمئن ہوجانا چاہئے۔

گناہوں کے خیالات

دوسرے گناہ کرنے اور فسق و فجور کرنے کے وسوسے اور خیالات آتے ہیں۔ مثلاً دل میں یہ خیال آتا ہے کہ فلاں گناہ کا ارتکاب کرلوں یا فلاں گناہ کرلوں یا کسی گناہ کی طرف طبیعت مائل ہورہی ہے اور اس کی طرف کشش ہورہی ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اگر محض دل میں خیال آیا ہے تو اس پر انشاء اللہ کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا جب تک اس خیال اور وسوسے پر عمل نہ کرلو گے، لہٰذا جب گناہ کے تقاضے اور داعیے پر عمل کرلو گے تو یہ قابلِ مؤاخذہ اور قابلِ گرفت ہے۔ اور جب بھی کسی گناہ کا خیال یا وسوسہ آئے کہ فلاں گناہ کرلوں تو اس کا فوری توڑ یہ ہے کہ فوراً اللہ کی پناہ مانگو کہ یا اللہ! میرے دل میں اس گناہ کا خیال آرہا ہے، میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، آپ مجھے اس گناہ سے بچا لیجئے۔ اس طرح اس خیال اور وسوسے کا توڑ ہوجائے گا۔

برے خیالات کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرو

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ آپ آزمائش میں مبتلا ہوئے اور اس آزمائش کے نتیجے میں ان کے دل میں بھی گناہ کا کچھ وسوسہ آیا اس لئے کہ بہرحال آپ بھی انسان تھے لیکن اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی:

﴿وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ﴾(۱)

---

(۱) یوسف: ۳۳، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دل بھی ان کی طرف کھنچنے لگے گا اور جو لوگ جہالت کے کام کرتے ہیں، ان میں میں بھی شامل ہوجاؤں گا"

یعنی اے اللہ! اگر آپ ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور نہیں کریں گے تو میں بھی تو ایک انسان ہوں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا، لہٰذا ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور کر دیجئے۔ جب کبھی گناہ کا خیال یا گناہ کا وسوسہ اور داعیہ دل میں پیدا ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے پناہ مانگ لو کہ اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے مجھے اس گناہ سے محفوظ رکھئے۔ اور اس وقت اپنی ہمت کو تازہ کر لو کہ میں گناہ کے اس داعیہ پر عمل نہیں کروں گا۔ اگر یہ کر لو گے تو پھر انشاء اللہ یہ خیالات اور وسوسے کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے۔

نماز میں آنے والے خیالات کا حکم

وسوسے کی تیسری قسم اگرچہ مباح ہے کیونکہ وہ کسی گناہ کا وسوسہ اور خیال نہیں ہے لیکن وہ خیال انسان کو کسی عبادت اور طاعت کی طرف متوجہ ہونے سے روک رہا ہے۔ مثلاً جیسے ہی نماز کی نیت باندھی بس اس وقت دنیا بھر کے خیالات کی چکی چلنی شروع ہو گئی۔ اور وہ خیالات چاہے گناہ کے خیال نہ ہوں مثلاً کھانے پینے کا خیال، بیوی بچوں کا خیال، اپنی روزی کا خیال، تجارت کا خیال، یہ تمام خیالات فی نفسہ گناہ کے خیالات نہیں ہیں۔ لیکن ان خیالات کی وجہ سے دل نماز کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا ہے اور ان خیالات کی وجہ سے خشوع میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ خیالات جو غیر اختیاری طور پر آ رہے ہیں اور انسان کے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے اس لئے انشاء اللہ ان خیالات پر کوئی گرفت اور مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ معاف ہوں گے، البتہ اپنے اختیار سے باقاعدہ ارادہ کر کے خیالات نماز میں مت لاؤ اور نہ دل ان میں لگاؤ بلکہ جب اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرو تو ذہن کو نماز کی طرف متوجہ کرو، جب ثناء پڑھو تو اس کی طرف دھیان لگاؤ اور جب سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کرو تو اس کی طرف دھیان لگاؤ، پھر دھیان لگانے کے باوجود غیر اختیاری طور پر ذہن دوسری طرف بھٹک گیا اور خیالات کہیں اور چلے گئے تو انشاء اللہ ان پر گرفت نہیں ہوگی۔ لیکن جب تنبہ ہو جائے کہ میں تو بھٹک گیا تو پھر دوبارہ نماز کی طرف لوٹ آؤ اور نماز کے الفاظ اور اذکار کی طرف لوٹ آؤ۔ بار بار یہ کرتے رہو گے تو انشاء اللہ یہ خیالات آنے کم ہو جائیں گے اور اس کام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خشوع عطا فرما دیں گے۔

نماز کی ناقدری مت کرو

بہر حال نماز میں یہ جو خیالات آتے ہیں، بہت سے لوگ ان سے پریشان ہوتے ہیں اور ان خیالات کے نتیجے میں سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ نماز تو اُٹھک بیٹھک ہے، اس میں کوئی روح اور جان نہیں

ہے۔ یاد رکھئے! نماز کی ایسی ناقدری نہیں کرنی چاہئے۔ ارے یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور ان خیالات کی وجہ سے اپنی نماز کو بیکار مت سمجھو، یہ نماز کی توفیق تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اور ان غیر اختیاری خیالات کی وجہ سے انشاء اللہ تمہاری گرفت نہیں ہوگی۔ البتہ اپنے اختیار سے خیالات مت لاؤ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے عالم اور صوفی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اُونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ ان کے ایک بھائی تھے جو بالکل خالص صوفی مزاج آدمی تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب امامت فرماتے اور نماز پڑھاتے تو یہ بھائی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کسی نے ان کی والدہ سے شکایت کر دی کہ یہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ والدہ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی نماز ہی کیا ہے، میں ان کے پیچھے کیسے نماز پڑھوں۔ اس لئے کہ جب یہ نماز پڑھاتے ہیں تو اس وقت ان کا دل اور دماغ حیض اور نفاس کے مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ اس لئے یہ گندی نماز ہے، میں اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ وہ والدہ بھی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔ جواب میں فرمایا کہ تمہارا بھائی تو نماز کے اندر فقہی مسائل سوچتا ہے اور نماز کے اندر فقہی مسئلے سوچنا جائز ہے، اور تم نماز کے اندر اپنے بھائی کی عیب جوئی میں لگے رہتے ہو اور یہ دیکھتے رہتے ہو کہ اس کی نماز صحیح ہے یا غلط ہے؟ اور نماز کے اندر یہ کام یقینی طور پر حرام ہے۔ لہٰذا بتاؤ کہ وہ بہتر ہے یا تم بہتر ہو؟ بہرحال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے بھی یہ بات واضح فرما دی کہ نماز میں فقہی مسئلے کو سوچنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لہٰذا اپنے اختیار سے ایسے خیالات لانا جو خود عبادت اور طاعت کا حصہ ہیں وہ بھی نماز کے خشوع کے منافی نہیں۔

آیاتِ قرآنی میں تدبر کا حکم

چنانچہ حکم یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھتے وقت قرآن کریم کی آیات میں تدبر کرو، غور و فکر کرو۔ اب اگر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور نماز میں تلاوت کے وقت قرآن کریم کے اسرار و حکم کے اندر غلطاں و پیچاں ہے اور منہمک ہے، یہ سب جائز ہے اور عبادت ہی کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسا خیال جو طاعت اور عبادت کا خیال ہو ان کو اپنے اختیار سے بھی نماز میں لا سکتے ہیں۔ البتہ وہ خیالات جو طاعت اور عبادت کا حصہ نہیں ہیں۔ مثلاً دنیا کے بارے میں خیالات کہ کس طرح دنیا کماؤں، کس طرح خرچ کروں وغیرہ تو اس قسم کے خیالات اپنے اختیار سے تو نہ لائیں، خود سے آ رہے ہیں تو آنے

دو، اس سے نماز کے خشوع میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔ ہاں! جب دھیان اس طرف آجائے کہ یہ خیالات آرہے ہیں پھر بھی ان خیالات کو باقی رکھا اور ان خیالات سے مزے لیتا رہا تو یہ ناجائز ہے۔ لہٰذا جب تنبہ ہو جائے تو دوبارہ نماز کی طرف لوٹ آؤ۔

یہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا کہ حضرت! میں بہت پریشان ہوں، اس لئے کہ میری نمازیں کسی کام کی نہیں، جب میں سجدہ کرتا ہوں تو اس وقت دماغ میں ایسے شہوانی اور نفسانی خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ الامان، تو وہ میرا سجدہ کیا ہوا، وہ تو ویسے ہی ٹکریں مارنا ہوا۔ میں تو بہت پریشان ہوں کہ کس طرح اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم یہ جو سجدہ کرتے ہو تمہارے خیال میں یہ کیسا سجدہ ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! بڑا ناپاک اور بڑا گندہ سجدہ ہے، اس لئے کہ اس میں ناپاک اور گندے شہوانی خیالات آتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ناپاک اور گندہ سجدہ تو اللہ میاں کو نہیں کرنا چاہئے، اچھا ایسا کرو کہ تم یہ ناپاک سجدہ مجھے کرلو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو بہت پاکیزہ اور اعلیٰ قسم کا سجدہ ہونا چاہئے، اور یہ ناپاک سجدہ ہے یہ مجھ ناپاک کے سامنے کرلو۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ توبہ توبہ! آپ کے سامنے کیسے سجدہ کرلوں؟ حضرت نے فرمایا کہ بس اس سے پتہ چلا کہ یہ سجدہ اسی ذات کے لئے ہے، یہ پیشانی کسی اور کے سامنے جھک نہیں سکتی، چاہے اس سجدہ میں کیسے ہی گندے شہوانی اور نفسانی خیالات کیوں نہ آرہے ہوں، لیکن یہ پیشانی اگر جھکے گی تو اسی کے در پر جھکے گی۔ لہٰذا یہ سجدہ اسی اللہ کے لئے ہے۔ اور اگر یہ فاسد خیالات غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں تو انشاء اللہ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہیں۔

خیالات اور وساوس میں بھی حکمت ہے

دیکھئے! اگر ہم جیسے لوگوں کو نماز کے اندر یہ خیالات اور وساوس نہ آئیں بلکہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا خیال ہی نہ آئے، اگر ہم جیسے لوگوں کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو خدا جانے ہمارا دماغ تکبر، عجب اور خود پسندی میں کہاں پہنچ جائے گا۔ اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ ہم تو بہت اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ کسی نے کہا ہے کہ صَلَّى الْحَائِكُ رَكْعَتَيْنِ وَانْتَظَرَ الْوَحْيَ، ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھ لی تو نماز کے بعد اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے اوپر وحی آتی ہے۔ اگر ہم میں سے بھی کسی کو خشوع و خضوع والی نماز

حاصل ہو جائے تو خدانخواستہ وہ پیغمبری کا یا مہدی ہونے کا دعویٰ نہ کر دے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ظرف دیکھ کر یہ مقام عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا خیالات کے آنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت اور مصلحت ہے۔

نیکی اور گناہ کے ارادے پر اجر وثواب

بہر حال اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دل کے خیالات پر مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے کہ گناہ کے بارے میں تو یہ اصول مقرر فرمادیا کہ اگر گناہ کرنے کے بارے میں خیال آیا اور شوق پیدا ہوا اور دل میں تھوڑا سا ارادہ بھی کرلیا کہ یہ گناہ کرلو، البتہ عزم اور پختہ ارادہ کی حد تک نہیں پہنچا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی پکڑ نہیں، بلکہ اگر بار بار گناہ کا خیال آتا رہا اور انسان اس خیال کو دفع کرتا رہا اور اس پر عمل نہیں کیا تو انشاء اللہ گناہ نہ کرنے پر اجر وثواب ملے گا کیونکہ گناہ کا خیال آنے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو گناہ سے بچالیا۔ اور نیکی کے بارے میں یہ اصول مقرر فرمایا کہ اگر کسی نیکی کے بارے میں خیال آیا اور ارادہ کیا کہ فلاں نیکی کرلوں، اگر چہ اس نیکی کا پختہ ارادہ نہیں کیا تب بھی صرف ارادے پر اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطاء فرماتے ہیں، مثلاً یہ ارادہ کیا کہ اگر مجھے مال مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنا مال صدقہ کروں گا تو اس پر بھی اس کو ثواب ملے گا۔ یا مثلاً یہ ارادہ کرلیا کہ جب جہاد فی سبیل اللہ کی نوبت آئے گی تو اللہ کے راستے میں جہاد کروں گا اور شہادت کا درجہ حاصل کروں گا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی شہداء میں شمار فرماتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

((مَنْ سَئَلَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ))(۱)

''اگر کوئی شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے کہ اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت کا مقام عطا فرمایئے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں ہی میں شمار فرمائیں گے، چاہے بستر پر اس کو موت آئی ہو''

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب استحباب طلب الشهادة في سبيل الله تعالى، رقم: ۳۵۳۲، سنن الترمذي، كتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ما جاء فيمن سأل الشهادة، رقم: ۱۵۷۷، سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب مسألة الشهادة، رقم: ۳۱۱۱، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الإستغفار، رقم: ۱۲۹۹، سنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب القتال في سبيل الله سبحانه وتعالى، رقم: ۲۷۸۷، مسند أحمد، رقم: ۲۱۰۹٤

بہرحال نیکی کے بارے میں قانون یہ ہے کہ پختہ ارادہ کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ اجروثواب عطا فرماتے ہیں۔اور گناہ کے اندر قانون یہ ہے کہ جب تک پختہ ارادہ نہ کرے اس وقت تک مواخذہ نہیں فرماتے، یہ رحمت کا معاملہ ہے۔

خیالات کی بہترین مثال

بہرحال گناہوں کے پختہ ارادہ کرنے سے بچنا چاہئے لیکن گناہوں کے جو وساوس اور خیالات آرہے ہیں ان کی پرواہ نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگا رہے، ان خیالات کی وجہ سے اپنے کام کو نہ چھوڑے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خیالات کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کو سربراہِ وقت اور بادشاہ نے دعوت دی ہے اور بلایا ہے، اب یہ شخص جلدی میں بادشاہ سے ملاقات کرنے جارہا ہے۔ اب کوئی شخص اس کا دامن گھسیٹتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس کو روک کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح لوگ اس کو تنگ کررہے ہیں۔اب بتایئے کیا یہ شخص ان راستہ روکنے والوں سے اُلجھنا شروع کردے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا؟ اگر یہ شخص راستہ روکنے والوں کے ساتھ الجھ گیا تو یہ شخص بادشاہ کے دربار میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ یہ تو پاگل اور بیوقوف لوگ ہیں، میرے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں، مجھے تو اس وقت بادشاہ کے پاس جانا ہے اور اس سے ملاقات کا اعزاز وشرف حاصل کرنا ہے تو وہ شخص ان کی طرف دھیان بھی نہیں دے گا۔

خیالات کا لانا گناہ ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خط میں لکھا کہ حضرت! جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو طرح طرح کے خیالات آتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے کہ میری نماز تو کچھ بھی نہیں۔حضرت نے اس کے جواب میں لکھا کہ ”خیالات کا آنا گناہ نہیں، خیالات کا لانا گناہ ہے“، یعنی اگر وہ خیالات خودبخود آرہے ہیں تو یہ گناہ نہیں ہے، ہاں جان بوجھ کر ارادہ کرکے دل میں خیالات لارہے ہیں تو یہ گناہ ہے۔

خیالات کا علاج

اور خیالات اور وساوس کا علاج ہی یہ ہے کہ ان خیالات کی طرف التفات اور توجہ مت کرو۔ جب توجہ نہیں کروگے تو انشاء اللہ یہ خیالات خودبخود دُور ہوجائیں گے۔بس اپنا کام کیے جاؤ کہ جب نماز کی نیت باندھو تو اپنا ذہن نماز کی طرف لگاؤ۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ اور ملفوظات میں

یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ یہ نماز بذاتِ خود مطلوب ہے، لہٰذا اگر غیر اختیاری طور پر خیالات آرہے ہیں تو اس کی وجہ سے نماز کی ناقدری مت کرو۔ نمازی اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن نماز میں مزہ ہی نہیں آتا، لطف ہی نہیں آتا، یا پہلے نماز میں بہت لطف اور مزہ آتا تھا اور اب وہ لطف آنا بند ہوگیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھائی! یہ نماز اس لئے فرض نہیں کی گئی کہ اس میں تمہیں مزہ اور لطف آیا کرے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایک طریقہ ہے۔ اب اگر نماز میں مزہ آجائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اگر مزہ نہ آئے تو اس کی وجہ سے نماز کی فضیلت میں ذرّہ برابر کمی نہیں آتی۔ اگر تم نماز کے ارکان اور اس کی شرائط اور اس کے آداب پورے طور پر بجالا رہے ہو اور سنت کے مطابق نماز ادا کر رہے ہو تو پھر ساری عمر بھی اگر مزہ نہ آئے تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اگر نماز میں مزہ آئے تو بھی نماز پڑھنی ہے، اگر مزہ نہ آئے تو بھی نماز پڑھنی ہے۔

دل نہ لگنے کے باوجود نماز پڑھنا

بلکہ اگر نماز میں مزہ نہیں آیا اور نماز پڑھنے میں مشقت محسوس ہوئی، لیکن اس کے باوجود تم نے نماز پڑھی تو اس پر تمہارے لئے زیادہ ثواب لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا بلکہ نفس شرارت کر رہا تھا لیکن تم نے زبردستی اللہ کی عبادت کی خاطر اور اس کی اطاعت کی خاطر نفس پر جبر کر کے نماز پڑھ لی تو انشاء اللہ اس نماز پر تمہیں ثواب زیادہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو ساری عمر بھی نماز میں مزہ نہ آئے لیکن پھر بھی نماز پڑھتا رہے، نماز کو چھوڑے نہیں، میں اس کو دو باتوں کی مبارک باد دیتا ہوں۔ ایک اس بات کی کہ جب اس کو نماز میں مزہ نہیں آیا لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتا رہا تو انشاء اللہ اس کے اجر میں اضافہ ہوگا اور اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔ اور دوسرے اس پر کہ اگر اس کو نماز میں مزہ آتا تو یہ شبہ ہوتا کہ یہ شاید نفس کے مزے کی خاطر نماز پڑھ رہا ہے، لیکن جب نماز میں مزہ آیا ہی نہیں تو اب یہ شائبہ ختم ہوگیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ نماز صرف اللہ کے لئے پڑھ رہا ہے، کیونکہ اس میں اخلاص زیادہ ہوگیا، اس کی وجہ سے اجر و ثوب میں اضافہ ہوجائے گا۔ اس لئے اس فکر میں مت پڑا کرو کہ مزہ آیا یا نہیں، لطف آیا یا نہیں۔

انسان عمل کا مکلّف ہے

لوگ خطوط میں لکھتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پہلے نماز پڑھا کرتے تھے تو بڑی عجیب و غریب کیفیت ہوتی تھی۔ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہوجاتے تھے اور اب لطف جاتا رہا اور وہ کیفیت باقی نہیں رہی، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ شیطان نے مجھے مردود بنادیا ہے۔ خوب سمجھ لیں کہ یہ ساری

کیفیات جو غیر اختیاری ہیں جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہیں ہے، مزہ آیا یا نہیں، یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے، مزہ آنا اور لطف آنا اور نہ آنا انسان کے اختیار میں نہیں اور انسان اس کا مکلف بھی نہیں۔ اس لئے کہ انسان تو عمل کا مکلف ہے، دیکھنا یہ ہے کہ عمل کیا یا نہیں؟ اور اگر عمل کیا تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ عمل محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کیا یا نہیں؟ اگر اس طرح عمل کرلیا تو چاہے کوئی کیفیت حاصل ہوئی یا نہیں مگر عہدہ برا ہوگئے اور تمہارا وہ عمل مقبول ہوگیا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ساری کیفیات آنی جانی ہیں، نہ ان پر عمل کی قبولیت موقوف ہے اور نہ ہی ان پر نجات موقوف ہے۔ بس اگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عمل کی توفیق ہو رہی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

کیفیات نہ مقصود ہیں نہ اختیار میں ہیں

جو لوگ حج یا عمرہ پر حرمین شریفین جاتے ہیں، عام طور سے ان پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں، مثلاً یہ بات مشہور ہے کہ جب بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتی ہے تو اس پر گریہ طاری ہوجاتا ہے یا ہنسی آجاتی ہے یا کوئی دوسری کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور جب ملتزم پر پہنچتے ہیں تو وہاں پر بھی رونا آتا ہے اور گریہ طاری ہوجاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، تو یہ سب کیفیات پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ کیفیات غیر اختیاری ہیں۔ اگر حاصل ہوجائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اگر حاصل نہ ہوں تو اس پر گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ بعض لوگ صرف اس وجہ سے پریشان ہوجاتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے یا حج کرنے گئے، وہاں تو ہمارا دل پتھر ہوگیا، نہ تو ہمیں رونا آیا، نہ ہم پر گریہ طاری ہوا، نہ آنسو نکلے اور نہ ہی کوئی اور کیفیت طاری ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر مردودیت غالب ہوگئی ہے اور ہم پر شیطانی اثرات غالب آگئے، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے خیالات دل میں آتے ہیں۔ یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ تمہیں اس بنیاد پر راندۂ درگاہ نہیں کریں گے کہ تمہیں غیر اختیاری طور پر رونا کیوں نہیں آیا؟ اور نہ اس بات پر گرفت کریں گے۔ بشرطیکہ عمل صحیح ہو اور جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو تو پھر رونا آئے یا نہ آئے، کیفیت طاری ہو یا نہ ہو لیکن ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ حج و عمرہ مقبول ہے اور موجب اجر ہے۔

عمل سنت کے مطابق ہونا چاہئے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ کیفیات پر مدار نہیں، بلکہ عمل پر مدار ہے۔ اگر عمل سنت کے مطابق ہے تو ان شاء اللہ منزل پر پہنچ جاؤ گے ؏

بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

یعنی اگر صراطِ مستقیم پر تمہارا قدم ہے تو اے دل! پھر تم گمراہ نہیں ہو سکتے، چاہے خیالات اور وسوسے کسی طرح کے آ رہے ہوں، کیفیات طاری ہو رہی ہوں یا نہ ہو رہی ہوں، چاہے لذت آ رہی ہو یا نہ آ رہی ہو۔

ایک ریٹائرڈ شخص کی نماز

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ایک دن فرمانے لگے کہ ایک شخص ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے، کھانے پینے کو سب کچھ میسر ہے، بینک بیلنس موجود ہے، معاش کی اور دنیا کمانے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ نہ اس کو ملازمت پر جانا ہے، نہ اس کو تجارت کرنی ہے، نہ دکان کھولنی ہے۔ اس کا معمول یہ ہے کہ جیسے ہی کسی نماز کی آذان ہوئی تو اذان ہوتے ہی وہ گھر سے نکل گیا، مسجد میں پہنچ کر بہت اطمینان سے اچھے طریقے سے وضو کیا اور پھر تحیۃ المسجد کی دو رکعت ادا کیں اور پھر سنتیں ادا کیں اور پھر جماعت کے انتظار میں بیٹھا ذکر کرتا رہا، جب جماعت کھڑی ہوئی تو اس نے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کی، اس کا دل اور دماغ سب نماز کی طرف متوجہ ہیں، جب وہ تلاوت کرتا ہے تو اس میں اس کو لطف آتا ہے۔ جب ذکر کرتا ہے تو اس میں لطف آتا ہے، رکوع میں بھی اور سجدے میں بھی لطف آ رہا ہے، اس طرح پوری نماز بہت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کی، پھر بعد کی سنتیں ادا کیں، اور پھر اطمینان سے دل لگا کر دعا کی، پھر واپس گھر آ گیا، اور پھر دوسری نماز کے انتظار میں دل لگا ہوا ہے کہ کب اذان ہو اور کب مسجد جاؤں۔ ایک آدمی تو یہ ہے۔

ٹھیلہ لگانے والے کی نماز

دوسرا شخص بیوی بچوں والا ہے، اس کے اوپر ہزار طرح کی ذمہ داریاں اور حقوق ہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی کے لئے اور اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ٹھیلہ لگاتا ہے اور آواز لگا لگا کر سامان فروخت کرتا ہے۔ اب لوگ اس کے ٹھیلے کے اردگرد کھڑے ہوئے سامان خرید رہے ہیں، اتنے میں اذان ہوگئی، اب وہ جلدی جلدی لوگوں کو نمٹانے کی کوشش کر رہا ہے، حتیٰ کہ جماعت کا وقت آ گیا۔ تو اس نے جلدی سے اپنا ٹھیلا ایک طرف کیا اور اس کے اوپر کپڑا ڈالا اور بھاگتے ہوئے مسجد میں پہنچا، جلدی جلدی وضو کیا اور جا کر امام کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور جلدی سے نیت باندھ لی۔ اب اس کا دل کہیں، دماغ کہیں۔ ٹھیلے کی فکر لگی ہوئی ہے۔ اور گاہکوں کی فکر لگی ہوئی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور جماعت سے نماز ادا کی، پھر سنتیں ادا کیں اور جلدی سے

جا کر دوبارہ ٹھیلا لگا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دوسرا آدمی ہے۔

کس نماز میں روحانیت زیادہ ہے؟

پھر فرمایا کہ بتاؤ ان دونوں میں سے کس کی نماز روحانیت سے زیادہ قریب ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے شخص کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے، اس لئے کہ وہ اذان کے وقت گھر سے نکلا، مسجد میں آکر اطمینان سے وضو کیا، تحیۃ المسجد پڑھی، سنتیں پڑھیں اور اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دوسرے آدمی کی نماز روحانیت کے زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ اس نے حواس باختگی کی حالت میں نماز پڑھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے شخص کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں تھی اور اس کے اوپر کوئی فکرات نہیں تھے۔ اس نے اپنے آپ کو ہر ذمہ داری سے فارغ کر لیا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں اس کو نماز میں بہت لذت بھی آرہی تھی اور لطف بھی آرہا تھا۔ لیکن یہ دوسرا شخص اپنا وہ ٹھیلہ چھوڑ کر آرہا ہے جس ٹھیلہ پر اس کی اپنی معیشت اور اس کے گھر والوں کی معیشت موقوف ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا وقت آگیا تو وہ ٹھیلہ اس کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے سے غافل نہیں کر سکا، اس ٹھیلے کو چھوڑ کر جماعت میں آخر کھڑا ہو گیا اور نماز ادا کر لی۔ اس شخص کا عمل زیادہ مشقت والا اور زیادہ مقبول اور زیادہ موجب اجر ہے۔ اگرچہ اس کے اوپر کیفیت طاری نہیں ہوئی اور نہ اس کو لذت آئی لیکن اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے اجر وثواب میں کمی نہیں کریں گے۔ انشاء اللہ۔

مایوس مت ہو جاؤ

آج کل لوگ عام طور پر غیر اختیاری امور کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پریشان اور مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور پھر مایوسی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر شیطان وہ عمل چھڑوا دیتا ہے۔ شیطان اس کو یہ سکھاتا ہے کہ جب تیری نماز کسی قابل نہیں ہے تو پڑھنے سے کیا فائدہ؟ اس گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس لئے غیر اختیاری امور کے پیچھے مت پڑو۔ اور نماز پڑھنے کا جو طریقہ نبی کریم ﷺ نے سکھا دیا بس اسی طریقے سے نماز پڑھنے کی فکر کرو اور اپنی طرف سے دھیان نماز کی طرف لگانے کی کوشش کرتے رہو، اس کے بعد اگر کیفیت طاری ہو یا نہ ہو، نماز میں لذت آئے یا نہ آئے، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ نماز مقبول ہے۔

وسوسوں پر خوش ہونا چاہئے

بہرحال اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے بتادیا کہ یہ وسوسے ایمان کی علامت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دل میں وسوسوں کے آنے کو کوئی گناہ قرار نہیں دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے وہ یہ کہ ''ان دونوں حدیثوں میں امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہ ہونا مذکور ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان حدیثوں میں وساوس پر مسرور ہونے کی طرف اشارہ ہے'' یعنی اگر دل میں وسوسے آرہے ہیں مگر ان وسوسوں پر عمل نہیں ہو رہا ہے تو ان وسوسوں پر خوش ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ وسوسے تمہارے ایمان کی علامت ہیں، کسی کافر کے دل میں یہ وسوسے نہیں آتے بلکہ صاحب ایمان کے دل میں وسوسے آتے ہیں۔ اس لئے تم ان پر خوش ہو جاؤ۔ پھر آگے فرمایا کہ ان وسوسوں سے نجات کی یہی تدبیر ہے کہ ان کی کچھ پرواہ نہ کرے بلکہ ان پر خوش ہو۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ''شیطان کو مؤمن کی خوشی گوارہ نہیں۔ جب شیطان مؤمن کو وساوس پر خوش ہوتا ہوا دیکھے گا تو وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا''

وسوسہ کی تعریف

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ وسوسہ وہ ہے جو خود بخود دل میں آجائے، لیکن اپنی طرف سے سوچ کر وسوسہ لانا یا گناہ کا تصور کرنا یا گناہ کا ارادہ دل میں لانا، یہ وسوسہ نہیں ہے بلکہ خود ایک عمل ہے، اور یہ عمل بکثرت خود گناہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے سوچ کر قصد اور ارادہ کر کے وسوسہ نہ لائے اور جو وسوسہ خود بخود آجائے اس کی پرواہ نہ کرے۔

خیالات سے بچنے کا دوسرا علاج

اور یہ خیالات اور وسوسے جو انسان قصد اور ارادہ کر کے دل میں لاتا ہے، اس سے بچنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی اس قسم کا خیال دل میں پیدا ہو، اس وقت اپنے آپ کو کسی اور کام میں لگالے۔ اس لئے کہ یہ وسوسے اس طرح دور نہیں ہوتے کہ آدمی لاٹھی لے کر ان کے پیچھے پڑ جائے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی اور کام میں لگالے، کسی اور مشغلے میں اپنے آپ کو مشغول کر دے۔ اس کے لئے حضور اقدس ﷺ نے جو دعا تلقین فرمائی ہے وہ دعا بکثرت کیا کرے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کے حق میں وہ دعا قبول فرمالے، آمین۔ وہ دعا یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْيَتَكَ وَذِكْرَكَ وَاجْعَلْ هِمَّتِیْ وَهَوَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی))

کیا عجیب وغریب دعا ہے۔ آپ ایسی ایسی دعائیں تلقین فرما گئے کہ انسان ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ یعنی اے اللہ! میرے دل میں آنے والے خیالات کو اپنی خشیت اور اپنے ذکر میں تبدیل فرما دیجئے۔ انسان کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا دماغ کبھی بھی خیالات سے خالی نہیں ہوتا، کوئی نہ کوئی خیال اس کے ذہن میں ہر وقت رہتا ہے، مثلاً ہاتھوں سے کچھ کام کر رہا ہے، لیکن دماغ کہیں اور لگا ہوا ہے اور خیالات مسلسل آرہے ہیں، کوئی لمحہ خیالات سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ دعا کر دو کہ یہ جو فضول خیالات آرہے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یا اللہ! یہ خیالات بدل کر آپ کے ذکر اور آپ کی خشیت میں تبدیل ہو جائیں۔ جو خیال بھی آئے وہ یا تو آپ کا ہو یا آپ کی خشیت کا ہو، آپ کی یاد کا ہو، آپ کے سامنے حاضر ہونے کا ہو، آپ کی جنت کی نعمتوں کا ہو، دوزخ کے عذاب کا ہو اور آپ کے دین کے احکام کا خیال ہو۔ اور اے اللہ! میرے دل کے خیالات اور میری خواہشات کا رخ موڑ کر ان چیزوں کی طرف کر دیجئے جو آپ کو پسند ہوں، اور دل صرف اس چیز کی طرف مائل ہو جو آپ کو پسند ہو۔

یہ دعا نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمالے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ